احسان اور اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو پر
مؤلف کے قلم سے عصر حاضر کا شاہکار
آثار الاحسان
فی سیر
السلوک و العرفان
جلد دوم
تالیف
جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
شائع کردہ
محمود ایجوکیشنل اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ علیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

احسان اور اسلام کے باطنی اور رُوحانی پہلو پر
مُؤلّف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

آثار الاحسان

فی سیر

السلوک والعرفان

جلد دوم

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شائع کردہ: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ، لاہور

نام کتاب ...... آثارالاحسان (جلد دوم)

مصنف ...... ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم

کتابت ...... طاہر علی، کریم پارک، لاہور

ناشر ...... محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

صفحات ۴۳۲

تعداد ...... ایک ہزار

قیمت ......

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف 1/3 دیوسماج روڈ سنت نگر لاہور

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی نزد توحید پارک شاہدرہ لاہور 0300/0336-6332387

جیلانی اکیڈمی جہانزیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 0300-4840053

محمود پبلی کیشنز LG10 ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور 042-37321526

سٹی جامع مسجد سٹاک پورٹ روڈ مانچسٹر پوسٹ کوڈ ایم ۔۱۲

Jamia Islamia Manchester M12 4DT

00447877151083 - 00447815108503

فہرست مضامین

مقدمہ از مؤلف

آثار الاحسان

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

تصوف کی تاریخی حیثیت آپ پہلی جلد میں پڑھ آئے ہیں، اس جلد میں ہم کچھ مسائل تصوف اور آداب تصوف آپ کے سامنے لائیں گے۔ اس راہ کے مسافروں کے تجربات بھی اس راہ میں چلنے والوں کی قندیلیں ہیں اور یہ کوئی شریعت سے متصادم دوسری راہ نہیں دینی اعمال اپنے ظاہر میں شریعت سے سمجھے جاتے ہیں اور طریقت انہی اعمال کی باطنی کیفیات کا نام ہے۔ اسلام علم وعمل کا ایک دریا ہے تو شریعت اور طریقت اس کے دو کنارے ہیں، سالک اسی میں تیرتا ہوا نورِ خدا تک پہنچتا ہے۔

دین کی سب سے بڑی محنت دلوں پر محنت کرنا ہے جس طرح آئینہ یا صیقل شدہ لوہا ہو تو اس میں چیزوں کا عکس اترتا ہے اسی طرح دلوں سے زنگ اتر جائے تو ان پر جلوہ الٰہی اترتا ہے۔ گناہوں سے دلوں پر زنگ لگنے کی خبر قرآن کریم میں اس طرح دی گئی ہے:۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (پ۳۰ المطففین ۱۴)

ترجمہ: ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آچکا اس سے جو وہ کرتے رہے۔

اور ذکر الٰہی سے دلوں سے زنگ اترنے کی خبر حدیث میں موجود ہے:۔

ان القلوب ترین کما یرین الحدید

ترجمہ: بے شک دلوں کو زنگ لگتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگتا ہے۔

صاف دلوں پر اللہ کا جلوہ اس طرح اترتا ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب اسے مانع نہیں آتا، آئینہ دل حُسن مطلق کو اپنے اندر پالے تو اسے احسان کہتے ہیں۔ یہ حُسن سے باب افعال ہے اس کے خواص میں ایک صفت تعدیہ کی ہے، یہ اس جلوہ حسن کو آگے لے جاتا ہے۔ اسلام کے تقاضوں میں جس طرح ایمان ہے اور اس کی اپنی شاخیں ہیں، احسان کا بھی ایک

اپنا مقام ہے اور اس کی بھی شاخیں ہیں۔ احسان بندے کا خدا کی حضوری میں آنا ہے، یہ مقام انسان کو تبھی نصیب ہوتا ہے کہ اس سے اس راہ کے تمام حجابات اٹھ جائیں، یہ ذکر کرنے سے ہو یا مراقبہ سے یا مرشد کامل کی توجہ سے...... جوں جوں یہ حجابات اٹھتے جائیں انسان خدا کی حضوری میں آتا چلا جاتا ہے۔

اب وہ جو کام بھی کرے گا اور جہاں بھی ہوگا اس کا یہ دھیان اس کے ساتھ ہوگا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے، یہ کیفیت پختہ رہے تو کہتے ہیں وہ نسبت حضوری پا گیا۔ سو جلد ہم انشاء اللہ العزیز قلب کی واردات پر بھی کچھ گفتگو کریں گے پھر اس تسلسل میں ہم انشاء اللہ اولیاء کرام کی اس حیات برزخی پر بھی کچھ کلام کریں گے جو ان کو قرب الٰہی کی بدولت عالم برزخ میں حاصل ہے اور اس کے بعض آثار یہاں بھی دنیا میں بارہا دیکھے گئے ہیں۔

شریعت اور طریقت میں ایک نہایت ہی لطیف ربط ہے

دین ایمان سے چل کر اسلام میں آتا ہے اسے شریعت کہتے ہیں، اور جب یہ عمل احسان میں آئے تو اسے طریقت کہتے ہیں۔ شریعت میں مومن کو عمل کی پابندیوں میں کچھ کلفت اور مشقت محسوس ہوتی ہے مگر طریقت میں سالک کوئی مشقت محسوس نہیں کرتا۔ جس طرح ماں بچے کے لیے بار بار جاگنے میں کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتی۔ یہ کب ہوتا ہے؟ جب شریعت طبیعت بن جاتی ہے اور جس کے لیے یہ ریاضت کی جارہی ہے اس کی محبت دل میں جاگ اٹھی ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:۔

اس کا انحصار خدا کے ساتھ تعلق کی کیفیت پر ہے یہ تعلق جتنا کم اور سطحی ہوگا انسان خدا کا حکم بجا لانے میں تکلیف محسوس کرے گا اور یہ تعلق جتنا گہرا اور مخلصانہ ہوتا جائے گا تکلیف کم ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کے فرمان کو بجالانا ہی اس کے لیے راحت کا سامان بن جائے گا اور اس کے بغیر اسے چین نہ آئے گا۔ (کشف المحجوب ص: ۴۴۷)

اس کے سو سال بعد بھی اہل طریقت کی یہی صدا سننے میں آرہی ہے حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

اللہ کے ساتھ جب ان کا دل صاف ہو جاتا ہے تو انہیں اس وقت شرعی

تکلیفات بجالانا بھاری نہیں لگتا۔ (آداب المریدین ص: ۱۰)

اس راہ میں چلنے والوں کی اس سے اگلی صدی میں بھی یہی آواز رہی ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۶۴۲ھ) لکھتے ہیں:۔

محبت ایک ایسی خواہش ہے جو ہر مصیبت کو آسان کر دیتی ہے۔ ایسے شخص کی نیند خراب ہوجاتی ہے۔ صرف فاقہ کے وقت کھاتا ہے اور ضرورت کے وقت بولتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص: ۶۲۷)

اس اُمت کے دوسرے ہزار سال میں بھی اہلِ طریقت اسی راہ سے شریعت کی منزلیں طے کرتے آئے ہیں۔ تصوف کی راہ سے ہی شریعت پر عمل آسان ہوتا ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:۔

تصوف پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو۔ (دیکھئے مکتوبات شریف دفتر اول نمبر: ۲۰۷)

حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنی اُمت سے اپنی محبت چاہی تو یہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ اس لیے کہ امتی پر آپ کی پیروی کی منزلیں آسان ہوجائیں اور وہ آپکی پیروی میں کوئی بوجھ محسوس نہ کرے۔ مرشدانِ طریقت بھی اپنے مریدوں سے جواپنی عقیدت چاہتے ہیں تو یہ اس لیے کہ ان پر آداب شیخ کا بجالانا بوجھ نہ رہے، یہ ان کی طبعیت کا اقتضا بن جائے۔ یہ دولت ہمیشہ زندہ انسانوں سے انسانوں کو ملی ہے اس راہ کے مسافر کبھی لٹریچر کے مطالعہ سے اس راہ کو عبور نہیں کرپاتے، ان کو خدا کی حضوری زندہ انسانوں سے ہی ملی ہے۔

اس سے ملنے کی ایک ہی ٭ راہ ہے
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اس نعمت عظمیٰ کو پانے کے لیئے انسان بحر و بر میں دوڑا، اس کا گیان اور دھیان پانے کے لیے کہاں تک نہیں پہنچا۔ تاہم اس راہ کا کوئی مسافر منزل آشنا نہ ہو پایا، نہ وہ خدا کی حضوری کہیں پا سکا، جب تک وہ خود اس راہ میں نہ آئے جو رب العزت نے اس راہ کے مسافروں کے لیے خود تجویز کی ہے۔ اس اُمت کے پہلے طبقے (صحابہ اکرامؓ) کو تزکیہ کی دولت اور دلوں کے پاک ہونے کی نعمت دنیا کے کامل ترین انسان سے ہی ملی خدا نے آپ کے ذمہ لگایا کہ آپ اپنے فیضِ صحبت سے ان کے دلوں کو وہ جلا بخشیں کہ ان میں حسن مطلق کا

جلوہ اُتر آئے۔ یہ صرف راہ نبوت ہے جو خدا کا پتہ دیتی ہے۔ جس نے بھی اس راہ کے بغیر محض عقل و دانش سے خدا کی معرفت چاہی وہ کبھی اس منزل پر پہنچ نہیں پایا۔ افلاطون اپنی عقل و دانش میں اتنا اُونچا تھا کہ عقیدہ توحید پا گیا مگر اس کے لیے بھی راہ یہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں پر حاضری دے اور رسالت کے ذریعے اللہ رب العزت کی معرفت پائے۔

جن سے خدا خود ملا وہ انبیاء و رسلؑ ہیں اور انکے ذریعے جو خدا سے ملے وہ اولیاء ہیں طریقت اور ولایت دونوں وہبی ہیں اور خدا کی اپنی عطا اور عنایت ہیں۔ اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہوسکتی ہے وہ ان حضرات سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ نبوت کا ملنا ختم ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی ہے، جس کا شریعت پر چلنا خدا کو پسند آجائے وہ اسے اس کھڑکی میں داخلہ دے دیتا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں۔

اعلم ان اللّٰہ تعالیٰ قصم ظهور الاولياء بانقطاع النبوة والرسالة بعد محمدؐ وذلك لفقدهم الوحی الربانی الذی هو قوت ارواحهم (فتوحات مکیہ باب ۱۴ الیواقیت للشعرانی جلد ۲ ص ۴۷)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت سے اولیاء کرام کی (مقام ولایت سے آگے بڑھنے کی) کمریں توڑ دیں حضرت محمدؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اب وہ اُس وحی کو جو اُن کی روح کی غذا تھی کھو بیٹھے۔

اب اولیاء کے لیے وحی خداوندی کی راہ کبھی نہ کھلے گی وہ کتنا ہی قربِ الٰہی میں پہنچیں نبوت کی راہ کو کسی طرف سے کھلا نہ پائیں گے۔ یہ کڑوا گھونٹ انہیں پینا ہی پڑے گا کہ اب ان کے لیے ولایت سے آگے بڑھنے کی کوئی راہ نہیں۔

لما اغلق اللّٰہ باب الرسالة بعد محمدٍ تجرعت الاولياء مرارته لا نقطاع الوحی (الیواقیت جلد: ۲، ص: ۳۹)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے بعد رسالت (کہ وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے) کا دروازہ بالکل بند کر دیا تو اولیاء اکرام نے اس پر کڑوے گھونٹ پیئے (اپنی بے بسی محسوس کی) کہ اب خدا سے براہِ راست بات کر لینے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

نبوت کا سلسلہ اس طرح ختم ہوا کہ اب کوئی شخص خدا سے قطعی درجے میں کوئی خبر پانے والا پیدا نہ ہوگا۔ ایسی وحی بھی جس میں کوئی نئے احکام نہ ہوں اب کسی کو نہ ملے گی نہ کوئی خدا سے باب نبوت سے باتیں کر پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو انبیاء و رسل کو کوئی نام نہ دیا تھا اس کے علم میں تھا کہ ایک دن سلسلہ نبوت و رسالت کسی پر ختم ہوگا اس کے بعد کسی کو یہ نام نہ ملے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا کوئی نام ختم ہو۔ نبی اور رسول کا لفظ کبھی کسی تاویل سے بھی اللہ رب العزت کے لیے وارد نہیں ہوا، تاہم اولیاء پر اس کا یہ کرم خاص ہوا کہ اس نے انہیں اپنا ایک لافانی نام عطا کیا۔ اللہ کی کوئی صفت اور اس کا کوئی نام کبھی ختم ہونے والا نہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ولی بھی ہے اس نے اسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھا ہے اور انہیں جو ختم نبوت کی وجہ سے آگے بڑھنے کے کڑوے گھونٹ پی رہے تھے، اپنا یہ نام دیا۔ شیخ اکبر کہتے ہیں۔

فرحمهم الحق بان أبقىٰ عليهم اسم الولي (ایضاً صفحہ:۸۶)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان پر اپنے نام ولی کو باقی رکھا۔

یہ نام نہ ختم ہونے والا ہے باب ولایت سے اُونچی پرواز گو ان کے لیے نہ رہی، وحی کا سلسلہ اب ان کے لیے بند ہو چکا ہے۔ ایسی وحی اب کسی پر نہ آئے گی جس کا ماننا لوگوں کے لیے لازم ٹھہرے اور وہ دین کا جزو ہو، تاہم اللہ رب العزت نے انہیں اپنے ایک نام سے نوازا اور اس نام کا کبھی اختتام نہیں۔ اور یہ ایک بڑی دولت ہے جو انہوں نے پالی۔

نبی اور رسول کے نام اللہ کی شان کے لائق نہیں لیکن اسم ولی اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ یہ مقام ولایت کے راہ نوردوں کے لیے ایک بڑی خوشخبری ہے۔

فأبقىٰ علينا اسم الولي وهو من اسمائه سبحانه و كان هذا الاسم قد نزعه من رسوله و خلع عليه اسماء العبد والرسول ولا يليق بالله ان يسمي نفسه بالرسول ( )

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اسم ولی باقی رکھا اور یہ اسکے اپنے اسماء میں سے ہے اور یہ نام گویا اس نے اپنے رسولؐ سے لے لیا اور اس پر عبدہٗ و رسولہٗ کے اسماء اتار دیئے اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی پیرائے میں رسول کا نام دے۔

اس جہت سے مقامِ ولایت نے ایک اور رفعت پائی یہ فضیلت جزوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب انہیں (اولیاء کو) اپنی دوستی براہ راست دے دی، تاہم یہ درست ہے کہ ان پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ پہلے اس دروازے سے انبیاء پر شرائع اترتی تھیں اور اب یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا۔

شیخ اکبر اپنے ایک مکاشفہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

میں اپنے دور کے واصلین کے ساتھ باب الٰہی پر آیا تو میں نے اسے کھلا پایا اس پر کوئی دربان اور پہرے دار نہ تھا، میں وہاں ٹھہرا کہ وراثتِ نبوت کی خلعت پاؤں۔ وہیں میں نے ایک چبوترہ دیکھا میں نے اس پر دستک دینے کا ارادہ کیا، مجھے آواز آئی دستک نہ دے اب یہ دروازہ کبھی کھلنے کا نہیں، مجھے بتایا گیا۔

> **ھذہ خوخۃ اختص بھا الانبیاء والرسل علیھم السلام ولما کمل الدین اغلقت ومن ھذا الباب کانت تخلع علی الانبیاء علیھم السلام خلع الشرائع** (الفتوحات المکیہ جلد:۳،ص:۵۳)
>
> ترجمہ: یہ بارگاہ عالی نبوت و رسالت سے خاص ہے جب دین مکمل ہو گیا اسے بند کر دیا گیا اس دروازے سے انبیاء پر شرائع کی خلعتیں اترتی تھیں۔

نبوت کا دروازہ بند ہے اور ولایت کی کھڑکی کھلی ہے اب ولایت کے اپنے درجات اور مقامات ہیں اس سے تصوف کے اپنے مسائل سامنے آئے سالک کے لیے ان مسائل کو جاننا ہی فائدہ دیتا ہے جیسے مسافر کو رستے میں کہیں چراغ میسر آ جائیں۔ سالک اپنی راہوں سے وادیٔ سلوک کو عبور کرتا ہے، یہ بات علیحدہ ہے کہ اللہ رب العزت خود کسی پر مہربان ہو جائے اور اسکے دل میں خدا کی محبت اچانک جاگ اٹھے، یہ دلوں کی بیماریاں ہیں جو ان میں محبت الٰہی اترنے نہیں دیتیں ان بیماریوں کو سالک اللہ کے ذکر سے زائل کرے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں مراقبے بھی کرے۔ سالک کے لیے یہ دونوں کام برابر کی رفتار سے جاری رہنے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت میں تڑپ بھی برابر رہے اور ساتھ ہی دل کا زنگ اتارنے میں شیخ کی تربیت میں اذکار و تسبیحات جاری رہیں ان میں سے کوئی پلڑا اٹھنے نہ پائے، یہ دونوں عمل برابر کی محنت سے جاری رہنے چاہئیں۔

مسائل تصوف میں دلوں کی بیماریوں کو جانا جاتا ہے اور اخلاقی قدروں کو پہچانا جاتا ہے، پھر ہر ایک کے ازالہ کی ایک تدبیر اور ایک تربیت ہے۔ اس راہ کے مسافروں کے لیے مہلکات کو جاننا اور منجیات کو پہچاننا تصوف کی روح ہے۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے کیمیائے سعادت اور احیائے علوم دین میں ان کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جس طرح عقائد میں سب سے بڑی ہلاکت شرک ہے معاشرے میں سب سے بڑی برائی زنا کا کاروبار ہے معصیت میں سب سے بڑی برائی سود کھانا ہے اور اسے حلال کہنا اللہ اور اس کے رسول خاتم سے جنگ کا اعلان کرنا ہے۔ دل کے امراض میں سب سے بڑا مرض ،کبر اور حبِّ جاہ ہے۔ کائنات میں سب سے پہلا گناہ کبر کا تھا ابلیس نے بوجہ کبر آدم کو سجدہ نہ کیا حبِّ جاہ اسی کبر کا دوسرا رخ ہے۔

اس کے برعکس تصوف کی بناء تواضع پر ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو گرانا ہے، سالک کو اپنے آپ کو گرانے سے ہی رفعت ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

وما تواضع احد للّٰہ الا رفعہ اللّٰہ

(جامع ترمذی ج:۲،ص:۲۴ وقال حسن صحیح)

ترجمہ: اور جس کسی نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے جھکایا اللہ اس کو اٹھاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

مسائل فقہ میں علم جوش مارتا ہے۔ اختلافات بڑھتے ہیں اور جذبہ مسابقت ابھرتا ہے، یہ تصوف ہے جو علما اور فقہاء میں تواضع لاتا ہے ان لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے۔ آثار الاحسان جلد اول میں ہم ان بزرگوں کی ایک فہرست دے آئے ہیں جو اپنے وقت کے محدثین اور فقہاء بھی تھے۔ مگر وہ وادی سلوک کو بھی عبور کیے ہوئے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ جب امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر گئے تو وہاں ان کی مسجد میں نماز میں رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین نہ کی۔ آپ صرف فقہ و حدیث کے امام نہ تھے اہل طریقت کے بھی پیشوا تھے۔ امام ابو حنیفہؒ خود بھی اہل طریقت میں سے تھے، حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں انہیں اہل طریقت میں ذکر کیا ہے۔ علم کے ساتھ جب تواضع آ ملے تو اس سے بڑی کوئی روحانی نعمت نہیں۔

چار درویش ایک کمبل میں گزارہ کر سکتے ہیں لیکن دو ظاہر کے عالم ایک قصبہ یا ایک شہر میں ایک دوسرے پر روک ٹوک کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی جب

امرتسر میں مقیم ہوئے وہاں کس طرح وہ اپنے علماء شریعت سے لڑے اسے کتاب مظالم روپڑی پر مظلوم امرتسری (تصنیف مولانا ثناء اللہ امرتسری) میں دیکھ لیں۔

صوفیاء کرام نے اپنی اس تواضع سے لاکھوں مسلمانوں کے دل جیتے اور ان میں خدا کی محبت اتار دی۔ مگروہ فضلاء کہ ذوق طریقت انکے نصیب میں نہ تھا، صوفیاء کے اس برابر کے عجز کو عزت نفس کے خلاف سمجھتے رہے بلکہ بعض نے اسے ذلت نفس تک کہہ دیا۔

حضرت امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے اقران میں سے تھے آپ بھی اہل طریقت میں سے تھے آپ فرماتے ہیں۔

پانچ قسم کے لوگ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں:۔

(۱) زاہد عالم (۲) فقیہ صوفی (۳) تواضع سے پیش آنے والا غنی

(۴) صابر شاکر فقیر (۵) روشن ضمیر بڑا آدمی (شریف) (عوارف العارف صفحہ ۳۹۲)

روشن ضمیر شریف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑی دنیوی عزت دی ہو وہ کوئی عہدیدار یا کسی درجے کا ذمہ دار ہو مگر اللہ نے اسے دل روشن عطا کیا ہو۔

تواضع زگردن فرازاں نکو است

گدا گر تواضع کند خوئے اوست

ترجمہ: بڑے لوگوں کی طبیعت میں عاجزی ایک نیکی ہے کہ گدا گر عاجزی کرتا ہے تو یہ اس کی عادت ہے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدونِ علواً فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین (پ۲۰، القصص ۸۳)

ترجمہ: وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ بگاڑ ڈالنا، اور بھلی عاقبت ڈرنے والے لوگوں کے لیے ہے۔

سو تصوف میں ان لوگوں کے لیے کوئی حصہ نہیں جو اپنی بڑائی اور بزرگی چاہتے ہیں۔ اسکی بنیاد تواضع پر ہے۔ اور جو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے گرائے اللہ تعالیٰ اسے اٹھاتے ہیں اور بلند کرتے ہیں۔

کبر کا مرض کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا

جب کسی پر بلا اترتی ہے اور وہ کسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو ہر کسی کو اس پر رحم آتا ہے لیکن ایک شخص ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس پر بلا اترتی ہے تو اس پر کسی کو رحم نہیں آتا۔ وہ کون شخص ہے؟ وہ جو کبر و نخوت کا شکار رہا ہو.... یہ تواضع کی ضد ہے۔ جب کوئی متکبر پکڑا جاتا ہے تو اس پر رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا کسی کو اس پر رحم نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں کہا گیا ہے۔

فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین

(پ۲۵ الدخان ۲۹)

ترجمہ: سو نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین اور اُن کو مہلت نہ دی گئی۔

حضرت شیخ ضیاالدین سہروردی (۵۶۳ھ) لکھتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نے کسی کو نماز میں کوئی بے ہودہ حرکت کرتے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس کا دل عاجزی کرتا تو اسکے اعضاء بھی عاجزی کرتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ابو حفص حداد سے کہا کہ آپ کے احباب تو آپ کا ایسا ادب کرتے ہیں جیسے بادشاہوں کا ادب، تو آپ نے کہا ایسا تو نہیں پر یہ ہے کہ ظاہر کا حسن باطن کے حسن کا نشان ہوتا ہے۔ (آداب المریدین صفحہ ۱۷)

دوسروں کا حسن ادب کا اظہار بھی اگر صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو تو ان بزرگوں کے عمل تواضع سے نہیں ٹکراتا۔ وہ اپنے آپ کو مریدین سے کچھ اونچا نہیں سمجھتے وہ عطاء الٰہی ہے کہ جسے چاہے اونچا کر دے اور جسے چاہے نیچا کر دے۔

نصیر اس کو فضل الٰہی سمجھ
وگرنہ تجھے جانتا کون ہے

تصوف ترک دنیا کا نام نہیں ہے

تصوف کی محنت سے بقول حضرت ہجویریؒ دلوں کے حجابات اٹھتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اترتی ہے کشف المحجوب انہی پردوں کو اٹھانے کی محنت ہے۔

تصوف ترک دنیا کا نام نہیں نہ اسلام رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے، تاہم سالکین دنیا

میں زیادہ انہماک نہیں رکھتے دنیا بقدر ضرورت ملے بس اسی میں وہ خوش ہیں اور آخرت کی زندگی کو وہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی سمجھتے ہیں۔ پس فلاح اسی میں ہے سالک روزی کی تلاش میں اتنا نہ لگے کہ اسے اللہ کی اس ضمانت پر بھروسہ نہ رہے۔

ومامن دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا (پ۱۲، ہود۶)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی نہیں مگر یہ کہ ہے اللہ پر اسکی روزی۔

دونوں باتیں ذہن میں رہیں یہ فقر ہے یہ مجرد محتاجگی نہیں، یہ فقرِ محمود ہے کہ بقدر ضرورت دنیا میں لگے اس میں اس قدر مشغول نہ ہو کہ اصل مقصد حیات کی طرف توجہ نہ رہے تب کہیں اسے وادی سلوک میں چلنا میسر ہو سکے گا۔ فقر کی انتہا سے تصوف کی ابتدا ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ضیاالدین سہروری لکھتے ہیں:۔

اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ فقر اور چیز ہے اور تصوف اور چیز، فقر کی نہایت تصوف کی بدایت ہے ایسے ہی زہد اور ہے اور فقر اور، فقر مجرد محتاجگی اور نہ ہونے کو نہیں کہتے فقر محمود یہ ہے کہ اللہ پر توکل کرے اور اس کی تقسیم پر راضی ہو۔ (آداب المریدین صفحہ ۱۰)

جب دلوں پر گناہوں کے حجاب چھائے ہوئے ہوں اس وقت خدا کی تقسیم پر راضی رہنا بہت مشکل ہوتا ہے سو ضروری ہے کہ پہلے سے ان حجابات کو اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ قرآن کریم میں رزق کی تقسیم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کی اپنی اپنی ہے اب کیا کوئی ہے جو خدا کی تقسیم پر راضی نہ ہو اور سب کے لیے ایک معیار معیشت کا طالب ہو!

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا (پ۲۵، الزخرف ۳۲)

ترجمہ: ہم نے بانٹ دی ہے ان میں ان کی روزی اس دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے ہیں روزی میں ان کے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہرائیں ان میں سے بعض دوسرے بعض کو خدمتگار (کہ اُن کو اِن کے ذریعے سے روزی ملے)

بندہ جب دنیا میں رزق کی بہاء چاہے تو یہ رزق وافر اسے صحیح راہ پر آنے نہیں دیتا۔ قرآن کریم میں ہے۔

وکم اھلکنا من قریة بطرت معیشتھا فتلک مساکنھم لم

تسکن من بعد هم الا قليلاً و کنا نحن الوارثين (پ۲۰ القصص ۵۸)
ترجمہ: اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں جو اپنی معیشت پر اترائیں سو یہ انکے گھر دیکھو کہ ان کے بعد آباد نہ ہوئے مگر کچھ وقت ہی اور ہم ہی ہیں آخر میں سب کچھ لینے والے۔

حضرت امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں اس راہ کی تین ہلاکتیں اس طرح ذکر کی ہیں:۔

۱۔ دنیا کی دوستی کے بیان میں
۲۔ مال کی دوستی کے بیان میں
۳۔ جاہ وحشمت کی طلب میں

یہ آپ کے بیان کردہ دس مہلکات میں سے پانچویں چھٹی اور ساتویں ہلاکتیں ہیں۔ سالک جان و مال کا یہ تحفظ اور اپنے لیے عزت کی طلب کبھی نہ کرے اگر وہ جانتے ہوئے ہو کہ سب عزت حقیقت میں صرف ایک اللہ کے لیے ہے ان العزة لله جميعا.

حمد را باتو نسبتے است درست
بردرے ہر کہ رفت بردرے تست

امام غزالیؒ نے پھر ان بیماریوں کے علاج بھی بتلائے ہیں سالک کو چاہیے کہ دنیا بقدر ضرورت طلب کرے اس سے آگے نہ بڑھے۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ وہ کبھی اشارۃً بھی یہ تاثر نہ دے کہ تصوف ترک دنیا کا نام ہے، نہ وہ کسی کو یہ تاثر دے کہ اسے "وما من دابة في الارض الا على الله رزقها" کی رو سے خدا کی ضمانت پر بھروسہ نہیں ہے، نہ وہ یہ کہے کہ اسباب کو چھوڑ کر سب کچھ اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین کرلو۔

ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کبھی (حالی)

تصوف میں اصلاح وتربیت کی ابتداء

اسلام میں اصلاح وتربیت کی ابتداء نیک صحبت سے ہوتی ہے۔ علم کا سایہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ صحبت کا شرف اور علم کا کمال اعمال صالحہ کی آبیاری کرتے ہیں۔ علم میں کمی

بیشی ہوتی ہے اور علم کے مختلف درجات ہیں ان کے مطابق اللہ رب العزت اہل علم کو درجات دیتے ہیں۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت

(پ ۲۸، المجادلہ)

لیکن اس امت میں پہلا شرف علم پر نہیں صحابیت پر رکھا گیا ہے اس میں سب صحابہؓ ایک سے ہیں۔اس شرف میں حضرت بلال حبشیؓ امام ابو حنیفہؒ سے بہت آگے نکل گئے۔شرف صحابیت میں سب صحابہ ایک مقام پر رہے جس نے ایمان کے ساتھ حضورؐ کو آپ کی زندگی میں بیداری میں دیکھا (گو ایک لحظہ کے لیے ایسا ہوا ہو) وہ مقام صحابیت پا گیا۔صحابیت صحبت سے ہے یہ کوئی علم یا عمل کا پیمانہ نہیں نہ اسکے لیے کسی خاص درجہ علم یا عمل یا ریاضت کی ضرورت ہے ہاں ان میں سے ہر ایک کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے

وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ (پ ۲۸، الحدید ۱۰)

ترجمہ: اور ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ دیا ہے۔

ہر ایک صحابی سے وہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار سے، سابقین سے ہو یا متاخرین سے، اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، پھر جنت میں ان کے اپنے اپنے درجات ہیں۔

یہ خدا کی عنایت تھی کہ جسے چاہا حضورؐ کے اس دور میں پیدا کر دیا اور وہ یہ نعمت عظمیٰ پا گئے، آگے ان میں بھی جو علم میں آگے نکلے وہ مجتہدین صحابہؓ مانے گئے اور تمام صحابہ حضورؐ کے بعد انکی پیروی اور تقلید میں چلے اور یہ تمام حضرات ایک اُمت ہو کر رہے، ان میں مجتہدین بھی تھے اور مقلدین بھی تھے۔

تصوف میں صحبت کی اولیت

کاملین کی صحبت میں آنا تصوف کا موضوع ہے ہاں یہ مدار شریعت نہیں شریعت کا مدار کتاب وسنت اور ان سے استنباط کردہ مسائل پر ہے۔مگر طریقت کا مدار نیک صحبت اور دلوں کی صفائی پر ہے اور اسے تزکیہ بھی کہتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے جہاں صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم دی وہاں ان کا تزکیہ بھی فرمایا۔یہی تعلق صحبت جب نکھرتا ہے اور اس میں دلوں پر محنت ہوتی ہے تو انسان روزمرہ کی زندگی میں مقام احسان پر آجاتا ہے اور وہ ایک روشن احساس ہے

کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحہ ہر آن دیکھ رہا ہے۔ ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کہ عبدیت میں اسطرح آ کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر تو کچھ نہ رہے، اپنے آپ کو بالکل مٹالے تو اسے دیکھ پائے گا کیونکہ وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

اسلامی معاشرے میں کوئی دور تصوف سے خالی نہیں رہا ہم پہلی جلد میں اس پر صدی وار شہادت پیش کر آئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کو تو آپ بہت قریب سے جانتے ہیں۔ جہاں جہاں بھی شر کی جگہ خیر آیا ہے وہاں پہلے صوفیہ کرامؒ کے قدم آئے ہیں پھر وہاں علم کے چراغ روشن ہوئے۔ شریعت تقلید کی راہ سے بھی عمل میں آئے تو اپنے اثرات دکھا دیتی ہے اس راہ کے مسافر زیادہ پیروی میں چلتے ہیں تحقیق کا دم نہیں مارتے تاہم کرامات واحوال سے بھی وہ اس طرح نوازے جاتے ہیں کہ ان پر محققین بھی حیران نظر آتے ہیں۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

تصوف دل کے حجابات اٹھانے کی ہی ایک محنت ہے

دل کے حجابات کیسے اٹھتے ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ خود کسی خوش قسمت پر مہربان ہو جائیں اور اسے اپنی طرف کھینچ لیں جس طرح اس نے حضرت عمرؓ کو کھینچ لیا اور ان سے اسلام کو وہ عزت دی جو حضورؐ کی تمنا تھی اور آپکے منہ سے نکلی ایک دعا تھی۔

۲۔ اسباب کی دنیا میں کوئی دنیا کی حقیقت سمجھ لے اور اس کا دل اللہ کے حضور رجوع لائے تو دینی اصلاح کے لیے اس کا پہلا عمل توبہ ہے اور اگر یہ توبہ کسی مرد کامل کے ہاتھ پر ہو تو اسے بیعت کہتے ہیں۔

۳۔ کبھی کاملین کی توجہ خود بھی کسی طالب کے شامل حال ہو جاتی ہے اور وہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اس پر ہم مصطلحات تصوف میں کچھ بحث کر آئے ہیں۔

توبہ کے مختلف دائرے: (۱) کبائر سے (۲) سیئات سے (۳) خلاف اولیٰ سے۔

انبیاء کرام اپنی علو نسبت میں خلاف اولیٰ کو بھی گناہ سمجھتے ہیں، جب ان کی طرف گناہ کی نسبت ہو تو گناہ اپنے اصل معنی میں نہیں ہوتا۔

انسان کبائر سے توبہ تو عام مشاہدات کائنات سے بھی کرلیتا ہے۔قرآن کریم میں اس پر ان فی ذلک لآیات کی نص وارد ہے۔ ہاں نفس لمّارہ کے چھوٹے چھوٹے روگ مرشد کامل کی تربیت کے بغیر کم ہی نکلتے ہیں۔ پھر ہر گناہ کا ایک اپنا وزن ہوتا ہے اور اس سے بھی بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ بدی بدی کو کھینچتی ہے اور اپنی ایک کمزوری سے بے پروائی کئی کئی کمزوریوں میں مبتلا کردیتی ہے۔

تاریخ کے موڑوں پر یہ دور بھی دیکھا ہے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

طالبین پہلے اپنے وہ گناہ پہچانیں (۱) جو کبیرہ ہیں ان سے بچنا پھر صغائر سے بچنا بھی ہوجاتا ہے (۲) سیئات اور (۳) اپنی خلاف اولیٰ غلطیوں کو پہچانیں اور انہیں کبھی حقیر نہ جانیں۔

ارادت اور توبہ کے اپنے آداب ہیں انہیں ہم انشاء اللہ العزیز آداب کی فہرست میں زیر بحث لائیں گے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں بر سبیل تعارف چندان بیماریوں کا بھی ذکر کردیں جن سے اخلاق باطنہ کی گہری کھائی کو عبور کرنے میں بہت سے لوگوں نے مار کھائی ہے۔

اخلاق باطنہ کے دو پیرائے

تصوف کی حقیقت آپ جان چکے ہیں کہ یہ اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اچھے اخلاق کو اپنے قلب و قالب میں لانے اور اپنانے کی دینی محنت کا دوسرا نام ہے۔ ہم یہاں اخلاق کا، وہ اچھے ہیں یا برے، ایک جامع نقشہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور انہیں اپنے قلب اور نفس کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ایک بزرگ نے اخلاق حمیدہ کو ان نو خصائل میں جمع کیا ہے:۔

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
نُہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت وعلم ویقین
تفویض و توکل ورضا و تسلیم

اور اخلاق رذیلہ کو ان دس میں اس طرح جمع کیا ہے۔

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن ازدرون سینہ
۱۔حرص و ۲۔امل و ۳۔غضب و ۴۔دروغ و ۵۔غیبت
۶۔حسد و ۷۔بخل و ۸۔ریا و ۹۔کبر و ۱۰۔کینہ

ان رذائل کو دل سے نکالنے اور ان فضائل کو دل میں بٹھانے کے لیے اس راہ کے کچھ اعمال ہیں، کچھ مقامات ہیں۔ سالک کو ان تمام راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اس میں اسے کئی مقامات ملیں گے۔ ہم انشاء اللہ ان مقامات کا بھی آگے کہیں ذکر کریں گے، کچھ ان کی تفصیل بھی آگے کی جائے گی۔ ان کے بعد ان رذائل اور فضائل پر کچھ تفصیلی بات آپ کے سامنے لائی جاسکے گی، واللہ ھو الموفق۔

یہاں مقدمہ میں ان کا یہ مختصر تعارف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ قارئین کرام اس فن کی ضرورت اور وسعت کو اپنے دل میں بسالیں۔ اس پر وہ اسے ایک موضوعِ علم کے پہلو سے ہی نہیں عمل کے پہلو سے بھی دیکھیں وہ اس میں اصلاح وتربیت کا ایک عظیم ذخیرہ پائیں گے۔

روحانی فیض واصلاح خلوت کی مجلسوں سے ہی ملتا ہے:

صرف صحابہ کرام وتابعین عظام حضور ﷺ کے قرب مکانی اور آپ کی نظر پر اثر کی وجہ سے زیادہ خلوت مکانی کے محتاج نہ تھے لیکن بعد کے ادوار میں سنۃ اللہ اِسی طرح جاری ہوئی کہ جتنا کسی مرشد کامل کے زیادہ قریب رہو گے اصلاح وتربیت اسی کے مناسب میسر آئے گی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

حضرات صحابہ و تابعین بوجہ قوت قلب و قرب عہد فیض مہد
بلکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ رہے۔ بعد میں تفاوت احوال و طبائع کے سبب عادۃ اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی۔ (التکشف ص۲۷۳)

روح اور نفس کا اپنا اپنا دائرہ ہے

سعادات کی فرودگاہ روح ہے اور خواہشات کا منبع نفس ہے اور دونوں کا اپنا اپنا میدان ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارواح اولادِ آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اسی طرح

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں خواہشات اتاریں۔ جونہی نفس کی تخلیق کی، اس میں خیر وشر کے دو نقطے اتار دیئے۔ روح عالم بالا میں رہی اور نفس اس نچلے جہان میں موضوع امتحان رہا۔

خواہشات کا منبع نفس ہے اسے اچھی اور بری دونوں باتیں سمجھا دی گئیں، قرآن کریم میں اس کی خبر دی گئی ہے **فالھمھا فجورھا و تقوٰھا**۔ طبیعت کی کلی پہلے یہیں کھلتی ہے۔ نفس ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا روح کی کارکردگی آپ لطائف اعمال میں دیکھ سکیں گے۔

یہ تصوف کا حاصل عمل ہے، ہم یہاں یہ دس عنوان بلا ترتیب پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس راہ کے مسافروں کو کن کن اسٹیشنوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہر صاحب مقام اپنے مقام کو بہتر پہچان سکتا ہے۔ ہم انشاء اللہ آگے کتاب میں ان کی پوری تفصیل کریں گے۔

تصوف کے مقامات

۱۔ مجاہدہ ۲۔ مشاہدہ ۳۔ محاسبہ ۴۔ مراقبہ ۵۔ ہمت
۶۔ نسبت ۷۔ لطائف ۸۔ سیر وسلوک ۹۔ خواطر ۱۰۔ موانع

ہم ان مباحث میں پہلے دور کے ائمہ تصوف ۱: حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ)، ۲: امام غزالیؒ (۵۰۵ھ)، ۳: شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) اور ۴: محبوب سبحانی قطب صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۹۵ھ) کی راہ پر چلے ہیں اور ان کی تائید میں ہم نے کہیں کہیں دوسرے ہزار سال کے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، حضرت شیخ عبدالغنی نابلسیؒ (۱۱۴۳ھ) اور حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) سے بھی استناد کیا ہے۔

ایک خطرے پر انتباہ

اس راہ میں گو دل بہت لگتا ہے یہ ایک نئی دنیا کی سیر ہے اس لیے ہم نے اپنے عنوان میں بھی اسے سیرِ سلوک وعرفان کہا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہاں علم ظاہر میں اور مشاہدات میں کبھی زبردست ٹکر بھی ہوتی ہے، کبھی شیطانی طاقتیں مجسم ہو کر مومن اور اس راہ کے مسافروں کو اپنی راہ سے بچلاتی ہیں۔ سو اس میں زیادہ گہرے چلے جانے سے کئی خطرات بھی ہیں ان میں سالک جب تک ظاہر شریعت سے چمٹا رہے وہ ہر خطرے سے محفوظ ہے وہ اپنے ہر خواب ہر الہام اور ہر مشاہدہ کو ظاہر شریعت پر پیش کرے اور اس راہ کے

محققین سے اسکی تطبیق لے تو انشاء اللہ العزیز وہ جامع شریعت وطریقت ہوگا، اللہ کریم انہی لوگوں کے ساتھ ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین

(پ۲۱، العنکبوت ۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ان کے لیے اپنی راہیں ضرور کھول دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بیشک مقام احسان پر آنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں صوفیائے کرام کی راہ نہایت مشکل اور پُر خطر ہے اور کسی شے میں اس قدر غلط فہمیاں اور اندیشے نہیں جتنے اس راہ میں ہیں۔ (کیمیائے سعادت)

آثارالاحسان کی یہ جلد ایک مقدمہ اور بارہ ابواب پر مشتمل ہوگی:۔

(۱) مسائل تصوف (۲) آداب تصوف (۳) قرآن کریم میں قلب کی واردات (۴) ظلمات الذنوب (۵) ظلمات المجالس (۶) کفارات الذنوب (۷) آداب المشائخ (۸) اولیائے کرام کی حیات برزخی (۹) قرآن کریم میں علم لدنی کی خبر (۱۰) اصطلاحات تصوف (۱۱) رجال تصوف (۱۲) اقوال تصوف

آداب تصوف ایک مستقل کتاب ہے جس کی متعدد فصلیں ہیں رجال تصوف بھی ایک مستقل کتاب ہے۔ یہ دو حصوں میں ہے:

۱۔ پاک وہند کے پہلے ہزار سال کے ائمہ تصوف

۲۔ پاک وہند کے دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف

یہ ان آئمہ تصوف کا تذکرہ ہے جو اس راہ کے مسافروں کے عمومی پیرائے میں پیشوا سمجھے گئے یہ ان کے مختصر سوانح حیات ہیں جن میں ان کے عہد، ان کے کام، ان کے مسلک، ان کے نصائح اور ان کے زندگی بخش اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

نام نیکے رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

مؤلف عفا اللہ عنہ

ایک اصولی بات پہلے ذہن نشین کر لیجیے

یہ کام مجاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اجتہاد کا اس
میں دخل نہیں......اور یہ ضروری نہیں کہ جو کھیتی
کرے وہ غلہ بھی حاصل کرے اور جو چلے وہ
منزل پر بھی پہنچے......اور جو تلاش کرے وہ پا
بھی لے جو کام بڑا ہوتا ہے اس کے شرائط بھی
زیادہ ہوتے ہیں۔(امام غزالیؒ)

تاہم اس راہ کے مسافر اسی امید پر چلتے ہیں کہ منزل پر پہنچیں گے گو پہنچتے وہی ہیں جن کے نام سعادت لکھی جا چکی ہو، مجاہدات ان کے اعمال ہوتے ہیں، مشاہدات ان کا نصیب ہوتے ہیں اور اس راہ کے مقامات نہایت شریف درجات ہیں اور اس شرف کے لیے دوڑ لگانے والے بہت کم بدنصیب ہوئے ہیں۔

آس کھیتی کے پننپے کی انہیں ہو یا نہ ہو
پر وہ ہیں پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

مولف عفا اللہ عنہ

باب اول

مسائل تصوف

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امابعد!

ہم پہلے بارہا کہہ آئے ہیں کہ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ عمل نہیں ہے۔ دین اسلام کا چشمہ شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں یکساں بہتا آ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا:

ان تشهدان لا اله الا اللّٰه وان محمداً رسول اللّٰه وتقيم الصلٰوة و توتى الزكوٰة وتصوم رمضان و تحج البيت ان استطعت اليه سبيلا (مشکوٰۃ ص۴)

ترجمہ: تو گواہی دے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے زکوٰۃ دے رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر تو وہاں جا سکے۔

اللہ رب العزت کی توحید کے اقرار سے مراد اس کی معرفت ہے اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کا اقرار ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو نصیحت فرمائی:

فليكن اوّل ما تدعوهم الىٰ ان يوحدوا اللّٰه فاذا عرفوا ذلك فاخبرهم ان الله فرض عليهم خمس صلوٰت فى يومهم و ليلتهم فاذا صلوا فاخبرهم ان اللّٰه افترض عليهم زكوٰة فى اموالهم توخذ من غنيّهم فترد علىٰ فقيرهم فاذا اقروا بذلك فخذ منهم (صحیح بخاری ۲، ص۱۰۹۶)

ترجمہ: چاہیے کہ تو انہیں سب سے پہلی دعوت اللہ تعالیٰ کی توحید کی دے جب وہ معرفت پالیں تو انہیں بتا کہ اللہ نے ان پر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور پھر ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو امیروں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے۔

اس موضوع کی دوسری روایات کو ساتھ ملا کر یہ کل نو امور ہوئے۔

(۱) معرفت الٰہی (۲) توحید باری تعالیٰ (۳) ایمان بالرسالۃ (۴) نماز سے پہلے طہارت (۵) نماز قائم کرنا (۶) اپنے اموال کی زکوٰۃ دینا (۷) رمضان کے روزے رکھنا (۸) اور بیت اللہ شریف کا حج جب وہ کر سکیں (۹) مجلسی آداب واحکام اور معاملات کی پاکیزگی۔

جب انسان ان نو امور کا پابند ہو جائے تو اب اس کی زندگی سراپا آداب بن جائے گی۔ اس نویں منزل سے مراد (۱) اچھی صحبت اختیار کرنا، (۲) بری صحبت سے بچنا، (۳) دلوں کی پاکیزگی اور (۴) سنت کی حفاظت ہے۔ یہ شریعت کا ایک مختصر خاکہ ہے جس کا ہر مسلمان مکلف اور پابند ہے۔

یہی طریقت ہے جس کا مشائخ سبق دیتے ہیں برصغیر پاک و ہند میں تصوف پر سب سے پہلی جامع کتاب کشف المحجوب ملتی ہے۔ یہ حضرت علی ہجویریؒ کی تالیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں انسان کے دل پر غفلت کے پردے پڑے ہیں طریقت انہیں پردوں کے اٹھنے کا نام ہے، شریعت ایک قانون ہے اور طریقت اس کی راہ ہے۔ شریعت اسلامی انسان کی زندگی میں کیسے اترتی ہے؟ یہ طریقت ہے، یہ شریعت کا کوئی غیر نہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ (المعروف داتا صاحب) نے کشف المحجوب میں ان نو امور سے پردہ اٹھایا ہے، کشف حجاب پردہ اٹھانے کو ہی کہتے ہیں۔

۱۔ پہلا کشف الحجاب -اپنے سے شرک دور کرنا

۲۔ دوسرا کشف الحجاب -اخلاص عقیدہ توحید

۳۔ تیسرا کشف الحجاب -ایمان کے بارے میں

۴۔چوتھا کشف المحجاب ‏‏-طہارت کے بارے میں
۵۔پانچواں کشف المحجاب ‏‏-نماز کے بارے میں
۶۔چھٹا کشف المحجاب ‏‏-زکوٰۃ کے بارے میں
۷۔ساتواں کشف المحجاب ‏‏-روزے کے بارے میں
۸۔آٹھواں کشف المحجاب ‏‏-حج کے بارے میں
۹۔نواں کشف المحجاب ‏‏- (۱)اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا(۲)
برے لوگوں سے بچنا (۳) خدا تعالیٰ کا ادب اور اس کی تعظیم (۴) زندگی کے تمام دائرے ایک جوڑ میں (۵) شریعت کبھی سالک سے ساقط نہیں ہوتی (۶) عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات کی اصلاح (۷) یہ اقرار کہ حقوق کبھی نیکیوں کی کثرت اور چلہ کشی کی محنت سے ساقط نہیں ہوتے۔

شریعت کا نقشہ ہم نے محدثین سے اور طریقت کا نقشہ مشائخ تصوف سے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، اب کیا کوئی دانشور کہہ سکتا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔ اور علماء اور درویشوں کی شروع سے ان بن چلی آرہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

باطنی زندگی کی یہی ترتیب آپ کو حضرت امام غزالیؒ سے ملے گی۔ راہ سلوک کے سب مسافر طالبان کو یہی آواز دیتے آئے ہیں، اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں نجات ہے۔
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقام احسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ کی اس طرح شرح کرتے ہیں:۔

> حدیث جبرئیل کے یہ جملے ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ نبی کریم ﷺ کے جوامع الکلم سے ہیں، جن کے الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں مقام مشاہدہ، مقام مراقبہ وغیرہ بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خود عبادت کے بھی تین مراتب و مقامات ہیں ایک یہ کہ ان کی ادائیگی ایسے طریقہ پر کی جاوے کہ ظاہری ارکان وشرائط پورے ہوکر وظیفہ تکلیف ادا ہوجائے، دوسری صورت اس طرح

ادا کرنے کی ہے کہ اپنے قلب میں پورا استحضار اس امر کا کرے کہ حق تعالیٰ اس کی بندگی و اطاعت کو مشاہدہ و معائنہ فرما رہے ہیں جو مقام مراقبہ ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت اول سے بہتر ہے، تیسری صورت سب سے اعلیٰ و ارفع یہ ہے کہ مکاشفہ کے دریاؤں میں غوطہ زنی کرے، حق تعالیٰ کے ہمہ وقت دھیان و اسغراق سے اپنے قلب کو مشغول کرے اور حضورِ دوام کی دولت سے مالا مال ہو جس کا ثمرہ دوام ذکر ہے یعنی حق تعالیٰ کو ہر آن حاضر و ناظر سمجھے گا تو اس کی یاد سے بھی دل غافل نہیں ہوسکتا، جب یہ صورت حال ہو جاتی ہے تو گویا اس کو حق تعالیٰ کی روئیت و مشاہدہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی مقام آنحضرت ﷺ (ارواحنا فداہ) کو حاصل تھا اسی لیے آپ نے فرمایا ''جعلت قرة عيني في الصلوٰة'' (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کیونکہ طاعت میں آپ کو لذت اور عبادت میں راحت ملتی تھی اور چونکہ آپ کے قلب انور کو انوار کشفیہ الٰہیہ محیط ہو چکے تھے اس لیے غیر اللہ کی توجہ و التفات کے تمام دروازے اور دریچے بند ہو چکے تھے۔

یہ جب ہی ہوتا ہے کہ قلب کے تمام گوشے محبوب کے ذکر وتصور سے معمور ہو جاتے ہیں، اندرونی حواس کی نس نس میں اسی کی یاد اور اسی کا خیال سما جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ بھی وہ دنیا کے ظواہر و رسوم دیکھتا ہے وہ سب بے خیالی اور بے دھیانی کی نظر ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد اس کے ظاہری حواس کان، آنکھ وغیرہ بھی وہی کچھ سنتے دیکھتے ہیں جو اس کے محبوب حقیقی کی محبوب و مرضی ہوتی ہے اب وہ ظاہری کان آنکھ سے سب کچھ سنتا دیکھتا ہے مگر کچھ نہیں سنتا دیکھتا، اور اندرونی حواس اس قدر بیدار و کارگزار ہو جاتے ہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو ہم ظاہری حواس سے کبھی بھی دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ حدیث میں ہے کہ بندہ مجھ سے قریب ہوتے ہوتے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ پھر میں ہی اس کی سمع و بصر بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے (فتح الملہم)

اب ہم اس راہ کی منزلوں کی کچھ نشاندہی کرتے ہیں واللہ ھوا لموفق لما یحبہ ویرضابہ

آثارالاحسان کا پہلا باب یہی مسائل تصوف ہیں۔

مسائل تصوف

وہ کون سے اعمال ہیں جن کے ذریعہ طالب سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے اور مقام احسان کو پالیتا ہے، ان اعمال تصوف کو ہم یہاں مسائل تصوف سے ذکر کرتے ہیں۔ان سے سالک کے رستے سے تمام حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور حجابات اٹھنے سے وہ وادی احسان میں داخل ہو جاتا ہے۔

علم سلوک کی وسیع وعریض وادی میں پہلا قدم تبھی اٹھتا ہے کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور سچی محبت حاصل ہو۔مومن شریعت پر چلتے ہوئے عبادت میں جب اس مقام پر آئے کہ وہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس کا یہ عقید جاگ اٹھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے تو اس نے علم سلوک میں پہلا قدم رکھ دیا۔اس راہ کے مسافر کو اس میں کیسے چلنا ہے اس کے مختلف مراحل اور اس کے مختلف آداب ہیں جو اس کی زندگی کی ہر ادا میں اس کے ساتھ ساتھ رہیں گے، وہ اس وادی میں ہر لحہ قدم بڑھائے گا یہاں تک کہ وہ حسن مطلق کا وصال پائے۔

جس طرح کار کے چلنے میں پٹرول پہلے سے ہونا درکار ہے اور یہ کہ کار صحیح سمت پر کھڑی ہو اس راہ کے مسافروں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور پھر اسے خدا کی محبت اس جوش سے اٹھائے کہ پھر وہ اس راہ میں چلتا ہی جائے یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

سو مسائل تصوف میں سالک کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو۔یہ معرفت اسے خالق اور مخلوقات کے تقابلی مطالعہ میں ملے گی۔قرآن کریم میں ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور دیگر مظاہر فطرت میں اللہ تعالیٰ کے کھلے نشان ملتے ہیں۔یہ پوری کائنات اس کے ہونے کا ایک کھلا نشان ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔بڑی تباہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان پر غور نہیں کیا۔رواہ ابن حبان فی صحیحہ وابن عساکر فی تاریخہ۔

(دیکھئے معارف القرآن ۲ص ۳۶۲)

بعض ائمہ تصوف نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا وہ اپنے رب کو پہچان گیا اور وہ اس کی معرفت کی وادی میں آ گیا۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه او كمال قال النبی ﷺ

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو جان لیا اس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا۔

مخلوقات میں غور کرنا انسان کو خالق کی معرفت میں پہنچا دیتا ہے، قرآن کریم نے **ان فی ذٰلک لآیات** کہہ کر اس کی نشاندہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ اپنے نفس کا بت ہے۔ یہاں تقریباً ہر شخص اپنے آپ کو اپنی حقیقت سے کچھ نہ کچھ ضرور ہی بڑا سمجھتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس جی میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا اللہ کی صحیح معرفت اس کے دل میں نہیں اترتی۔ سو اس راہ کے سالک کو چاہیئے کہ جتنا اپنے آپ کو مٹا سکے مٹا لے، اسے اس راہ کا مرشد کامل بھی اسی راہ پر لگائے اور اس راہ میں اسے پیش آنے والی ایک ایک رکاوٹ اپنے حسن تربیت سے اٹھائے اور سالک سمجھنے لگے کہ میرا رب مجھے ہر آن دیکھ رہا ہے اور میرا کوئی عمل اس سے چھپا نہیں، مجھے پالنے والا بھی وہی ہے اور فیصلے کے دن کا مالک بھی وہی ہے، حمد و ثناء اسی کے لیے اور عبادت کی ہر ادا بھی اسی کے لیے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مالک یوم الدین

اللہ رب العزت کو مالک یوم الدین ماننے والا کبھی کسی شرک میں آلودہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے اپنے سے دور رہنے کا اسی جہت سے ذکر کیا ہے کہ وہ اسے پہچان نہ سکے وہ اس کی عظیم قدرت کی طرف ذرا بھی دھیان کرتے تو وہ اس سے دور نہ رہ سکتے تھے۔

وما قدروا اللّٰہ حق قدره والارض جمیعاً قبضته یوم القیٰمة والسمٰوٰت مطویات بیمینه سبحانه و تعالیٰ عما یشرکون

(پ ۲۴، الزمر ۶۷)

ترجمہ: اور وہ نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور زمین ساری ایک مٹھی

ہے اس کی قیامت کے دن اور ساتوں آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے
اس کے دائیں ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ
اس کا اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز ومحتاج مخلوق حتیٰ کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کرسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔

آگے اس کے بعد اس کی عظمت وجلال کا بیان ہے۔ اس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ کل قیامت کے دن کُل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ اس کی عبادت میں بے جان و عاجز ومحتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہوئے ہیں جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے۔ (شیخ الاسلام)

پہلا کشف الحجاب

۱۔ اللہ کی معرفت کا راز

سالک کے دل میں اللہ کی معرفت کا جب شعلہ بھڑکتا ہے تو پھر اس کی معرفت علمی معرفت حالی ہو جاتی ہے۔ سالک معرفت حالی کو معرفت علمی کے بغیر نہیں پاسکتا وہ لوگ جو بدون معرفت علمی معرفت حالی کے مدعی بنتے ہیں وہ ہرگز سلوک کی راہ پر نہیں ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ) لکھتے ہیں: معرفت کی دو قسمیں ہیں (۱) معرفت علمی اور (۲) معرفت حالی۔

معرفت علمی اسے پہنچانا ہے اور معرفت حالی یہ ہے کہ بندے کا حال اس کی علمی معرفت کا آئینہ دار ہو۔ یہ حال علم کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا اسی لیے کہتے ہیں کہ جاہل عارف نہیں ہوسکتا۔

راہ گیر درویش اور چمٹا بردار ملنگ کبھی خدا کی معرفت رکھنے والے نہیں سمجھے جا سکتے۔ یہ کچھ جادو کے اثرات اور جنوں کے اعمال ہوتے ہیں جو ان کے بارے میں لوگوں کو اس مغالطے میں ڈال دیتے ہیں کہ شاید یہ بھی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ خدا کے بارے میں صحیح علم اس کی معرفت کے لیے کافی ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں علم و عقل الٰہی معرفت کی علت نہیں صرف اس کے ذرائع ہیں معرفت کی علت صرف خدا کی عنایت ہے جو کسی خوش نصیب کے شامل حال ہو جائے۔ اس کی عنایت کے بغیر علم و عقل دونوں مل کر بھی کسی کو اللہ رب العزت کی معرفت رکھنے والا نہیں بنا سکتے اس لیے اس راہ کے بعض کاملین کہتے ہیں کہ ولایت (اللہ کی دوستی) کوئی کسبی چیز نہیں یہ ایک وہبی چیز ہے جو کسی سعادت مند کو ہی ملتی ہے۔

اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب

(پ ۲۵، الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت و محبت سے مقام قرب و اصطفاء پر فائز فرما دے۔ اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں ان کی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ حکمت الٰہی جس کی ہدایت کی مقتضی ہو وہ ہی ہدایت پا سکتا اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔

عنایت الٰہی جب بھی عطا ہو اور جسے بھی عطا ہو وہ ایک وہبی مرتبہ ہے وہ کبھی محنتوں پر عنایت ہوتا ہے اور کبھی اس کے اپنے چناؤ پر۔ وہ ہدایت اسے ہی دیتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ ہدایت پالیتا ہے جو اس کی طرف آجائے یھدی الیہ من اناب (پ ۱۳، الرعد ۲۷) وہ راہ اسے دیتا ہے جس نے اس کی طرف رجوع کیا۔

دوسرا کشف الحجاب

۲۔ اخلاص عقیدہ توحید

صحیح معرفت الٰہی کے لیے اخلاصِ عقیدہ توحید ضروری ہے۔ راہِ سلوک کا جو مسافر خدا کو ایک نہیں جان پایا اسے اس راہ میں نکلا کیسے مانا جا سکتا ہے وہ اس راہ پر آتے ہی رستے

میں کھو گیا۔ انبیاء واولیاء کی محبت اگر اسے محبت خداوندی پر نہیں ڈال سکی تو وہ انبیاء واولیا کی سچی محبت نہ تھی اس راہ کے مسافروں کے لیے شیطان کا ایک دھوکہ تھا۔ مزاروں کے چمٹا بردار ملنگ کبھی ان بزرگوں کے عاشق نہیں سمجھے جاسکتے جن کی قبروں پر کھڑے وہ ان کے نعرے لگاتے ہیں۔ اہل معرفت کی آنکھوں سے یہ پردہ اسی وقت اٹھے گا جب یہ پردہ اٹھنا ان کے کسی کام نہ آسکے گا۔

لقد کنت فی غفلة من هٰذا فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید (پ۲۶، ق۲۲)

ترجمہ: تو بے شک اس کے بارے میں غفلت میں تھا اب ہم نے تیرے سامنے سے ہر پردہ ہٹا دیا ہے پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ ارشاد فرماتے ہیں:

جب تک کسی کا عقیدہ توحید کامل نہ ہوگا اس کے عمل میں کجی اور رنگارنگی باقی رہے گی۔ توحید کا پہلا قدم خدا کے ساتھ ہر حیثیت سے اور زندگی کے ہر شعبے میں شریک کی نفی کرنا ہے۔ (کشف المحجوب)

تیسرا کشف حجاب

۳۔ ایمان کا دائرہ وسیع ہے

ایمان میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ان جملہ تعلیمات کو جو قطع و یقین سے ہم تک پہنچیں ان سب کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ ایمان ایک بسیط چیز ہے یہ قابل تقسیم نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اسّی فیصد مسلمان اور بیس فیصد کافر ہو اور کوئی شخص سو فیصد مسلمان ہو اور کوئی شخص بیس فیصد مسلمان ہو۔ ایمان قابل تقسیم نہیں ہے۔ ہاں ایمان میں قوت اور ضعف کے درجے ضرور آتے ہیں، ایمان قوی ہونے کو ایمان کے زیادہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایمان کے ضعیف ہونے کو کمی ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے ہاں ایمان حقیقت میں کمی بیشی قبول نہیں کرتا صرف ضعف اور قوت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں زادتھم ایماناً سے قوت ایمان ہی مراد ہے۔ ایمانیات (مومن بہ امور) کی کمی بیشی مراد نہیں اور ایمان مقدار میں کم اور زیادہ نہیں ہوتا

کیفیت میں قوی اور کمزور ہوتا ہے۔

ایمان کی اہمیت

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:۔

ایمان کے بغیر بندے کی کوئی عبادت اس کا کوئی عمل اور اس کی طرف سے کوئی بڑی سے بڑی جانی و مالی قربانی قبول نہیں ہے۔(ص ۲۸۹)

جس طرح فقہاء میں یہ مسئلہ زیرِ اختلاف رہا ہے کہ کیا ایمان میں کمی اور بیشی ہوسکتی ہے صوفیہ کرام میں بھی اس میں اختلاف رہا ہے۔ حضرت داوٗد طائیؒ، ابراہیم ادھمؒ، ذوالنون مصریؒ، بایزید بسطامیؒ، سلیمانؒ، حارث محاسبیؒ، جنید بغدادیؒ، سہل بن عبداللہ تستریؒ اور شقیق بلخیؒ یہ حضرات امام ابوحنیفہ کے ہم عقیدہ رہے کہ ایمان مقدار میں کم و بیش نہیں ہوتا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اس اختلاف پر یہی فیصلہ دیا ہے۔

یہ اختلاف فی الحقیقت صرف عبارت کا اختلا ف ہے معنی اور اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں گروہوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اہل معرفت اور (فقہاء) اہل سنت والجماعت دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ ایمان کی اصل زبان سے اقرار اور اس کی دل سے تصدیق ہے اور ایمان کی فرع معاملات میں اس ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ اور اہل عرب کا عرف اور ان کی عادت بھی یہی ہے کہ کسی چیز کی فرع کو اس سے الگ نہیں کرتے بلکہ اسے اصل سے ہی پکارتے ہیں اس لیے ایمان کا ذکر آجانے کے بعد عمل و اطاعت کے الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جس شخص کے دل میں جس قدر خدا کی محبت ہوگی اتنا ہی وہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والا ہوگا کیونکہ محبت کی علامت فرمانبرداری ہے۔ اگر کسی کا دل خدا کا محل ہو اور اس کی آنکھ خدا کو دیکھنے والی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ وہ خدا کے کسی حکم کو ترک کرنے والا ہو۔(۲۹۰)

سو چاہیے کہ سالک ایمان کی حقیقت کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی بجالائے، اور خدا کے ہر حکم کو پورا کرے۔

ان تین حجابات کے اٹھنے سے ایمان و یقین اپنے درجہ کمال پر آجاتے ہیں اب چھ عمل کے اگلے حجابات ہیں ان کے پردے اٹھنے سے سالک کا ارادہ تصوف پورا ہو جاتا ہے اور اس راہ کا مسافر آخر اپنی منزل کو پہنچ جاتا ہے، ان سالکین کو اب واصلین بھی کہا جاتا ہے، یہ اللہ سے مل چکے اور اپنی منزل پا چکے۔ اب ہم عمل کے ان چھ حجابات کو سامنے لاتے ہیں ان میں سے پہلا کشف المحجوب کا چوتھا کشف الحجاب ہے۔

چوتھا کشف الحجاب

۴۔ طہارت کے باب میں

اسلام دین فطرت ہے فطرت گندگی سے نفرت کرتی ہے۔ انسان کو اگر کسی چیز سے گھن آئے تو بسا اوقات اس کا معدہ الٹنے لگتا ہے۔ سو طہارت دین فطرت کی پہلی صدا ہے ایمان کے بعد پہلی عبادت نماز ہے نماز کے لیے طہارت شرط ہے وہ وضو سے ہو یا تیمم سے۔ اللہ تعالیٰ کو توبہ اور طہارت سب سے زیادہ پسند ہے۔ کفر سے توبہ اور گناہ سے توبہ، یہ توبہ کے دو درجے ہیں اسی طرح حدث اکبر سے پاک ہونا (کہ اس پر غسل فرض نہ ہو) اور حدثِ اصغر سے پاک ہونا (باوضو ہونا) یہ طہارت کے دو پہلو ہیں۔

پھر طہارت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ظاہری طہارت اور (۲) باطنی طہارت

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

ظاہری اور باطنی طہارت کو باہم جمع کرنا ضروری ہے، جس طرح اپنے بدن کو ظاہری نجاست سے پاک کرتے ہو اپنے باطن کو بھی غیر اللہ کی محبت سے پاک کرنے کی کوشش کرو۔ جب وضو کے لیے اپنے ہاتھ دھوؤ تو تمہارے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اپنے دل کو بھی دنیا کی محبت سے دھوؤ، جب کلی سے منہ صاف کرو تو اپنے کو غیر کے ذکر سے بھی پاک کرو، جب ناک صاف کرو تو تمام شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کا قصد کرو، جب

اپنا چہرہ دھوؤ تو ساتھ ہی تمام مرغوبات نفس سے منہ موڑ لو اور پوری یکسوئی کے ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو، جب سر کا مسح کرو دماغ کی تمام سوچوں کو بھی ایک اللہ تعالیٰ کی منشاء کے تابع کر دو اور جب پاؤں دھوؤ تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی تابعداری کے سوا اور کسی راہ پر نہ چلنے کی آواز دو۔ اس طرح جو وضو کیا جائے گا وہ ظاہری اور باطنی دونوں طہارتوں پر مشتمل ہوگا۔ (ص ۲۹۵)

پانچواں کشف المحجاب

۵۔ نماز کے بارے میں

انسان سارا دن اپنے کاموں میں لگا رہے یہ ایک غفلت کی زندگی ہے، اسے چاہیے کہ دن رات میں کم از کم پانچ دفعہ خدا کی طرف دھیان کرے۔ نماز بقید وقت مومنین پر فرض کی گئی ہے، یہ اسی لیے کہ خدا کی طرف بھی دھیان جائے سو نماز خدا کی یاد کے لیے ہے۔

۱۔ گو نماز سے انسان کو ایک ڈسپلن کی زندگی ملتی ہے۔

۲۔ پاکیزہ رہنے کی عادت بدن سے بھی اور کپڑوں سے بھی ہو جاتی ہے۔

۳۔ مسجد میں آنے سے وہ کچھ وقت کے لیے نیک صحبت میں آجاتا ہے۔

۴۔ اپنے دینی بھائیوں میں اسے مجالست ملتی ہے۔

لیکن ان سب میں نمایاں چیز یہ ہے کہ اسے نماز میں خدا کی یاد میسر آتی ہے، نماز کی غایت ہی خدا کی یاد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اسی لیے اپنی طرف بلایا تھا، فرمایا:۔

انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلٰوة لذكري

(پ ۱۶، طٰہٰ ۴)

ترجمہ: میں خدا ہوں، کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یاد کے لیے۔

انسان دنیا میں کہاں تک منہمک رہ سکتا ہے؟ بس اتنا ہی عرصہ جو ایک نماز سے دوسری نماز تک جائے، پھر نماز اسے ایمان کی نئی تازگی بخشتی ہے یہاں تک کہ اگلی نماز کا وقت

آ جائے، اس دوران وہ اپنی دنیا میں لگا رہے مگر غفلت اس پر قابو نہ پا سکی یہاں تک کہ پھر اس کی نماز کا وقت آ گیا۔ نماز رات دن میں بلا وقت نہیں رکھی گئی ورنہ انسان کا دنیا میں گھرنا اور سنبھلنا پھر گھرنا اور پھر سنبھلنا اور پھر گھرنا اور پھر سنبھلنا اسے اس طرح فاصلہ بہ فاصلہ میسر نہ آتا۔ نماز اس پر بقید وقت فرض کی گئی ہے۔ عین جنگ کے میدان میں بھی یہ فرض ہی رہے گی۔

فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً (پ۵، النساء۱۰۳)

ترجمہ: پھر جب حملے کا خوف جاتا رہے تو قائم کرو نماز کو بے شک یہ اپنے مقررہ وقت پر مومنین پر فرض ہی رہے گی۔

یہ مسلسل نماز اور اللہ کے دھیان میں پڑھی گئی نماز واقعی وہ نماز ہے جو انسان کو بے حیائی اور دیگر منکرات سے روکتی ہے، جو نمازی ہو کر بے حیائی اور منکرات میں گھرا رہے وہ اپنی نماز میں اللہ کا دھیان باندھنے سے یقیناً محروم ملے گا یا اس کی نمازوں میں تسلسل نہیں ہوگا کہ اگلی نماز پہلی غفلت کو دھو سکے۔

اہل تصوف کی نماز کی پانچ شرطیں

پہلی شرط طہارت ہے

اس کے تین پہلو ہیں، ۱۔جسم، ۲۔کپڑے، ۳۔جگہ کی طہارت

فقہ کی شرائط کے پہلو بہ پہلو نماز کی تصوف میں کچھ اپنی شرطیں بھی ہیں، حضرت علی ہجویریؒ نے انہیں اس طرح بیان کیا ہے:۔

۱۔ جسم کی طہارت ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت شہوات نفس کی غلامی سے اور غیر اللہ کی محبت سے۔

۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت یہ کہ کپڑے حلال کمائی کے ہوں۔

۳۔ جگہ کا پاک ہونا ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت یہ کہ وہ جگہ غصب وظلم سے حاصل کی گئی نہ ہو۔

دوسری شرط، قبلہ رو ہونا

اس کا ظاہر یہ ہے کہ آدمی کا رخ کعبہ کی طرف ہو اور باطن یہ ہے کہ اس کا دل عرش الٰہی کی طرف متوجہ ہو۔

نوٹ: یہ ظاہر اس لیے لازم کیا گیا ہے کہ سب مسلمان آپس میں اہل قبلہ ہو کر رہیں، دین میں کوئی شخص کوئی نئی بنیادی بات داخل نہ کر سکے (جیسے کہ کوئی فرقہ کوئی نیا عقیدہ لے آئے) نہ کوئی اس کی کسی بنیادی بات کا انکار کر سکے جیسے اگر کوئی موجودہ قرآن کو محفوظ الٰہی کتاب نہ مانے تو ایسے لوگ اہل قبلہ شمار نہیں کیے جا سکتے۔ قبلہ صرف کعبہ کی طرف منہ کرنے کا نام نہیں تمام ضروریات دین پر جمع ہونے کا نام ہے۔

نماز کی تیسری شرط قیام ہے

اس کا ظاہر یہ ہے کہ آدمی کھڑے ہونے کی طاقت رکھتا ہو تب کھڑا ہونا فرض ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے روبرو کھڑا سمجھے۔

نماز کی چوتھی شرط نیت ہے

ظاہراً اسے زبان سے ادا کرتے ہیں اور اس کا باطن یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز کو خدا کے لیے خاص کرے یہ دل کی نیت ہے۔

(نوٹ) ارادہ نماز زبان سے ظاہر کرنا صرف استحضار کے لیے ہے کہ اس سے وہ اپنے آپ کو ایک خدا کی طرف متوجہ کر سکے سو نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں نیت وہی ہے جو دل سے ہو۔ جس طرح ایمان دل کے ایک فعل کا نام ہے۔

اب خود سوچئے کہ کیا کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے قعدہ میں کسی اور طرف صرف نیت کرنے (توجہ بدلنے) کی کچھ بھی گنجائش ہے؟ ہرگز نہیں۔ نماز آخر تک صرف ایک رب کریم کی عبادت ہے۔

نماز کی پانچویں شرط تکبیر ہے

اس کا ظاہر یہ ہے کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اور باطن یہ ہے کہ دل خدا کے جلال،

اس کی ہیبت اور کبریائی سے کانپ رہا ہو۔

(نوٹ) نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور سلام پھیرنے پر ختم ہوتی ہے یہ پورے کا پورا عمل عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے۔ جو اہل بدعت نماز میں تشہد میں اللہ تعالیٰ سے صرف نیت کر کے (توجہ موڑ کر) اپنے آپ کو اپنے پیر و مرشد کے سامنے حاضر کرتے ہیں وہ نماز کے مقام توحید کو نہیں پاسکے، مومن کو چاہیئے کہ نماز کی انتہا تک اپنے آپ کو صرف خدا کے سامنے حاضر رکھے۔

حضرت علی ہجویریؒ نمازی کے تشہد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قعدہ کرے خدا کے حضور میں جمعیت خاطر سے کہ اس کے حضور میں بیٹھا ہے اور سلام ہو فنا کی صفت کے ساتھ کہ اس کا وجود ساری مخلوق کے لیے خیر و سلامتی کا سرچشمہ ہو۔

اہل تصوف کو ان کی نماز میں پہچانو

اہل تصوف اپنی نماز میں پہچانے جاتے ہیں انتہاءِ عجز سے ان کا رواں رواں اللہ کے حضور جھکا جاتا ہے، جس دل میں معرفت الٰہی آچکی ہو اس کی نماز اس کے دل کی پوری عکاسی کرتی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ لکھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں مذکور ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّى و فى جوفه ازيز كازيز المرجل

ترجمہ: حضور نماز پڑھتے تو آپ کا سینہ اس طرح جوش مارتا جیسا کہ پکتی ہوئی دیگ جوش کھاتی ہے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا وہ محسوس کرتے کہ اب خدا کے آگے حاضر ہونے کی گھڑی آپہنچی۔

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں:۔

جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں اور باطنی وضو توجہ سے۔ پھر مسجد میں اس طرح آتا ہوں کہ مسجد حرام میری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ (سمت کعبہ کی طرف رخ کرتے اپنے آپ کو کعبہ کے سامنے سمجھتا ہوں) بہشت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو اپنی بائیں طرف اور اپنے آپ کو پل صراط پر دیکھتا ہوں، اور اپنی پشت پر ملک الموت کو کھڑا دیکھتا ہوں، تکبیر کہتا ہوں تعظیم کے ساتھ، قیام کرتا ہوں ادب کے ساتھ، قرأت کرتا ہوں ہیبت کے ساتھ، رکوع کرتا ہوں خشوع اور تواضع کے ساتھ اور سجدہ کرتا ہوں مقام ابراہیم کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیاں سمجھتے ہوئے، قعدہ کرتا ہوں حلم کے ساتھ اور وقار کے ساتھ اور سلام پھیرتا ہوں شکریہ کے ساتھ۔ یہ اہل تصوف کی نماز ہے۔

کیا آپ نے دیکھا کہ نمازی نے پوری نماز میں ایک اللہ رب العزت سے توجہ ہٹا کر کسی اور طرف صرف ہمت، توجہ بدلنے کی نیت کی ہو کہ اب ادھر اپنی نیت لگا دوں۔ ہرگز نہیں یہ نماز کی وہ آفت ہے جس میں اہلِ بدعت دب کر اپنی نمازوں کی حقیقت کھو بیٹھے ہیں۔

نماز شروع سے لے کر آخر تک صرف ایک خدا کی عبادت ہے، قعدہ میں بھی نمازی خدا سے ہٹ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد نہ کرے۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:۔

نماز تعمیل ارشاد کا نام ہے، نماز ایک عادت ہے جس میں انسان ابتدا سے انتہا (سلام) تک خدا کا رستہ پاتا ہے۔ درمیان قعدہ اپنے مشائخ کی طرف توجہ لے جانا ہرگز بزرگوں میں سے کسی سے منقول نہیں۔

نماز کے لیے اچانک جاگ آنا صدق ایمان کی علامت ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں:۔

صدق ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اسے نماز کے لیے اٹھا دیتا ہے اور اگر وہ سویا ہو تو اسے جگا دیتا ہے (کشف المحجوب ص ۳۱)

چھٹا کشف الحجاب

۶۔ زکوٰۃ کے بارے میں

نماز میں مومن اللہ کی محبوبیت میں گم تھا، مومن رسالت کی اتباع بھی اسی لیے کرتا ہے کہ اسے اللہ کی محبت نصیب ہو۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ

(پ ۱۳، آل عمران ۳۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور بخش دیں گے تمہارے گناہ۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ انسان کو دوسرے درجے میں اپنی جان اور اپنے اموال سے بھی محبت ضرور ہوتی ہے۔ مال سے محبت ممنوع ہوتی تو یہ نہ کہا جاتا:۔

لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیئٍ فانّ اللّٰہ بہ علیم (پ ۴، آل عمران ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک تم خرچ نہ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور تم جو بھی خرچ کرو سو اللہ کو سب معلوم ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت کتنی مقدس اور اونچی چیز ہے کہ اس پر انسان کو اپنی دیگر تمام محبتیں قربان کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ وہ محبوب کس درجے کا محبوب ہے کہ مومن اپنا جان و مال اس کے حضور نذرانہ کے طور پر پیش کرتا ہے اور وہ ان سے ان کے جان و مال خریدتا ہے۔

ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بانّ لھم الجنّۃ

(پ ۱۱، التوبہ ۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لیں مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

جس مال سے اس کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے وہ کنز (خزانہ) کہلاتا ہے۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا، کنز کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

هو المال الذی لاتؤدی منه الزکٰوة

(موطا امام مالک ص ۱۱۷، باب ماجاء فی الکنز)

ترجمہ: یہ وہ مال ہے جس سے اس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو۔

قرآن کریم میں ہے:۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللّٰه فبشرهم بعذاب الیم O یوم یحمٰی علیها فی نار جهنم فتکوٰیٰ بها جباههم و جنوبهم و ظهورهم هٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون (پ۱۱، التوبہ ۳۴۔۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔ جس دن آگ دہکائیں اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور ان کی گردنیں اور ان کی پشتیں، یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے گاڑ رکھا تھا سو اب چکھو جو تم جمع کر رہے تھے۔

من کان عنده مال لم یؤد زکوٰة مثّل له یوم القیٰمة شجاعاً اقرع له زبیبتان یطلبه حتی یمکنه یقول انا کنزک

(موطا امام مالک ۲۸۹ عربی)

ترجمہ: جس کے پاس مال ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی ہو وہ مال قیامت کے دن ایک بڑے سانپ کی صورت میں اس کے سامنے لایا جائے گا جس کی دو آنکھوں کے مابین دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ اس کے پیچھے پڑے گا یہاں تک کہ اس کو دبا لے گا اسے کہے گا میں تیرا وہ خزانہ ہوں جس کو تو جمع کرتا رہا۔

کیا اب بھی کسی کے لیے مال کی حقیقت نہیں کھلی؟ بندہ کے دل سے جب یہ حجاب

اٹھ جائے تو وہ بڑے خطرے سے نکل جاتا ہے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ یہ کہ اس نے اپنے مال کو پاک کرلیا۔ زکوٰۃ پاک کرنے کو کہتے ہیں، یہ دینوی نعمت کا شکرانہ بھی ہے کہ اس کی سال بھر کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کے اس سفر میں درماندہ نہیں کیا۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں زکوٰۃ اتمام نعمت پر واجب ہوتی ہے، تاہم آپ لکھتے ہیں:۔

صوفیہ اور مشائخ کا ایک گروہ آدمی کے زکوٰۃ کی حد کو پہنچنے کو بخل کی علامت قرار دیتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس سے بڑھ کر بخل کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی کے اردگرد ضرورت مند لوگ موجود ہوں اور وہ سال بھر تک اپنے مال کو اپنے پاس سمیٹے بیٹھا رہے ان کو اس حال میں دیکھتا رہے اور پھر سال کے بعد دوصد درھم میں سے صرف پانچ نکال کر ان کو دے دے اور یہ سمجھے کہ اس نے نعمت کا حق ادا کردیا ہے۔(۳۱۸)

حضرت ابوذر غفاریؓ تو یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (البقرہ) کی تفسیر یہ کرتے تھے کہ اپنی ضرورت سے جو بچ رہے وہ خرچ کردے جمع نہ کرے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کے مال میں زکوٰۃ کیوں فرض نہیں ہوئی؟ یہ اس لیے کہ ان کا مال ایک سال کا فاصلہ طے نہیں کر پاتا۔

حضرت علیؓ نے بھی یہی کہا ہے:۔

وما وجبت علی زکوٰۃ مال...... وھل یجب الزکوٰۃ علی العباد

تاہم شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اور تبھی تو قرآن کریم نے اور حدیث نے بھی زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور طریقت نے بھی اس سے ٹکراؤ نہیں کیا۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نعمت پر شکر گزاری کا موقع ملتا ہے اور اس اظہار تشکر کو اخلاق حمیدہ میں شمار کیا گیا ہے اور اس کی بھی ایک تعبدی شان ہے، تاہم آپ اس کی باطنی وسعت کو اس طرح پھیلاتے ہیں:۔

زکوٰۃ صرف سونے چاندی مال و مویشی اور پیداوار زمین تک محدود نہیں بلکہ ہر نعمت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاھکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جیسے اس نے تمہارے اموال میں زکوٰۃ فرض کی۔

اس طرح انسان کی تندرستی اور اس کے اعضاء جسمانی میں سے ہر عضو خدا کی عظیم نعمت ہے، ان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ آدمی اپنے عام اعضاء کو خدا کی بندگی میں مشغول رکھے اور کسی فضول کام یا خدا کی نافرمانی کے کام میں ان کو مشغول نہ کرے (۳۱۷)

ساتواں کشف الحجاب

۷۔ روزے کے بارے میں

شریعت کے تمام اعمال میں روزہ طریقت کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: نصف طریقت روزے میں ہے اور دوسرا نصف تمام اعمال تصوف میں۔ حضرت علی ہجویریؒ لکھتے ہیں:۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام فرض عبادات میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جو سرتاپا سرّی و پوشیدہ اور کلّیۃً خفیہ ہے، جس کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں جس میں غیر اللہ کا سرے سے کوئی حصہ نہیں۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر کسی کے دل میں خداوند تعالیٰ کا خوف نہ ہو وہ بڑی آسانی کے ساتھ سب کچھ کھا پی کر بھی لوگوں کے سامنے روزہ دار اور متقی بنا رہ سکتا ہے، روزے کی چوری خدا کے سوا کوئی نہیں پکڑ سکتا چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، الصوم نصف الطریقت (۳۲۴)

روزے کی حقیقت کیا ہے؟ ایک وقت سے لے کر دوسرے وقت تک حلال چیزوں کے کھانے پینے سے رکنا۔ یہ حلال چیزوں سے روزہ میں رہنا ہے، مسلمانوں کا حرام چیزوں

سے روزہ صرف کسی محدود وقت کے لیے نہیں یہ ساری عمر کا روزہ ہے۔ رمضان کا روزہ حلال چیزوں سے ہے یہ حرام چیزوں سے زندگی بھر روزہ میں رہنے کی تعلیم دیتا ہے سو یہ عمل ادائے طریقت کے بہت قریب ہے۔

فرض روزے کی نیت پو پھٹنے سے پہلے ضروری ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

لا یصوم الّا من اجمع الصیام قبل الفجرقال محمد و من اجمع ایضاً علی الصیام نصف النہار فھو صائم (مؤطا امام محمد ۱۹۱)

ترجمہ: جوشخص فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیت نہ کرلے اس کا (فرض) روزہ ادا نہ ہوگا امام محمدؒ کہتے ہیں جس نے دوپہر سے پہلے بھی روزے کی نیت کرلی اس کا بھی روزہ ہوجائے گا۔

نیت زبان سے نہ کرے دل سے بھی کرلے، یہ بھی کافی ہے زبان سے کرے تو اس میں بھی حرج نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں ایک دن حضورﷺ آپ کے پاس آئے اور پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے پھر کہا **فانی اذا اصوم** اچھا میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔

یہ آپ نے نفلی روزے کی نیت کی آپ کا زبان سے اصوم کہنا (میں روزہ رکھوں گا) بتلاتا ہے کہ اگر کوئی فرض روزے کی نیت بھی "**وبصوم غد نویت**" کے الفاظ سے کرلے تو اسے بدعت نہ کہا جائے گا کیونکہ اس کی ایک نظیر مل گئی۔ جب ہر عمل کے لیے نیت شرط ہے تو روزے کے لیے بھی نیت ہونی چاہیے، یہ اصوم کے الفاظ سے کی جائے یا ان کے ہم معنی دوسرے الفاظ سے، یہ بدعت شمار نہ ہوگی۔

☆ سنن ابی داؤد میں اصوم کی بجائے انی صائم کے الفاظ ہیں۔

(سنن ابی داؤ جلد: ۱، ص: ۳۳۴)

روزے کا باطنی پہلو سب طریقت ہے

اسلام کی جملہ عبادات میں روزے کے باطنی پہلو سب امور طریقت ہیں پیٹ کو

کھانے پینے سے روکنا شریعت ہے تو جھوٹ بولنے سے سے زبان کو روکنا اور گالی اور بدزبانی سے کلّیۃً باز رہنا مومن کی یہ ایک مشق طریقت ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا:

من لم یدع قول الزّور والعمل به فلیس للّٰه حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۱۷۲)

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔

اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک ولسانک ویدک وکل عضو منک

ترجمہ: جب تو روزہ رکھے تو چاہیئے تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ اور تمہارے بدن کا ہر حصہ روزے سے رہے۔

اہل طریقت کے ہاں روزے کی حقیقت

حضرت علی ہجویریؒ ارشاد فرماتے ہیں:

روزے کی حقیقت امساک ہے (امساک کے معنی اپنے آپ کو روکنا ہے) یعنی اپنی خواہشات نفس کو روکنا اور قابو میں رکھنا ساری طریقت اسی میں پوشیدہ ہے اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ نے روزے کو نصف طریقت فرمایا ہے، میں نے ایک مرتبہ سید دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا، **یا رسول اللّٰه ﷺ اوصنی**، اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا۔
"**احبس حواسک**" اپنے حواس (خمسہ) کو قابو میں رکھ۔

انسان سے تمام نیکیوں اور برائیوں کا ظہور انہی پانچ حواس کے ذریعے سے ہوتا ہے آنکھ جو دیکھنے کا آلہ ہے، کان جو سننے کا آلہ ہے، ناک جو سونگھنے کا آلہ ہے، منہ جو ذائقہ کا آلہ ہے اور پورا جسم جو چھونے کا آلہ ہے پانچوں فرمانبرداری اور معصیت کے مشترک اور یکساں آلات ہیں اور آدمی کے نیک و بد اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان ہونے کا سارا انحصار انہی پانچ آلات کے استعمال پر ہے۔ (کشف المحجوب)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

روزہ تین درجوں پر مشتمل ہے ایک روزہ عوام کا، دوسرا خواص کا اور تیسرا روزہ خواص الخواص کا۔ خواص الخواص کا روزہ اپنے دل کو سوائے خدا تعالیٰ کے تمام اشیاء سے خالی کرنا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے حوالے کرنا ہے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ہے اس سے ظاہری اور باطنی طریق پر روزہ رکھنا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی سمت میں جاتا ہے تو اس کا روزہ کھل جاتا ہے۔ دنیوی امور میں غور کرنا گو مباح ہے لیکن یہ روزہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر وہ دنیوی امور جو دین کی راہ میں مددگار ہو وہ دنیا میں داخل نہیں یہ وہ روزہ ہے جس میں اگر دن کے وقت افطاری کی تدبیر کرے تو وہ گناہ میں داخل ہے۔ (کیمیائے سعادت)

آٹھواں کشف الحجاب

٨۔ حج کے بارے میں

حج اللہ کے حضور اپنی کامل سپرداری ہے اپنے آپ کو پورا خدا تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے۔ گھر سے پورے طور پر نکلے، اپنے مخصوص لباس سے پورے طور پر نکلے، اپنے کاروبار سے پورے طور پر نکلے، اپنے احباب اور اپنے وطن سے پوری طرح نکلے، مومن اپنے حج کے سفر کو سفرِ آخرت جیسا بنائے۔ جس طرح سفرِ آخرت پر سب کو چھوڑ کر جانا ہوتا ہے، وہاں کفن پہن کر جانا ہے یہاں احرام باندھ کر چلنا ہے، اسی طرح سب طرح کی وصیتیں کر کے سفرِ حج پر روانہ ہو۔ انسان پر اس دنیا میں غفلتوں کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں آٹھواں پردہ حج سے اٹھتا ہے۔

یہاں صرف وہی ایک دنیوی نظارہ باقی رہ سکتا ہے جو حشر کے دن بھی باقی رہے گا۔ وہاں سب دنیوی علائق ٹوٹے ہوئے ہوں گے صرف ایک امت ہونے کا علاقہ باقی رہے گا۔ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی جس طرح ہم اس دنیا میں اپنے پیغمبروں سے پہچانے جاتے ہیں وہاں بھی یہ پہچان باقی ہوگی اور ہر امت اپنے نبی کے ساتھ پیش ہوگی۔

فکیف اذا جئنا من کلّ امۃ بشھید و جئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیداً (پ۵، النساء۴۱)

ترجمہ: پس کیا حال ہوگا جس وقت ہر امت سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ہم ان لوگوں پر (جو آپ کی امت ہیں) گواہ لائیں گے۔

حج مومنین کی اجتماعی محبت کا آخری درجہ ہے۔

دنیا کے سب نشے ٹوٹنے کا عمل

دنیا کی لذتیں کھلی بے حیائی، فسق وفجور اور لڑنے جھگڑنے میں تھیں، حج کے دنوں ان تمام سے روک دیا گیا گیا۔ (۱) **لا رفث و (۲) لا فسوق و (۳) لا جدال فی الحج** (پ۲ البقرۃ ۱۹۶)

ترجمہ: حج کے دنوں میں عورت سے بے حجاب ہونا اور کوئی گناہ کرنا اور کسی سے لڑنا جھگڑنا جائز نہیں۔

حج کے دن اپنے گناہوں کو گرانے کے لیے ہیں اپنے گناہوں کو اپنے اوپر لانے کے لیے نہیں۔ جو حج میں ان امور کا ارتکاب کرے گا وہ یہ نئے گناہ اپنے اوپر لائے گا۔ پوری دنیا میں کئے گئے گناہ اس پاک ارضِ حرم میں اترتے ہیں، لیکن حرم میں کئے گئے گناہ کہاں اتریں، انہیں صرف جہنم کی آگ ہی جلا سکے گی۔ ان دنوں کئے گئے گناہ اس طرح حاجی کے بدن میں پیوست ہوتے ہیں کہ پھر نکلتے ہی نہیں وہاں جھگڑنے والا وطن واپس آکر ایک مستقل جھگڑالو کا روپ دھار لیتا ہے اور لوگ ایسے حاجیوں کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ حاجی جھگڑنے میں دوسرے لوگوں سے تیز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی خوش نصیب حاجی چاہے کہ یہ گناہ اس سے اس دنیا میں اتر جائے تو اسے پھر سچی توبہ سے دوسرا حج کرنا چاہیئے۔ اس خطہ زمیں میں کئے گئے گناہ یہاں کے گناہوں سے زیادہ شدید ہیں اور یہ صرف اسی سرزمین میں توبہ سے اتر سکتے ہیں۔

حج کے اعمال میں سب سے بڑا عمل

حج کے ارکان میں سب سے بڑا رکن عرفات کی حاضری ہے اور یہی حقیقت میں حج ہے جس میں احرام صرف ایک نیت کا عمل ہے۔ لیکن حج کے جمیع اعمال میں سب سے لمبا عمل رمی جمار ہے۔ (۱) پہلے دن کنکریاں صرف بڑے جمرے پر مارنی ہوتی ہیں یہ دس ذوالحجہ کی تاریخ ہے (اس کے بعد قربانی، حلق اور احرام سے نکلنا ہے) پھر ۱۱ ذوالحج کو تینوں جمرات پر کنکریاں پھر ۱۲ کو بھی اسی طرح کنکریاں اور پھر ۱۳ کو بھی اگر حاجی وہیں رہے۔ یہ کنکریاں مارنا چار دنوں کا مسلسل عمل اعمال حج میں سب سے لمبا عمل ہے اور کئی دنوں پر پھیلا ہے۔

یہ طویل عمل حاجیوں کو اس راہِ طریقت پر لاتا ہے کہ اب وہ ساری عمر شیطان کو اس کی تحریک کردہ خواہشات پر کنکریاں لگاتا رہے گا، حج کے اور سب اعمال پورے ہوں گے لیکن شیطانوں کو وہ بڑے ہوں یا چھوٹے کنکریاں مارتے رہنا پوری زندگی اس سے ختم نہیں ہوگا۔ وہاں کنکریاں چھوٹے چھوٹے پتھروں کی ماری تھیں، یہاں وہ ''اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم'' اور ''لاحول ولا قوۃ الاّ باللّٰہ'' کی کنکریاں شیطان کو مارتا رہے۔

حج مومنین کی اجتماعیت کا آخری عمل ہے

اپنی ذات سے باہر مومن کی اجتماعیت چار حصوں میں منقسم ہے (۱) اس کی اپنی فیملی اور خاندان سے اجتماعیت (۲) اس کی کسی ایک مسجد سے وابستگی (۳) اس کی اپنی ملکی زندگی میں ذمہ داری (۴) اس کی ایک پیغمبر کی امت ہونے میں پوری امت سے دلچسپی اور وابستگی۔ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر کے حقوق اپنی، مسجد کے حقوق، اپنے ملک کے حقوق اور پوری امت کے حقوق میں پوری دلچسپی لے۔ یہ آخری درجے کی اجتماعیت اسے ایام حج میں ہی میسر آسکتی ہے اور یہ اجتماعیت وہ ہے جو میدانِ حشر میں بھی رہے گی۔ اور اسی احساس سے امتیں پہچانی جائیں گی۔

اہلِ طریقت کے حج کی ایک جھلک

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا اس نے حج کیا ہے، اس نے کہا جی ہاں، آپ نے اس سے پوچھا کہ جب تم حج کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے کیا تم اس وقت گناہوں سے بھی نکلے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے تو اس طرف دھیان نہیں کیا آپ نے کہا پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں۔

آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے سفرِ حج کی راتوں میں خدا کا قرب حاصل کرنے کا کچھ اہتمام کیا اس نے کہا نہیں۔ پھر تو نے خدا کے گھر کی طرف سفر نہیں کیا۔ (ہر سفر کے کچھ آداب ہوتے ہیں تو حج کے سفر کے آداب بجا نہیں لایا)

آپ نے پھر اس سے پوچھا جب تو نے احرام باندھا اور اپنے کپڑے اتارے کیا تو نے اپنی بری صفات اور عادات اتارنے کی بھی نیت کی؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا پھر تو نے احرام نہیں باندھا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا، اب تو اپنے عرفات میں کھڑا ہونے کی

حالت بتا کیا تجھ پر مشاہدے کی کچھ کیفیت آئی یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تو عرفات میں گیا ہی نہیں۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے مزدلفہ کی رات کنکریاں چنتے وقت اپنی نفسانی خواہشات چھوڑنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تو مزدلفہ گیا ہی نہیں۔ آپ نے پھر اس سے پوچھا جب تو نے کعبہ کا طواف زیارت کیا، کیا تو نے وہاں جمال خداوندی کے لطائف دیکھے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا پھر تو نے خانہ کعبہ کا طواف نہیں کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا مقصد پایا؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا پھر تو نے سعی بھی نہیں کی۔ ہاں جس وقت تو نے دم شکر کی قربانی کی اپنی خواہشات کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں۔ اس طرف میری توجہ نہیں گئی، آپ نے کہا جب تو نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں تو کیا تو نے اپنے برے ہم نشینوں اور بے دین دوستوں سے اپنے آپ کو دور کرنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں، (میں اس طرف دھیان نہیں کر سکا) آپ نے فرمایا پھر تو نے رمی بھی نہیں کی۔ آپ نے پھر اسے فرمایا، اب گھر واپس جاؤ اور پھر حج ادا کروان صفات کے ساتھ اعمال حج کو بجالاؤ، یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کے مقام کی جھلک پاؤ۔ اس ابراہیمؑ کے مقام کی جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا۔

وابراھیم الّذی وفّٰی (پ۲۷، النجم ۳۷)

وہ ابراہیم جس نے اللہ تعالیٰ سے پوری وفا کی اس کے کسی حکم میں کسی درجہ تقصیر نہ کی۔ (کشف المحجوب ۳۴۴)

سفرِ حج کے مقاصد

اس واقعہ میں آپ نے شریعت کے کسی پہلو احرام، وقوف عرفات، شب مزدلفہ، طواف زیارت، سعی بین الصفا والمروہ، دم شکر (جسے عوام قربانی کہتے ہیں) اور رمی جمرات کا انکار نہیں کیا۔ سو طریقت شریعت کے کسی عمل کے خلاف نہیں جس طرح سونے پہ سہاگہ، اسے مزید روشن کرنے کے لیے ڈالتے ہیں، تصوف اعمال شریعت کو روشن کرتا ہے، ہر عمل کی تمہید میں اخلاص کی صف بچھتی ہے۔ اعمال شریعت صرف اپنے ظاہری ڈھانچوں میں نہیں رہتے مقاصدِ شریعت پانے کی پوری استعداد پیدا کردیتے ہیں۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ، سید المرسلین ہونے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں رہے، آپ کی پوری امت بھی ملت ابراہیمی پر ہے۔ ہم حضورؐ کی امت ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہیں، حضورؐ کے بعد ہمارا سب سے زیادہ تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم درود شریف میں ان دونوں پیغمبروں کو جمع کریں اور دونوں کو ایک موردِ رحمت میں سمجھیں، اے رب کریم! تو اس طرح حضور ﷺ پر مزید رحمت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر رحمت فرمائی۔ ایک عید حضرت خاتم النبیین کی ادا میں کرے اور دوسری عید حضرت ابراہیمؑ کی ادا میں۔ ما هٰذه الاضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم۔

شیطانوں پر کنکریاں مارنے کے بعد بددینوں اور برے ہم نشینوں سے بچنا پوری عمر کا ایک لازمی عمل ٹھہرا، یہ حج کا طویل ترین عمل اسی لیے رہا کہ اب اسے پوری زندگی تک طول دیا جائے۔ اب مسلمان کے لیے اپنی روزمرہ کی معاشرتی زندگی میں نیک لوگوں کی صحبت از بس لازم ہے، اچھے لوگوں میں رہنے سہنے سے زندگی کا نواں حجاب اٹھتا ہے۔ اب طریقت سالک کو تصوف کی اس زندگی میں لے آئی کہ یہ نواں حجاب بھی اس سے اٹھ گیا اور وہ اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو گیا۔

نواں کشف الحجاب

۹۔ صحبت کے آداب واحکام کے بارے میں

یہ دنیا کی پوری زندگی ایک لائحہ عمل ہے زندگی کے تمام شعبوں کو یہ ایک جوڑ میں لاتا ہے۔ ان مختلف دوائرِ حیات سے جب ظلمتیں اٹھتی ہیں اور انسان کی ہر پہلو میں اصلاح ہو جاتی ہے تو اسے ایک ایسا طریقِ حیات میسر آتا ہے کہ اسے اولیاء اکرام کی طریقت سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کو یہ آدابِ زندگی خود اللہ تعالیٰ نے سکھائے اور آپ نے صحابہؓ کو سکھا کر ان کے دلوں کا تزکیہ کیا اور پھر یہ تزکیہ کی محنت اہل اللہ کی محنتوں سے اس امت میں مسلسل چلی آرہی ہے، یہی تصوف کی جان ہے اور یہی ہر سالک کا ارمان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی

ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور میری احسان سے تادیب فرمائی۔

حضرت علی ہجویریؒ اس نویں کشف المحجاب میں لکھتے ہیں:

۱۔ دین میں ادب ملحوظ رکھنے کے معنی سنت کی حفاظت کرنا ہے (کہ حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پیرائے تھے) لوگوں سے ادب برتنے کے معنی ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور مروت سے پیش آنا ہے اور دنیوی معاملات میں ادب ملحوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر معاملہ کرتے وقت اپنی عزت کی حفاظت کرے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے کبھی اس کی عزت اور آبرو پر حرف آئے۔

۲۔ خدا کا ادب اور اس کی تعظیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم و تکریم کی جائے اور یہ چیز تصوف کی راہ میں اس راہ کے مسافر کو تقویٰ کی روشنی اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ صرف ممنوع سے ہی نہیں اس کے قریب کرنے والی ہر چیز سے بھی اجتناب کیا جائے۔ جو شخص خداوند تعالیٰ کے شعائر اور شواہد کی تعظیم سے بے پروا ہو اس کا طریقت میں کوئی حصہ نہیں، اور یہ چیز انسان سے سکر اور صحو کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب بندہ محبت میں مغلوب ہو جاتا ہے تو شریعت کی پیروی کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے وہ ملحد ہے اس پر خدا کی لعنت ہو تارک الادب کسی صورت میں ولی نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی انسان اپنے ہوش و حواس میں قائم ہے آداب کی پیروی کرنا اس کے لیے ہر حال میں لازم ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے آگے ادب کے تین موارد ذکر کیے ہیں:

۱۔ ایک ادب

زمین و آسمان کے مالک کے ساتھ ہے آدمی اپنے اوپر ہر آن اس نقطہ نظر سے نگاہ رکھے کہ کہیں وہ ایسی حرکت تو نہیں کر رہا جس سے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہوتی ہو، وہ ادب ملحوظ نہ رکھے ہو۔

۲۔ ایک ادب

باہمی کاروبار اور معاملات سے متعلق ہے اس ادب کو ملحوظ رکھنے کی صورت یہ ہے کہ آدمی سوائے سچائی کے کچھ نہ کہے اس سے تمام معاملات خود ٹھیک رہیں گے۔

۳۔ایک ادب

خود اپنی ان چیزوں پر بھی نظر نہ ڈالے جو اس کے سوا غیر کو نہ دیکھنی چاہئیں مثلاً اپنے ستر کی دوسروں سے ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی حفاظت کرے۔

جو شخص ان تینوں آداب کی زینت پالے وہ سلوک کی منزل میں حسن صحبت کی دولت پا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی ہجویریؒ نے ان آداب کو پانے کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں۔

ا۔اچھی صحبت میں آنا ۲۔تنہا رہنے سے بچنے کی کوشش ۳۔احباب کا صحیح انتخاب (ص ۴۴۳)

اس کے بعد آپ نے صحبت کے یہ آداب بیان کیے ہیں۔

صحبت کے تمام آداب

انسان مدنی الطبع ہے یہ اکیلے نہیں رہ سکتا ایک دوسرے سے انس ہی اسے انسان بناتا ہے۔ جب تک وہ تمام انسان جن سے اسے واسطہ پڑے اچھے نہ ہوں یہ اچھی صحبت میں آیا نہیں بتلایا جا سکتا ہے۔ اس لیے بہترین انسان وہی ہوگا جو دوسروں کا بھلا چاہے ان کے لیے خیر کی دعا ہی کرے اور جب ان سے ملے جلے یہ ان کے خیر سے حظ پائے یہ خیر سے محظوظ ہونا ہے۔ تصوف اکیلے رہنے کی تعلیم نہیں دیتا، حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:۔

اچھے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ افراد کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلقات بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:۔

اکثروا من الاخوان فان ربکم حی کریم یستحی ان یعذب عبدہ بین اخوتہ یوم القیٰمۃ

ترجمہ: بہت سے لوگوں کو اپنا بھائی بناؤ کیونکہ تمہارا رب جو حي و کریم ہے اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنے کسی بندے کو قیامت کے روز اس کے بھائیوں کے سامنے سزا دے۔

اس امت کی پہلی صف (صحابہ کرامؓ) اس شرف سے مشرف ہوئی اور آئندہ بھی بنی نوع انسان کی سعادت اچھی معاشرت اور اچھے رہن سہن سے وابستہ رہی۔ صحبت کے تمام آداب میں پہلا ادب یہ ہے کہ مختلف علائق میں گھرا انسان ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے

کے مطابق پیش آئے۔ ہمیں انزلوا الناس منازلھم کی تعلیم دی گئی ہے کہ لوگوں کو اس درجے میں رکھو جس کے وہ اہل ہیں۔

(۱) بوڑھوں کو ماں باپ کے درجہ میں سمجھے ان کی عزت کرے اور حسب حال ان کی خدمت کرے۔

(۲) ہم عمر لوگوں کو اپنے بھائیوں کے درجہ میں سمجھے اور ان سے احسان اور مروت کا برتاؤ کرے۔

(۳) چھوٹوں سے اپنے فرزندوں کی سی شفقت رکھے۔

ان میں سے کسی کی چغلی اور غیبت نہ کرے کسی بھائی سے حسد وعداوت کا معاملہ نہ رکھے ان سے کینہ اور خیانت نہ برتے۔

(۴) باہمی محبت کو بڑھانے والے عمل اختیار کرے۔

زرغباً تزد حباً میں باہمی محبت بڑھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ثلٰث لک ودّ اخیک.

تین کام تیرے لیے تیرے بھائی کی محبت کا سبب بنیں گے۔

(۱) تو ان سے سلام کلام رکھے۔

(۲) مجلس میں ان کے لیے جگہ پیدا کرے۔

(۳) اسے اس نام سے بلائے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

تصافحوا یذھب بہ الغلّ

ان سے مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا۔

تھادوا تحابوا و تذھب السغناء الشحناء

ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہو، محبت بڑھتی ہے اور بغض وعداوت دور ہوتے ہیں۔

(مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی المھاجرۃ ۳۶۵)

۱۔ کچھ آداب اقامت ہیں درویش کسی جگہ مقیم ہو تو وہ آنے والوں سے خوشی اور تعظیم

سے ملے ان کی عزت کرے اور خدمت میں کوئی کمی نہ کرے۔

۲۔ کچھ آداب سفر ہیں یہ ان اسفار کی بات ہے جو خدا کے لیے ہوں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں اور نیک منزل کے لیے ہوں۔

۳۔ کچھ کھانے کے آداب ہیں نہ زیادہ کھائے اور نہ اپنی بساط سے بڑھ کر پر تکلف کھانوں میں رہے نہ کھانے کو موضوع زندگی بنائے۔

۴۔ کچھ چلنے کے آداب ہیں، زمین پر عاجزی سے چلے، چلتے وقت بلا ضرورت ادھر ادھر نہ دیکھے اکٹھے چلیں تو آگے نہ نکلے۔

۵۔ کچھ سونے کے آداب ہیں، زبردستی اپنی نیند کو نہ روکے، گناہوں سے توبہ کر کے سوئے معلوم نہیں اٹھنا ہوگا یا نہیں۔

۶۔ کچھ کلام کرنے کے آداب ہیں، عام چپ رہنا اور ضرورت کی بات کرنا درویش کا وقار ہے فضول باتوں سے پرہیز کرے

۷۔ کچھ نکاح اور تجرد کے آداب ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں ان تمام آداب زندگی سے غفلت کے پردے اٹھائے ہیں اور سالک کو چاہئے کہ ان سب کا تفصیل سے مطالعہ کرے اور ان مختلف دوائر میں ان کے مطابق چلے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان ابواب زندگی میں اپنے شیخ سے بھی ساتھ ساتھ رہنمائی لیتا رہے۔

حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ) نے سالک کے کشف حجابات کو نو دائروں میں تقسیم کیا ہے جن میں پہلے تین صحت عقائد پر ہیں اور پچھلے چھ اعمال سلوک پر ہیں۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے کیمیائے سعادت کا رکن اول جو عبادات سے متعلق ہے اسے دس اصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ ناموں کے کچھ اختلاف کے باوجود خاکہ راہ سلوک دونوں بزرگوں کے ہاں ایک سا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں سالک سے یہ نو حجاب اٹھانے کی سعی کی ہے۔

۱۔ پہلا کشف الحجاب	اللہ کی معرفت کے بارے میں
۲۔ دوسرا کشف الحجاب	توحید باری تعالیٰ کے بارے میں
۳۔ تیسرا کشف الحجاب	ایمان کی حقیقت کی بارے میں

۴۔چوتھا کشف المحجاب طہارت کے بارے میں
۵۔پانچواں کشف المحجاب نماز کے بارے میں
۶۔چھٹا کشف المحجاب زکوٰۃ کے بارے میں
۷۔ساتواں کشف المحجاب روزے کے بارے میں
۸۔آٹھواں کشف المحجاب حج کے بارے میں
۹۔نواں کشف المحجاب صحبت کے آداب واحکام

حضرت امام غزالیؒ نے حضرت ہجویریؒ کے پہلے تین دائروں پر یہ دوعنوان قائم کیے ہیں۔

۱۔اہل سنت والجماعۃ کے اعتقاد کے بیان میں
۲۔طلب علم کے بارے میں

اور پھر طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے موضوعات پر اصل سوم، اصل چہارم، اصل پنجم، اصل ششم اور اصل ہفتم کے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔ یہ وہی عنوان ہیں جو حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجاب کے نام سے اختیار کئے ہیں۔ آگے حضرت علی ہجویریؒ کا نواں کشف المحجاب صحبت شیخ کے آداب واحکام پر ہے اسے امام غزالیؒ نے ان تین اصلوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔اصل ہشتم تلاوت قرآن مجید کے بارے میں
۲۔اصل نہم ذکرودعا کے بارے میں
۳۔اصل دہم ترتیب وظائف کے بارے میں

اس راہ کے مسافر یہاں تک سلوک کے ان دو اماموں سے برابر کے مستفیض ہوئے ہیں آگے امام غزالیؒ نے ان کے لیے سلوک کے کچھ اور آداب بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔کھانے کے آداب ۲۔نکاح کے آداب
۳۔تجرد کے احکام وآداب ۴۔گوشہ نشینی کے آداب
۵۔آداب سفر ۶۔آداب سماع
۷۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے آداب ۸۔آداب شاہی اور رعیت پروری

آپ یہ آداب دوسرے رکن کے تحت لائے ہیں، پہلا رکن عبادات سے متعلق تھا،

کیمیائے سعادت کا تیسرا رکن مہلکات کا ہے اور چوتھا منجیات کا۔ان پر آپ کی یہ روحانی تربیت تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔اب شیخ مناسب سمجھے تو اس منزل پر پہنچنے والوں کو وہ دوسرے مقامات پر پہنچ کر لوگوں کو ان مناظر احسان میں آنے کی دعوت دے اس اجازت کو اس سیر سلوک میں خلافت بھی کہہ دیتے ہیں۔

یہاں ہم حضرت امام غزالیؒ کے یہ دو رکن بھی بیان کئے دیتے ہیں تا کہ راہ ہلاکت میں ڈوبے لوگ مہلکات اور مستحبات بھی تلاش کریں، ان میں سے ہر ایک کی دس اصلیں ہیں:

مہلکات	منجیات
۱۔ ریاضت نفس کے بیان میں	۱۔ ظلم سے بچاؤ اور توبہ
۲۔ شہوت شکم وفرج کا بیان	۲۔ صبر وشکر کے بیان میں
۳۔ حرص سخن اور آفاتِ زبان	۳۔ خوف ورجاء کے بیان میں
۴۔ غصہ کینہ اور حسد کے بیان میں	۴۔ زہد ودرویشی کے بیان میں
۵۔ دنیا کی دوستی کے بیان میں	۵۔ اخلاص نیت اور بیان صدق
۶۔ مال کی دوستی کے بیان میں	۶۔ محاسبے اور مراقبے کے دامن میں
۷۔ جاہ ومرتبہ کی طلب اور دوستی	۷۔ اپنی اصلاح کی فکر کے بیان میں
۸۔ عبادات میں ریا اور نفاق کی آمیزش	۸۔ توکل اور توحید کے بیان میں
۹۔ تکبر ونخوت کے بیان میں	۹۔ موت اور آخرت کی یاد میں
۱۰۔ غفلت اور غرور کے باب میں	۱۰۔ موت اور آخرت کی یاد میں

مہلکات اور منجیات کے یہ دس دس اصل ہم نے آپ کے سامنے اپنے الفاظ میں رکھ دیئے ہیں، سلوک کے مسافر ان عنوانوں کے تحت کیمیائے سعادت کا مطالعہ کریں تو مہلکات سے بچیں اور منجیات کے قدم بہ قدم چلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ سالک کی طبیعت شریعت نہ بن جائے یہاں تک کہ شریعت کی کسی بات پر عمل اس کے لیے بوجھ نہ رہے، اور جو چیزیں خلاف شریعت ہیں ان میں سالک کے لیے کوئی کشش اور لذت باقی نہ رہے۔

جس طرح انبیاء ورسل ایک ہی چشمہ فیض سے بولتے ہیں اور ایک ہی خزانہ غیب کے سفیر ہیں تمام اولیاء کرام بھی ایک ہی اصل سے بولتے ہیں، گو طریق علاج ہر ایک کے ہاں اپنے اپنے ہیں منزل سب کی ایک ہے۔

اس دور کے تیسرے بزرگ شیخ المشائخ ضیاء الدین سہروردی (۶۳ھ) ہیں اور چوتھے محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ان کی کتابیں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اس راہ کے روشن چراغ ہیں۔اب ہم انشاء اللہ العزیز ان سے استفادہ کرتے آگے چلتے ہیں۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی نے آداب المریدین میں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں صحت عقائد پر بہت زور دیا ہے۔عقائد اہل سنت کی پرزور تصدیق وتوثیق کی ہے، اور عقائد اہل بدعت مثل معتزلہ روافض وخوارج اور مرجۂ کی تردید وتکذیب مختلف پیرایوں سے کی ہے۔ سومناسب رہے گا کہ ہم عقائد اہل سنت کا ایک اجمالی خاکہ بھی ہدیہ قارئین کردیں یہ ان تیس عقائد کی ایک مختصر فہرست ہے۔

۱۔ اللہ رب العزت کے بارے میں
۲۔ نبوت ورسالت کے بارے میں
۳۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں

ان تین موضوعات پر جوان تیس عقائد سے سلامتی سے گزر جائے وہ راہ سلوک کا ایک ایسا مسافر ہے جو آئندہ الحاد وبدعت کی کسی کھائی میں نہ گرے گا۔

آدابِ تصوف ایک جامع ترتیب سے سالکین کے سامنے لائے جائیں تو وہ جان لیں گے کہ جس طرح ہماری شریعت ایک مکمل اور مرتب نظام حیات ہے، طریقت بھی ایک پورا جامع نظامِ اصلاح ہے، جو پوری زندگی میں شریعت کے قدم بہ قدم چلتا ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز آداب تصوف میں (۱) صحت عقائد (۲) صحت عمل (۳) صحت احکام (۴) صحت باطن (۵) صحت عبادات (۶) صحت معاملات (۷) صحت امور عامہ (۸) صحت لباس (۹) صحتِ خورد ونوش پر آداب المریدین اور غنیۃ الطالبین کی روشنی میں کچھ گفتگو کریں گے۔تصوف کے ان پہلے ائمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ اس کے ضمن میں ہم دوسرے ہزار سال کے ائمہ تجدید سے بھی کچھ استفادہ کریں گے۔

واللہ ھو الموفق و المعین۔

باب دوم

آداب تصوف

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

آداب تصوف سب خود تصوف ہیں۔ ان میں پہلا ادب شریعت کا ہے، جو صوفی اس قسم کے کلمات بولتے ہیں "فقیروں اور عالموں کی ہمیشہ سے چلی آئی ہے" وہ جھوٹے صوفی ہیں وہ ہرگز اہل تصوف میں سے نہیں جو عقائد اہل سنت اور احکام شریعت سے بے پرواہیں وہ کیسے اہل تصوف ہو سکتے ہیں؟ سو اس راہ کے مسافروں کے لیے ضروری ہے کہ صحت عقائد سے وہ اس راہ میں چلیں۔ ہم ان عقائد کو اپنی تلخیص سے ذکر کر رہے ہیں ان پر علمی دلائل بیان نہیں کر رہے۔ عقائد سے بحث علم کلام کا موضوع ہے، ہم یہاں انہیں آداب تصوف میں ذکر کر رہے ہیں، سالک کو چاہیے کہ بلا بحث ان عقائد پر رہے تصوف میں دماغ پر نہیں دلوں پر محنت کی جاتی ہے۔

(۱) پہلا ادب ...... صحت عقائد کا

اہل تصوف کے چاروں سلسلوں میں یہ تیس عقائد بالاتفاق تسلیم کئے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت کے بارے میں، نبوت و رسالت کے بارے میں اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں۔

یہ تیس عقائد اس طرح ذہن میں رکھیے:

ا۔ توحید باری تعالیٰ

۱۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے کوئی ایسا وقت نہ تھا کہ وہ نہ تھا اور کوئی ایسا وقت نہ آئے گا کہ وہ نہ ہو، وہ ازلی ابدی ذات ہے۔

۲۔ ایک اللہ کے سوا کوئی چیز اور کوئی شخص ازلی ابدی نہیں نہ فرشتوں اور انبیاء میں سے

کوئی ممکن الوجود کسی درجے میں واجب الوجود مانا جاسکتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جسم نہیں، جسم مرکب ہوتا ہے۔ نہ وہ جوہر ہے جوہر مکان کا محتاج ہوتا ہے۔اور وہ لامکان ذات ہے ہر جگہ اور ہر شے کو اسی نے تخلیق بخشی ہے۔

۴۔ عرش پیدا کرنے سے پہلے بھی وہ تھا یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ سے عرش پر مانا جائے اس سے عرش کے مخلوق نہ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہ مکان سے بے نیاز ہے اس کے لیے جہت ماننا کفر ہے۔ اس کا آسمانوں پر نزول برحق ہے مگر اس کی حقیقت صرف وہی جانتا ہے اس کا نزول حرکت سے نہیں، وہ حرکت سے پاک ذات ہے۔

۵۔ وہ عرض نہیں، عرض جوہر کے مٹنے سے باقی نہیں رہتا اور زمانہ گزرنے سے اس کی بقاء نہیں رہتی۔ سو عرض ہونا اس کی شان کے لائق نہیں۔

۶۔ اللہ کا علم ذاتی اور علم محیط ہے مگر وہ اپنے فیصلے علم ذاتی سے نہیں علم واقعاتی سے سناتا ہے، جب تک کوئی عمل کسی سے واقع نہ ہو جائے وہ اس پر اس سے مواخذہ نہیں کرتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے ساتھ اکٹھا نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے کسی چیز سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ اس کی صفات ذاتیہ آٹھ ہیں:

۱۔حیات ۲۔علم ۳۔قدرت ۴۔ارادہ ۵۔کلام ۶۔سمع ۷۔بصر ۸۔تکوین

وہ ان کی اضداد موت، جہل، عجز، جمود، خرس، صم، عمی سے پاک ہے۔ صفات فعلیہ میں اللہ رب العزت دونوں طرف اظہار فرماتا ہے۔ احیاء و اماتت، رضا و غضب، تعذیب و مغفرت سب اس کے ہاتھ میں ہیں، یہ اس کی صفات فعلیہ ہیں۔

۹۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اچھی ہو یا بری، بندوں کے اعمال اس کی تخلیق سے ہیں، بندہ صرف کسب کرتا ہے تخلیق نہیں کرتا۔

۱۰۔ قرآن اللہ کا کلام ہے یہ اس کا بول ہے، یہ مخلوق نہیں کوئی ایسا وقت نہیں گزرا کہ اللہ رب العزت میں شان کلام نہ ہو۔ اس کا کلام حادث نہیں۔

۲۔تصدیق رسالت

۱۔ تمام انبیاء کرام اپنی ذات میں انسان تھے، اور اپنی صفات میں روشن نور حضرت

خاتم النبیین ﷺ بھی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی نوعاً انسان تھے۔

۲۔ تمام پیغمبر مرد ہوئے ہیں عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔

۳۔ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم رہے ہیں، اگر کسی پیغمبر سے بلا ارادہ معصیت کوئی خطا سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس پر قائم نہیں رہنے دیا اصلاح فرما دی تا کہ وہ بات اس کے پیروؤں کے لیے نمونہ ہو سکے۔

۴۔ نبوت وہبی ہے یہ کوئی کسبی چیز نہیں، کوئی شخص زور عمل سے یا مہارت و ریاضت سے نبی نہیں بن سکتا۔ نہ نبوت کے کے لیے عالم بالا میں کوئی مدرسہ لگایا جاتا۔

۵۔ انبیاء کرام کو علم خدا سے ملتا ہے، بواسطہ جبریلؑ ملے یا براہ راست، اس علم کی ایک شرعی حیثیت قائم ہوتی ہے اور اس کو ماننا فرض ہوتا ہے۔

۶۔ نبوت میں سب انبیاء برابر ہیں، مگر درجات ان کے اپنے اپنے ہیں ان کی نوع نبوت بھی اپنی اپنی۔ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت دی ہے۔

۷۔ بعض نبیوں کو درجہ رسالت بھی دیا گیا یہ حضرات آگے احکام الٰہیہ پہنچانے کے لیے بھیجے گئے۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور آخری حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

۸۔ تمام انبیاء واجب التعظیم ہیں کسی پیغمبر کی بے ادبی اور توہین کفر ہے کسی پیغمبر کا انکار کیا جائے تو انسان مومن نہیں رہتا۔

۹۔ پیغمبروں کو اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے جو معجزات دیئے گئے وہ برحق ہیں۔ وہ شخص کافر ہے جو کسی پیغمبر کا منکر ہو، ان کے یہ معجزات فعل خداوندی سے وجود میں آتے رہے۔

۱۰۔ خاتم النبیینؐ کے بعد نبوت ملنے کا سلسلہ ختم ہے، اب کسی کو نبوت نہ ملے گی۔ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی، حضرت عیسیٰ نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے۔

۳۔ صحابہ کرام کی نسبت سے

۱۔ حضور اکرمؐ کے زمانہ کے سب مسلمان خیر امت تھے وہ اپنے دور والوں اور آئندہ

آنے والوں کے لیے، ایمان وعمل کا نمونہ ٹھہرائے گئے۔

۲۔ صحابہؓ سے دوران تربیت جو خطائیں ہوئیں ان کے حوالے سے ان پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے، وہ ازاں بعد رضی اللہ عنہم کا شرف پاچکے ہیں۔

۳۔ صحابہؓ کی جن خطاؤں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ خدا انہیں معاف کر چکا ان کے حوالے سے ان پر کوئی اعتراض کرنا حرام ہے۔

۴۔ سابقین اولین، مہاجرین وانصار اور متاخرین صحابہ کرامؓ سب عادل ہیں اور تمام صحابہؓ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وکلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ (پ۵ النساء ۹۵)

۵۔ صحابہؓ کا اجماع معصوم ہے جس بات پر وہ اتفاق کر چکے وہ بات اسلام کی قطعیات میں سے ہے جیسے قرآن کی صحت اور تراویح بالجماعۃ و غیرھا۔

ان کی کرامات (خرق عادت) حق ہیں، یہ فعل خداوندی سے وجود میں آئیں۔

۶۔ صحابہؓ کا عمل و ارشاد ہر اجتہاد اور قیاس سے بالا ہے اور صحیح احادیث کے اختلاف میں صحابہؓ کا عمل قول فیصل ہے۔

۷۔ صحابہ میں افضل ترین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں، خلفائے راشدین کے بعد پھر دوسرے درجہ میں، عشرہ مبشرہ ہیں، پھر اصحاب بدر اور پھر اصحاب بیعت رضوان۔ اور جنت کا وعدہ سب سے ہے۔ شرف صحابیت میں یہ سب برابر ہیں ہاں ان کے درجے اپنے اپنے ہیں۔

۸۔ فرقوں کے اختلاف میں فرقہ ناجیہ وہ ہے جو حضور ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے نقش قدم پر چلے۔

۹۔ صحابہؓ کا شرف ان کے علم وعمل کے وجہ سے نہیں، گو ان میں بھی وہ بہت آگے نکلے ان کا شرف صحابیت کی وجہ سے ہے اور اس میں سب صحابہ برابر ہیں۔

۱۰۔ صحابہ کرامؓ اپنے بعد میں آنے والوں میں سے یقیناً افضل ہیں انہیں عام مومنین میں شمار کرنا درست نہیں۔ حدیث کی کتابوں میں فضائل صحابہؓ کے ابواب بتلاتے ہیں کہ یہ حضرات صرف تاریخی شخصیتیں نہیں دینی شخصیتیں بھی ہیں ان کے بغیر دین کامل کا کوئی تصور قائم نہیں ہوتا نہ آگے چلتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان تیس عقائد کے بیان کے آخر میں صفات خداوندی کے

بارے میں تفویض و تاویل کی بھی کچھ وضاحت کردیں۔

صفات باری میں تاویل اور تفویض کے دو مسلک

احسان میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان باندھنا پڑتا ہے اور اس کے کئی پیرائے ہیں تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں یہ بات واضح کردیں کہ اہل سنت میں تفویض اور تاویل دونوں کی گنجائش ہے۔ محدثین اور متکلمین میں سے ہم کسی کو دائرہ سنت سے باہر نہیں سمجھتے تاہم اقرب الی السنۃ محدثین کا مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں۔

آیات صفات میں اور متشابہ احادیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو انسانوں کے لیے بھی وارد ہیں جیسے اترنا، چڑھنا، بیٹھنا وغیرہ اور آنکھ، ہاتھ، پنڈلی وغیرہ۔ ہاں ضروری نہیں کہ کسی زبان میں ہر لفظ اپنے اصل معنی میں ہی استعمال ہو، مجاز کا دروازہ ہر زبان میں کھلا ہے جس میں لفظ کبھی اس معنی میں بھی وارد ہوتا ہے جس کے لیے اس کی وضع نہیں ہوئی۔ اس صورت حال میں آیات صفات میں اللہ رب العزت کے لیے جو متشابہ الفاظ وارد ہیں ان میں وہی مطلب لیا جائے جو اللہ جل شانہ کے مناسب اور شایان شان ہو، اسے تاویل کہتے ہیں۔ لیکن اس تاویل سے لفظ اپنی حقیقت میں نہیں رہتا مجاز بن جاتا ہے اس صورت میں یہ صفات حقائق نہیں رہے مجاز بن گئے۔ محدثین کے ہاں یہ ان صفات کا انکار بنتا ہے۔ متکلمین کے ہاں یہ صفات کا انکار نہیں اور امام بخاری بھی کچھ اسی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں وہ استوی کا معنی علا (بلند ہوا) کرتے ہیں۔ دوسرے محدثین ان الفاظ پر ایمان رکھتے ہوئے ان کے معنی خدا کے سپرد کرتے ہیں کہ وہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے، اسے تفویض کہتے ہیں۔ مجتہدین کرام اور محدثین عظام زیادہ اس طرف گئے ہیں اور انہوں نے تفویض کو تاویل پر ترجیح دی ہے۔ اہلحدیث (باصطلاح جدید) ان متشابہ الفاظ کو ان کے ظاہر معنی میں لیتے ہیں گو ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں ان کی مراد اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔ ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی میں لینا انہیں فرقہ مجسمہ اور فرقہ مشبہہ کے بہت قریب کردیتا ہے۔ ظواہر میں اور حقائق میں فرق ہے یہ الفاظ صفات اپنے حقائق پر محمول ہیں، ظواہر پر نہیں۔ اہلحدیث انہیں ظواہر پر محمول کرتے، مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اہلحدیث کا مؤقف اس طرح لکھا ہے:

اہلحدیث نے استویٰ کے معنی یہ لیے ہیں کہ عرش پر بلند ہوا یا بیٹھا یا چڑھ گیا یا جما اور اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے۔ (پ ۸، الاعراف ۱۸۸)

استواء کے یہ چاروں معنی جو اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے کئے ہیں ظاہراً مخلوق کے لیے عام استعمال ہوتے ہیں اب اسے خالق کے لیے انہی معنی میں سمجھنا جس معنی میں یہ الفاظ مخلوق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور کہنا کہ اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے متشابہات سے عقیدہ بنانا ہے۔ اہل حق اس میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں **وما یعلم تاویله الا الله**۔ سو استواء سے یہ چار ظاہری معنی بلا تاویل مراد لینا تفویض کے خلاف اور اللہ رب العزت کو مکانی سمجھنے کے عقیدہ کے بہت قریب سے جاتا ہے۔

لیکن اہل سنت کے ہاں ان آیات صفات کے ظاہر معنی سے اس جہت کی نفی کرنا جس جہت سے یہ الفاظ مخلوق کے لیے استعمال ہوتے ہیں ضروری ہے، سو ان کے ہاں انہیں ان کے ظاہر پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا **لیس کمثله شیئ** پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں ان کے عام مستعمل پیرائے سے دور رکھنا ضروری ہے۔ حضرت سید عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:۔

بندہ پر واجب ہے کہ جب اس کی صفات کے متعلق کوئی بات سنے تو اس کے ظاہری مفہوم سے جو شرعاً محال ہے اس کو منزہ سمجھتے ہوئے حقیقی مفہوم کو اللہ جل جلالہ کے سپرد کرے۔

حافظ احمد بن مبارک السلجماسیؒ لکھتے ہیں:۔

> میں کہتا ہوں تفویض مناسب ہے، امام مالک، سفیان بن عینیہ، حضرت سفیان الثوری، حضرت حماد بن زید، حضرت شعبہ، حضرت شریک، حضرت ربیعہ الرای، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے اور یہی قول ہے اہل قرون ثلثہ کا جو کہ تمام قرون میں افضل و بہتر ہیں۔ (کتاب الابریز ص ۲۸)
>
> (ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

سو اہلحدیث (باصطلاح جدید) کا اس پر اصرار کہ آیات صفات کو ان کے ظاہر معنی میں ہی لیا جائے درست نہیں۔ **لیس کمثله شیئ** کی رو سے آیات صفات کو ان کے ظاہری مفہوم سے منزہ جاننا ضروری ہے جیسا کہ تفسیر جمل میں مذکور کی ہے۔ پھر حقیقی مفہوم کو اللہ جل

جلالہ کے سپرد کریں، یہ تفویض ہے۔تفویض کی صحیح صورت یہ ہے کہ ظاہر معنی کی جس جہت سے اسے مخلوق کے لیے استعمال کرتے ہیں کلی کرنفی کی جائے اور اسے حقیقت کا انکار نہ سمجھا جائے حقائق اور ظواہر میں فرق ہے، ظاہر معنی کی نفی سے حقیقی معنی کی نفی نہیں ہوتی۔ وما یعلم تأویلہ الا اللّٰہ اسی لیے کہا گیا ہے ورنہ ظاہر معنی کو تو سبھی سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

جمل علی الجلالین میں ہے:۔

طریقة السلف الّذین یفوضون علم المتشابه الیٰ اللّٰه تعالی بعد صرفه عن الظاهر

اس سے پہلے اس میں یہ ہے کہ علماء اہلسنّت کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے ظاہر معنی یہاں ہرگز مرادنہیں ہیں۔

وعلماء السنّة بعد اجماعهم علی ان معانیها الظاهرة غیر مرادة

ترجمہ: علماء سنت کا اس پر اجماع رہا ہے کہ یہاں اس کے ظاہر معنی مراد نہیں ہیں۔

سو جو اہلحدیث (باصطلاح جدید) ان آیات صفات کو ان کے ظاہر معنی دیتے ہیں تو اہل سنت سے نکل جاتے ہیں اور فرقہ مشبہہ میں چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حدیث میں لفظ نزول بھی آتا ہے یہ لفظ نیچے اترنے کا معنی دیتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے نزول کے لیے حرکت اس کے لوازم میں سے ہے جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اس کے ظاہر معنی کی نفی لازم ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت ماننا پڑے گی، روح المعانی میں استویٰ علی العرش کی بحث میں ہے۔

ثم ان هٰذا القول ان کان مع نفی اللوازم و ان کان مع القول لها والعیاذ باللّٰه تعالیٰ فهو ضلا ل وجهل

ترجمہ: پھر یہ بات اگر ظاہری معنی کی نفی سے کہی جائے تو بے شک اس کی گنجائش ہے اور اگر اسے اس کے ظاہری معنی پر رکھیں تو اللہ اس سے بچائے یہ گمراہی بھی ہے اور جہالت بھی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

فسرته بحملی ایاه علی الکنایة عن التدبیر کما یریده قوله تعالیٰ فی بعض الایات بعد الاستواء یدبر الامر وانما حملته علیها لسهولة فهمه للعوام والذین......حج حمله علی الحقیقه و نفوض حقیقته الی اللہ (فتاویٰ الامدادیۃ، جلد ۶، ۵۲)

ترجمہ: میں نے اس کی تفسیر اسے کنایہ پر حمل کر کے کی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک مقام پر استواء کے ساتھ ہی فرمایا یدبر الامر من السماء الی الارض (پ۲۱، السجدہ ۵)

اس لیے محمول کیا کہ عام لوگوں کے لیے اسی کا سمجھنا آسان ہو اور بہتر یہی ہے کہ ان آیات صفات کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور ان کی حقیقت اللہ کے تفویض کی جائے وہی ان کی صحیح مرادات کو جانتا ہے۔

کنایہ میں حقیقی معنی کا انکار نہیں ہوتا اور مجاز میں حقیقت کا انکار ہوتا ہے اور لفظ اپنے ان معنی پر آجاتا ہے جن کے لیے اس کی وضع نہیں ہوئی۔

اہل تاویل ان کی تاویل کرتے ہوئے مجاز پر آجاتے ہیں، یہ درست نہیں تاہم متکلمین کو ہم اہل سنت سے باہر نہیں کرتے اور ان کے لیے ہم وہی رائے اختیار کرتے ہیں جو حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں ان کے بارے میں دی ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ بیشتر ائمہ دین نے مسلک تفویض اختیار کیا۔ جو اہلحدیث (باصطلاح جدید) ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی سے منزہ نہیں کرتے اور انہیں ان کے ظاہر معنی پر رکھتے ہیں اس سے وہ اہل تشبیہ کے عقیدہ کے بہت قریب ہوجاتے ہیں، تفویض میں انہیں ان کے ظاہر معنی سے منزہ جاننا ضروری ہے۔ افسوس کہ یہ سمجھ ان کے ہاں نہیں ہے فقہ کے انکار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے خیر کا ارادہ نہیں فرماتے۔

(۲) دوسرا ادب......صحت عمل

آیئے اب صحت عقائد کے بعد اس راہ کے مسافروں کے لیے صحت عمل کے پیمانے بھی لائیں کہاں تک انسان دنیا میں لگے اور کہاں تک وہ اللہ رب العزت کے بھروسے پر رہے۔ سو یاد رکھیے راہ احسان میں رہبانیت کی تعلیم نہیں، نہ دنیا میں اس قدر انہماک کی اجازت ہے کہ

روزی کے لیے کسب کو ضروری سمجھے۔ اس راہ کے مسافروں کے ہاں یہ مباح کے درجے میں ہے۔ جو خدا حضرت مریم کو بلا کسب رزق دیتا تھا وہ آج بھی جسے چاہے "ویرزقه من حیث لایحتسب" کا جلوہ دکھا سکتا ہے۔ مفتی عراقین امام اہل سلوک شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

۱۔ اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ مزدوری اور سوداگری کے اقسام اور پیشے اگر اس نیت سے اختیار کرے کہ ان سے مخلوق کے ساتھ راہ احسان میں قوت ملے اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ چیزیں روزی کے لیے ضروری ہیں تو یہ پیشے مباح ہیں۔ عاجز کے لیے آخری کسب بھیک مانگنا ہے (یہ اس کے لیے جائز ہے) لیکن جس کے پاس رات کا کھانا یا اس کی قیمت نقد موجود ہے یا وہ کسب پر قدرت رکھتا ہے اسے بھیک مانگنا درست نہیں۔ (آداب المریدین ص ۹)

۲۔ اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ فقر اختیاری جو اپنے رب کی رضا کے ساتھ ہو وہ تونگری سے افضل ہے۔ حضورؐ نے اسی کو اختیار کیا جب ان پر زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس صورتِ عمل سے پیش کی گئیں کہ اللہ کے پاس جو اُن کے لیے ہے اس میں سے مچھر کے برابر بھی کم نہ ہوگا، جبریلؑ نے آپ ﷺ کو اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں، حضورؐ نے عرض کیا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرا ہو اور دوسرا دن بھوکا رہوں اور جب بھوکا ہوں تیری طرف عاجزی کروں اور جب پیٹ بھرا ہوں، تیرا شکر اور ذکر کروں۔ مشائخ میں سے جو کوئی دنیا کی کسی چیز کو رد کرتا ہے تو حضورؐ کے اسی رد کو دلیل بناتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

اللّٰھم احینی مسکیناً و امتینی مسکیناً و احشرنی فی زمرة المساکین (ایضاً)

اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو فقراء و مساکین کے ساتھ صبر کرنے کا حکم کیا ہے۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداة والعشیّ یریدون وجھه ولا تعد عیناک عنھم ترید زینة الحیٰوة الدنیا (پ۱۵، الکھف ۲۸)

ترجمہ: اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اب رب کو صبح و شام، طالب ہیں اس کے منہ کے، اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان

کو چھوڑ کر کہ تو لگ جائے دنیا کی زینت میں، اور نہ کہا مان ان کا جن کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ خواہش نفس کے پیچھے لگے رہے۔

اہل ظاہر کا ایک استدلال اور اس کا جواب

اہل ظاہر اہل باطن کے اس موقف کے خلاف اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ''الید العلیاء خیر من الید السفلیٰ'' کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کا ہاتھ اس چیز کے نکالنے سے جو اس میں تھی (یعنی مال) بزرگی پاتا ہے۔ معلوم ہوا اس کا نکالنا ہی بہتر تھا اور نیچے کا ہاتھ اس چیز کے پانے سے نقصان پاتا ہے تو معلوم ہوا اس کا نہ لینا ہی بہتر تھا۔ اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ فقر اختیاری تونگری سے افضل ہے۔

۳۔ اس راہ کے مسافروں کا اس پر اتفاق ہے کہ جیسے روزی کی تلاش میں بڑی کوشش نہ ہو اور اسے اللہ کی ضمانت پر بھروسہ ہو تو اس کے لیے بڑا مرتبہ ہے اور بہتر وہی ہے کہ سب پیشے چھوڑ کر عبادت کے لیے فارغ رہے ہاں جب اس کے نزدیک تنہائی اور مجلس اور ملنا اور الگ رہنا ایک سا ہو اور وہ ہر حال میں اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہو تو اسے درست ہے کہ حاجت کے موافق کسب کرے۔

ایک بزرگ اپنے مرید کو کہتے تھے کہ روزی کی تلاش کا بہت خیال نہ کرو نہیں تو تم رازق کو تہمت لگانے والے اور اس کی ضمانت پر بھروسہ نہ کرنے والے ہو جاؤ گے۔

نسبت اسباب کے نہ ہونے کا بوجھ کم کر دیتی ہے

اللہ کے ساتھ جب دل صاف ہو جاتا ہے تو اسے (سالک کو) اس وقت شرعی تکلیفات کا بجا لانا بھاری نہیں لگتا۔ یہ بات نہیں کہ اس کے ذمہ سے یہ شرعی تکلیفات اٹھ جاتی ہیں، کسی سے گو وہ ہوا میں اڑے اور پانی پر چلے، بشریت جاتی نہیں رہتی ہاں اتنا ہوتا ہے کہ کبھی ضعیف ہو جاتی ہے اور کبھی قوی۔

صدیق لوگوں کا نفس کی غلامی سے آزاد ہو جانا جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ پر کوئی بوجھ نہ آیا، آپ صدیقوں کے پیشوا تھے۔ عارفوں سے بڑی بڑی مشقتیں لی جاتی رہی ہیں مریدوں میں دب جاتی ہیں۔ سالک کمال

کے احوال میں یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ مقرب فرشتوں کی صفت کو پہنچتا ہے۔ زمین اس کے لیے کھنچی جاتی ہے پانی پر چلتا ہے کبھی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ (آداب المریدین ص ۱۱)

اسباب کی طلب مقام تصوف کے خلاف نہیں

جو سالک اسباب کی زیادہ پروانہیں کرتا اس کا اچھائی کی طرف کھچا جانا اس کے مقام کے خلاف نہیں ہے، حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں:۔

اچھائی کی طلب اللہ کے لیے اس کے دوستوں سے محبت رکھنی اور اس کے دشمنوں سے عداوت کرنی ہے ایمان کی بڑی نشانیوں میں سے ہے جو احتساب کی شرطیں جانتا ہے اس پر فرض کفایہ ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ہاتھ زبان دل سے جو بن پڑے اچھے کام پر اسے ابھارے، برے سے روکے۔ (ایضاً ص ۱۱)

(۳) تیسرا ادب صحت احکام کا ہے

سالک کو صحت عقائد اور صحت عمل کے ساتھ صحت احکام بھی معلوم ہونے ضروری ہیں۔ سالک کے لیے شرعی احکام اور حلال وحرام کے فاصلے کو کسی کے بتلانے سے ہوں، جاننا ضروری ہے۔ پھر اختلاف کا ایک ایسا درجہ بھی ہے جسے سالک رحمت سمجھے اس راہ کے مسافر اس اختلاف کا انکار نہیں کرتے جو علماء دین میں فروع کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ ایک عارف سے پوچھا گیا وہ کون سے عالم ہیں جن کا اختلاف رحمت ہے اس نے کہا:۔

وہ لوگ جو کتاب اللہ سے چنگل مارنے والے، رسول اللہ کی اطاعت میں کوشش کرنے والے اور صحابہؓ کی پیروی کرنے میں بھی۔ (ایضاً ص ۱۴)

معلوم ہوا صحابہؓ کی پیروی سے انکار کرنے والے کبھی حق پر نہیں سمجھے جا سکتے۔ صحابہؓ کے اختلاف میں ایک کی پیروی اور دوسرے کی برداشت، یہ ان میں سے کسی کی مخالفت نہیں، اجتہادی مسائل میں خطا کرنے والا اللہ کے ہاں ایک اجر پاتا ہے اور صحیح بات پانے والے کو دو اجر ملتے ہیں۔ سو ان میں سے کسی کو باطل پر نہ سمجھنا چاہیے۔

محدثین اور فقہاء میں سے کس کو فائق سمجھے؟

شیخ لکھتے ہیں:۔

محدثین دین کے نگہبان ہیں اور فقہاء کو علم اصحاب حدیث سے لیتے ہیں، ان سے اس جہت سے افضل ہیں کہ معنی کی سمجھ بوجھ زیادہ رکھتے ہیں اور حدیث کی دلالت سے مسائل کو استنباط کرتے ہیں اور باریک نظر سے خوب غور کر کے احکام اور عبادت کی حدود ترتیب دیتے ہیں۔ ناسخ و منسوخ مطلق و مقید مجمل و مفسر، خاص و عام اور محکم و متشابہ میں تمیز کرتے ہیں، سو یہ لوگ دین کے حاکم اور نشان ہیں۔

ہر علم میں اس کے ائمہ کی طرف رجوع کرے

اہل تصوف میں ضد نہیں ہوتی وہ دور از کار تاویلیں نہیں کرتے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں:۔

جس پر کوئی مسئلہ ان تینوں علوم مذکورہ (حدیث، فقہ، تصوف) سے مشکل پڑے تو اسے ضرور ہے کہ وہ اس علم کے ائمہ کی طرف رجوع کرے۔ جس پر حدیث کے علوم سے کوئی چیز مشکل ہو وہ حدیث کے ائمہ سے پوچھے جس پر کچھ فقہ کے دقائق سے مشکل ہو وہ فقہ کے ائمہ سے پوچھے، جس پر کچھ احوال ریاضات پرہیزگاری کے دقائق اور متوکلین کے مقامات سے کچھ مشکل ہو وہ ائمہ تصوف سے پوچھے۔

ائمہ تصوف کی صحبت میں کس طرح مسائل کھلتے جاتے ہیں

ائمہ تصوف کی تربیت سے سالک کن کن حالات سے اور مقامات سے گزرتا ہے اور ان میں اصلاح لیتا ہے، حضرت شیخ نے ان میں سے بعض کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

صوفیہ کے لیے ان علوم کے سوا جن کا ذکر ہوا اور علوم عالیہ اور علوم شریفہ بھی ہیں جو معاملات کے اسرار کو اور حرکات و سکنات کے عیبوں اور ان کے اپنے اپنے مقامات کو بیان کرتے ہیں مثلاً توبہ، دنیا سے بے رغبتی، حرام شے سے نفس کو روکنا، رضا بر قضا، توکل، محبت، عذاب و حجاب کا ڈر، ثواب کی امید اور اللہ کے ملنے کی امید، اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا اللہ کو دیکھتے ہیں، اللہ کے ذکر و فکر سے آرام پانا، اللہ کے دیئے پر قناعت، صدق، اخلاص، شکر، ذکر دائمی، اللہ کی ذات و صفات اور مصنوعات میں فکر کرنا، اپنے اعمال کا حساب اور اپنے اقوال کی نگہبانی اور زمانے کے حوادث سے نصیحت پکڑنا، بہت ہی ڈرنا، اللہ کے امر کی تعظیم، اللہ کی مخلوق پر شفقت، تقصیرات پر ندامت، اللہ سے حیاء، اس کی منہیات میں نہ دیکھے، اللہ کے ذکر و فکر سے خاطر کو جمع

کرنا، سوائے اللہ کے ہر چیز سے الگ ہونا، نفسانی لذات کی فناء، سب حال میں اللہ کے ساتھ بقا۔ نفس کے برے اخلاق اور اس کی بری صفات کو پہنچاننا۔ نفس کے مجاہدات اور ریاضات، ریاء کے دقائق۔

شرک خفی اور شہوت خفیہ سے نفس کی خلاصی

شرک خفی شہوت خفیہ زندگی کی بڑی آفات ہیں ان سے خلاصی اس راہ میں ہی میسر آتی ہے۔ اسی طرح صوفیہ کرام نے ان مسائل کو جو فقہاء پر مشتبہ تھے ڈھونڈ نکالا جیسے عوارض و عوائق اذکار کے، توحید خالص کے حقائق، تعزیہ کی منازل، باطن کی خطائیں، قدیم کے وجود اور بقاء کے لحاظ سے حادث کو معدوم جاننا۔ (اس سے وحدۃ الوجود کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے)

احوال کا عبور

> متفرقات کا جمع کرنا نفس کے اغراض سے اعراض کرنا اعتراض کو چھوڑنا...... صوفیہ کہ سیر سلوک میں چلتے ہیں اور ارباب حال کا ذوق رکھتے ہیں اور اپنی اصلاح کے دینے میں جلدی کر۔تے ہیں، ان سب مقامات کے حالات اور لطائف مذکورہ کی مشکلات پہنچاننے کے ساتھ مخصوص ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی حال کا ان حالات سے دعویٰ کرتا ہے تو اس سے اس حال کے ظاہری اور باطنی دلائل مانگتے ہیں اور صحیح اور غیر صحیح میں کلام کرتے ہیں سو یہ لوگ دین کے ارکان اور مددگار اور نگہبان بنے۔ (آداب المریدین ص ۱۶)

اس سے پتہ چلا کہ تصوف میں اپنے آپ کو ایک حال پر نہ سمجھنا چاہئے اس کے اپنے مقامات اور لطائف ہیں اور شیخ کامل کی رہنمائی اور تربیت کے بغیر کسی کو ان وادیوں سے بسلامت نکلنا نہیں ملتا۔

(۴) چوتھا ادب صحت باطن کا

ظاہر کی صحت تو ہر شخص ڈھونڈتا ہے اس راہ کے مسافر صحت باطن پر بھی پوری محنت کرتے ہیں۔ مذہب کے ظاہر و باطن اس کے دو پہلو ہیں انہیں شریعت و طریقت بھی کہا جاتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ فقہ کے مطابق عمل کرے اور باطن یہ ہے کہ تصوف کے احوال و مقامات

سے گزرے۔ فقہ پر تقلیداً بھی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن تصوف میں شیخ کامل اپنے مریدین کو احوال ومقامات سے واقفہ گزارتا ہے، ادب کا جتنا لحاظ تصوف میں کیا جاتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شعبہ زندگی میں ہو۔ اس امت کی تو ابتداء ہی شرف صحبت سے ہوئی اور اس کے پہلے مریدین حضور کی صحبت میں نہایت دبی آواز سے بیٹھتے تھے اور ادب ان کے دلوں میں گھسا ہوا تھا۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ اولٰئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم

(پ ۲۶، الحجرات ۳)

ترجمہ: جو لوگ حضورؐ کے پاس دبی آواز میں بولتے ہیں وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے ادب کے واسطے۔ ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا۔

حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں:۔

تصوف سب کا سب ادب ہے، ہر وقت کے لیے ادب ہے، ہر حال کے لیے ادب ہے، ہر مقام کے لیے ادب ہے۔ جو ادب سے چمٹا ہے اس راہ کے مردوں کے کمال کو پہنچا، جو ادب سے محروم ہے وہ اللہ کی بارگاہ سے دور ہے۔ جو وقت کے مناسب ادب نہیں کرتا وہ وقت اس کے حق میں برا ہے۔ نفس کا ادب یہ ہے کہ پہلے اسے نیکی سکھلائے پھر اسے اس پر ابھارتا رہے اور اسے بدی بھی بتلا دے پھر اس سے روکتا رہے۔ ادب فقیروں کی سنت اور دانشمندوں کی زینت ہے۔

اس راہ کے کامیاب لوگوں کے آداب کیا ہیں انہیں حضرت شیخ کے الفاظ میں سنیے:۔

دلوں کی نگہبانی، اسرار کی رعایت، ظاہر و باطن کا ایک سا ہونا، مریدوں کی بزرگی شیخ کے عمل کی رو سے ہے، متوسطین کی بزرگی ادب کی رو سے ہے عارفوں کی بزرگی ہمت کی رو سے ہے۔ ہمت یہ ہے کہ تیرا نفس تجھے بڑے بڑے درجے کے کاموں پر ابھارے۔ ہر مرد کی قسمت اس کی اپنی ہمت ہے۔ (آداب المریدین ص ۱۸)

مشائخ کے اختلاف کو بہت کم لوگ سمجھ پائے ہیں ان میں اختلاف حقیقی نہیں ہوتا۔ حالات کے اختلاف سے ان کے جوابات کبھی مختلف ہوتے ہیں جو شخص ان مقامات کو جانتا ہو

وہ کبھی ان میں کوئی اختلاف محسوس نہیں کرتا۔حضرت شیخ لکھتے ہیں:۔

احوال کے اختلاف کے سبب مشائخ کے جواب مختلف ہیں ہر کسی نے اپنے (۱)حال کے موافق یا(۲) سائل کے مقام کے مطابق جواب دیا ہے، اگر معرفت میں منتہی تھا تو حقیقت کی رو سے سب قولوں میں یہ قول ظاہر پر ہے۔

تصوف کا اول علم ہے۔اس کا وسط عمل ہے۔اوراس کا آخر اللہ کی بخشش اور عطا ہے۔

(۱)علم مرید کی مراد کھولتا ہے(۲)عمل توفیق کی طلب پر مدد کرتا ہے(۳) اور اللہ کی عنایت اسے مراد تک پہنچا دیتی ہے۔

اس راہ کے مسافروں کے تین طبقے ہیں۔(۱) پہلا مرید جو اپنی مراد کو طلب کرتا ہے (۲) دوسرا متوسط جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے (۳) تیسرا منتہی جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا...... مرید اپنے وقت کا، متوسط اپنے حال کا اور منتہی اپنے سانس کا نگہبان ہے۔ پاسِ انفاس سب احوال سے افضل ہے۔

(۱) مرید کا کام مجاہدے کرنا، ریاضات وعبادات سے مشقت اٹھانا، صبر کے تلخ تلخ گھونٹ پینا، شہوتوں لذتوں اور اس چیز سے جس میں نفس کا فائدہ ہے الگ رہنا ہے۔ (۲)متوسط کا کام مرادوں کی طلب میں سختیاں اٹھانا، اقوال و افعال میں سچا رہنا، کمال کے مقامات میں ادب برتنا۔(۳)منتہی کا مقام ہوشیاری، تمکین، جس جگہ میں حق بلاوے وہاں حاضر ہونا ہے۔ اس کے لیے سختی، نرمی، منع، عطا، جفاو وفا سب یکساں ہیں، کھانا اس کا ایسا ہے جیسے بھوک، نینداس کی ایسی ہے جیسے جاگنا، شہوات نفسانی اس کی مٹ گئی ہوں صرف حقوق باقی رہ گئے ہوں۔(ایضاً ص ۱۷)

اس پر ہم حضرت علی ہجویریؒ اور امام غزالیؒ کے ارشادات پہلے باب میں ذکر کر آئے ہیں۔

(۵) پانچواں ادب...... صحت عبادات

شریعت میں صحت عبادات فقہ پر موقوف ہے مگر طریقت میں صحت عبادت کا ایک دوسرا نقشہ ہے جو ان بزرگوں نے پیش کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں نماز کا ایک اپنا مقام توحید ہے، زکوٰۃ کا ایک اپنا مقام اخلاص ہے، روزے کا ایک اپنا مقام احساس ہے، حج میں

ایک اپنی فدائیت کا انداز ہے۔

(۶) چھٹا ادب......صحت معاملات

(۱) صحت عقائد (۲) صحت عمل (۳) صحت احکام اور (۴) صحت باطن کے بعد پانچواں ادب صحت عبادت کا اور چھٹا ادب صحت معاملات کا ہے، چاہیے کہ سالک کے دل میں تصوف کی صفائی اس طرح اترے کہ جس شخص سے اس کا معاملہ ٹھہرے وہ محسوس کرے کہ یہ اللہ رب العزت سے دل کی صفائی کی نعمت پا چکا ہے۔

سالک کی صحت معاملات

معاشرے میں زیادہ خرابیاں خراب معاملات سے ہوئی ہیں۔ معاملات کیسے خراب ہوتے ہیں (۱) دوسروں کے مال پر نظر رکھنا (۲) دوسروں سے بلا ضرورت ادھار لینا (۳) ادھار لے کر واپس نہ دینا (۴) امانت واپس نہ کرنا (۵) بلا اجازت دوسروں کے حق میں تصرف کرنا (۶) زمینوں پر ناجائز قبضے (۷) قبضہ گروپوں سے سمجھوتے (۸) کرایہ داروں کے دعوے ملکیت وغیرہ۔

ان تمام خرابیوں کے پیچھے مال کی محبت کارفرما ہے۔ اہل تصوف بڑی محنتوں سے اپنے دلوں کو ماسویٰ اللہ کی محبت سے فارغ کرتے ہیں۔ جن چیزوں کی محبت کی جاسکتی ہے وہ ان سے بھی اپنے دل کو فارغ کر لیتے ہیں سو یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ کسی حیلے سے وہ دوسروں کا حق دبائیں۔

اسی طرح معاشرے میں کچھ خرابیاں جاہ و مرتبے کی مسابقت سے واقع ہوتی ہیں۔ تصوف میں جس طرح حب مال کو دل میں نہیں بسایا جاسکتا حب جاہ نکلے بغیر خدا کی محبت بھی کسی دل میں نہیں اترتی، سالک اپنی عزت کو ایک خدا کی عزت کے مقابل کچھ نہ سمجھے۔ ان العزة لله جميعاً کسی دوسرے کو خدا نے جو عزت دی ہے اس سے حسد نہ کرے۔ کتنی باہمی دشمنیاں انسان میں اس لیے آجاتی ہیں ہیں کہ وہ حب جاہ کا مریض ہے اور دوسروں کو گرا کر اپنی شخصیت بناتا ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح بھی اہل تصوف میں شمار نہیں کیے جاسکتے۔ تصوف میں ہی ایک ایسی راہ ہے جس سے حب مال، حب جاہ جیسے مرض دلوں سے نکالے جاسکتے ہیں۔

اس طرح معاشرے میں بہت سی خرابیاں غلط شہوات کی تکمیل سے وجود میں آتی

ہیں، ان بیماریوں کی صف بری مجالس میں بچھتی ہے، تصوف انسان کو بری مجالس سے نکال کر نیک مجالس میں لاتا ہے۔ انسان کا جب اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا اچھے لوگوں میں ہوجائے تو انسان اچھے لوگوں کے سامنے اتباع شہوات سے بچنے کی کوشش کرے گا اور پھر یہ ظاہری پرہیز اور تقویٰ اسے برائیوں سے حقیقی پرہیز اور حقیقی تقویٰ کی طرف لے جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا تصاحب الا مومناً ولا یاکل طعامک الا تقی

ترجمہ: تو یقین کیے لوگوں کے سوا کسی کو ہم نشین نہ بنا، بے دین لوگ تیرے دسترخوان پر نہ پہنچیں۔

کسی نے جنید بغدادیؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی پوچھے:۔

لا یسئلون الناس الحافاً (البقرہ ۲۷۳)

ترجمہ: وہ نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر۔

آپ نے جواب دیا:۔

ان کو ان کی عالی ہمتی اس بات سے روکتی ہے کہ وہ اپنی حاجات کو اپنے مولا کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر کریں۔

تصوف جس طرح اس راہ کے مسافروں کے اعمال سنوارتا ہے ان کے معاملات بھی سنوارتا ہے۔ بزرگی صرف عبادات اور تسبیحات سے نہیں دیکھی جاتی اس کے لیے دلوں کے اندر بھی جھانکا جاتا ہے اور کسی کے اندر کی برائی اس کے معاملات جانے بغیر کبھی باہر نہیں آئی۔ سو جس شخص کو دیکھو کہ وہ معاملات میں اچھا نہیں اس کے بارے میں یقین کرو کہ وہ اہل تصوف میں سے نہیں گو وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان مجالس میں کبھی آدھمکتا ہو، ایسے لوگ خدا کی حضوری میں جگہ نہیں پاسکتے۔

پیروں کے بارے میں بعض علماء سوء نے مشہور کر رکھا ہے کہ ان پر اپنے لیے رزق کمانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر انہیں نذرانے مل جائیں کہ ان کی گذر اوقات اس سے ہو جائے تو اب ان پر کسب معاش ضروری نہیں۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ شیخ المشائخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حلال کی طلب سب مسلمانوں پر فرض ہے اور صوفیوں پر

خاص کر کے ...... اس حلال کا چھوڑنا بھی جو کفایت کی مقدار سے زیادہ ہو، فرض ہے۔ پھر جو فرض کہ اس نے ضائع کیے ہیں انہیں بجا لاوے پھر مظالم کو جو اس کے ذمہ ہیں ان کے اہل کی طرف رد کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

رد دانق حرام یعدل عند الله سبعین حجة مبرورة او کما قال النبیؐ ﷺ

ترجمہ: دانق برابر حرام چیز کو اس کے مالک کو واپس کرنا اللہ کے نزدیک ستر حج مقبول کے برابر ہے۔

تصوف کی کتابوں میں ایسی روایات بہت ملتی ہیں جو محدثین کی میزان پر تولی نہیں جاتیں یہ زیادہ اہل حال ہوتے ہیں لیکن اس کا حاصل قال کی روح سے متصادم نہیں ہوتا۔

جو بزرگ اپنے مریدوں کو معاملات کی صفائی کی طرف توجہ نہیں دلاتے اور کہتے ہیں کہ صرف ان کے لیے ذکر کی مجلسیں آخرت کی سرخروئی کے لیے کافی ہیں وہ ہرگز اہل تصوف سے نہیں ہیں، ایک بزرگی کا روپ ہے جو انہوں نے سبز پگڑیوں کی یا لمبے کرتوں کی صورت میں اپنے اوپر ڈال رکھا ہے۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار ...... أفرس تحت رجلك ام حمار

ترجمہ: جب پردہ اٹھے گا تو تو دیکھ لے گا کہ تیرے نیچے گھوڑے کی سواری تھی یا گدھے کی۔

معاملات میں صرف ظاہر شریعت کو نہ دیکھے

سالک کو زیبا نہیں کہ اس کا کوئی معاملہ شریعت کے خلاف ہو لیکن زندگی میں بہت سے ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ انسان ظاہر میں اسے جائز پاتا ہے لیکن اندر سے وہ اس میں ایک غلط امید باندھے ہوئے ہے۔ حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ ہم ظاہر شریعت کے لحاظ سے فتویٰ دیں گے کہ درست ہیں لیکن وہ معاملہ کرنے والا خدا کی لعنت میں مبتلا ہوگا یہ وہ معاملات ہیں جن میں مسلمانوں کو رنج و نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ (کیمیائے سعادت ۱۴۶)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

جو شخص چالیس دن اس نیت سے غلہ رکھے کہ گراں ہونے پر فروخت کرے اگر وہ تمام اناج صدقہ میں دے دے تو تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا اور جو شخص چالیس دن اناج کو (لوگوں سے) روکے رکھے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بے زار ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں۔

جو شخص چالیس دن اناج کو لوگوں سے روکے رکھے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

آپ کو ایک شخص نے ایک محتکر کے اناج کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے آگ لگا دو۔

جو شخص پہلے غلہ خریدتا ہے اور اس خیال سے خریدتا ہے کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کروں گا اور پھر وہ اسے اس گراں قیمت پر بیچتا ہے تو اس نے خرید وفروخت میں شریعت کے کسی قانون کی مخالفت نہیں کی مگر ایک بری نیت تھی جو اس کے دل میں سمائی تھی اس بری نیت سے اس نے ضرر خلق سے کام لیا۔ اہل طریقت کبھی یہ جرأت نہیں کریں گے کہ کوئی ایسا کام کریں جس سے عام مخلوق کو ضرر پہنچتا ہو۔ حضورؐ نے اسے جس پیرایہ میں بیان فرمایا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے ساتھ جب تک طریقت نہ ہو شریعت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

رہا معاملہ زمیندار اور کسان کا کہ وہ جب چاہے فروخت کرے اس کے لیے واجب نہیں کہ جلدی فروخت کرے، اس صورت میں وہ اپنی محنت کی زیادہ قیمت لے رہا ہے اس نے یہ مال کسی سے خریدا نہیں کہ جب یہ گراں ہوگا تو وہ اسے فروخت کرے گا یہ مذکورہ بالا حدیث کی زد میں نہیں آتا لیکن راہ سلوک کے مسافر اسے بھی اچھا نہیں سمجھتے۔

> دہقان جس کے پاس اناج ہو وہ خاص اس کا ہے جب چاہے فروخت کرے اس کے لیے یہ واجب نہیں کہ جلدی فروخت کرے لیکن اگر وہ بھی تاخیر نہ کرے تو بہتر ہے اگر اس کے باطن میں یہ رغبت ہو کہ اناج گراں ہو جائے تو اس کی یہ رغبت مذموم ہے۔ (ایضاً ۱۴۷)

نوٹ: انسانی زندگی خوراک پر قائم ہے اور اس سے آدمی کا قیام ہے نہ روک رکھنے کا حکم اس سے خاص ہے اگر کوئی شخص لوہا اور اینٹوں کو اس لیے جمع رکھے کہ انہیں گرانی وقت پر بیچے تو یہ وہ اشیاء ہیں جن کی عام آدمی کو حاجت نہیں۔ اگر کوئی ایسا مال تجارت جمع کرے تو اس کی اجازت ہے۔

مشائخ طریقت کی ان امور پر نظر ہونی چاہیئے کہ ان کے ارادتمندوں کے لین دین

کے معاملات کیسے ہیں اور وہ دوسروں کے ساتھ حقوق اور ادائے قرض میں کیسے ہیں وہ ان کی مناسب تربیت اور رہنمائی کریں انہیں صرف ذکر پر لگائے رکھنا اور یہ بتلانا کہ اب ان کا تعلق خدا سے قائم ہوگیا ہے طریقت کی راہ میں ایک بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ انسان عبادات کی راہ سے خدا کے قریب اتنا نہیں ہوتا جتنا وہ معاملات کی درستگی سے اللہ رب العزت کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

اس دور کے ائمہ تصوف میں حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اپنے ارادت مندوں کے معاملات کی اصلاح پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کی کتاب ''حیات المسلمین'' ایک تصوف کی کتاب ہے جو آپ نے اپنے مریدین کی اصلاحِ معاملات کے لیے لکھی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

صحت امور عامہ

اس راہ کے مسافر اپنی عام عادات میں بھی حضور خداوندی میں رہنے کی پوری سعی کرتے ہیں زبان ہو یا کان اور آنکھ ہو یا ہاتھ اور پاؤں ہو یا دل، کسی میں وہ تصوف کی پٹڑی سے نہیں اترتے۔ شریعت کی زبان میں اسلام کی تعریف وہ ہے جو حضورؐ نے حضرت جبریلؑ کو بتائی لیکن طریقت کی زبان میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

(رواہ البخاری عن عبداللہ بن عمرو)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے بچے رہیں۔ (سلامتی میں رہیں)

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح شریعت کی راہیں کا پتہ حضور سے ملتا ہے طریقت کی راہیں بھی آپؐ سے ملتی ہیں۔

طریقت کی یہ بات شریعت کے خلاف نہیں اس سے ایک آگے کی منزل ہے جیسے سونے پر سہاگہ یہ وہ مقام ہے جب اسلام علامات سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔

سو اگر کسی شخص کی زبان یا اس کے ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کی عزت یا اس کا مال یا اس کی جان محفوظ نہیں تو کسی دیندار مسلمان کو زیبا نہیں دیتا کہ وہ اسے اہل تصوف میں

شمار کرے۔ مسلمانوں کی جانیں، ان کے مال اور ان کی عزتیں ایک دوسرے کے لیے اسی طرح لائق احترام ہیں جس طرح عرفات کا دن اور ارض حرم جب وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹیں ان کی عزتیں لوٹیں اوران کے مال بلا استحقاق دبائیں تو وہ کس طرح اللہ کے ہاں کسی قرب میں جگہ پاسکتے ہیں۔

ا۔ زبان ادب سے محروم رہے تو اس کی سزا کیا ہوگی؟

سارے بدن کا بوجھ زبان پر ہوگا اور ایسے لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ زبان دانتوں میں کٹ رہی ہوگی۔ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

هل يكب الناس علىٰ مناخرهم الاحصائد السنتهم

ترجمہ: لوگوں کو (آگ میں) اوندھے منہ، ان کی زبانوں کی کاٹ سے ہی گرایا جائے گا۔

یہ اس لیے کہ انہوں نے کیوں اپنی زبانوں کو گالی، بدزبانی، غیبت، چغلی، جھوٹی قسموں اور جھوٹی شہادتوں سے آلودہ کیا۔ تصوف کی راہ میں چلنے والے اپنی زبانوں کو ان تمام آلودگیوں سے بچا کر چلتے ہیں۔

۲۔ کان کا ادب بری باتوں کو سننے سے بچنا ہے

اہل تصوف کے کان کسی فحش اور بے ہودہ بات کو نہیں سنتے۔ گانے کی آواز کان میں پڑے وہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ چلتی بس میں گانا لگائیں تو ان کا ایمان بول پڑتا ہے گانے کو بند کیجیے۔ یہ کان کو منکرات سے بچاتا ہے۔

۳۔ آنکھ کا ادب بے حیائی کے ہر منظر سے پرہیز کرنا ہے

اہل تصوف لوگوں کے عیوب تلاش نہیں کرتے۔ کوئی برا عمل نظر پڑے تو فوراً نظر پھیر لیتے ہیں، تصویروں کو نہیں دیکھتے جو غیر محرم عورت ان سے پردہ نہ کرے اس کے سامنے آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، کان آنکھیں اور دل قیامت کے دن سب اپنی اپنی جگہ مسئول ہوں گے۔

قرآن کریم میں ہے۔

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولاً

(پ ۱۵، بنی اسرائیل ۳۶)

ترجمہ: بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔

آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔ سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے اور عمل درآمد شروع نہ کردے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا یہ سب صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔

۴۔ دل کا ادب یہ ہے کہ وہ ہر بری خواہش سے بچے

اہل تصوف کے دل خشوع و خضوع سے ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔ نماز بہترین اعمال اسلام ہے، اس میں ان کے دل خدا کے آگے کس طرح جھکے ہوتے ہیں دیکھئے قرآن کریم میں:

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون

(پ۱۸ المومنون)

ترجمہ: مومن فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خدا سے ڈرے رہتے ہیں۔

مومن اپنے دل میں اللہ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں پر غور کرے تو وہ خدا کو پالیتا ہے۔ **یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض** ان کی شان میں وارد ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا:

الا انّ فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح بصلاحھا سائر الجسد واذا فسدت فسد بفسادھا سائر الجسد الا وھی القلب

ترجمہ: خبردار رہو انسانی جسد میں گوشت کا ایک ایسا لوتھڑا ہے وہ درست رہے تو سارا جسد اس کی درستگی سے درست رہتا ہے اور اس میں اگر کوئی خرابی آجائے تو سارا جسد اس کی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

۵۔ ہاتھ کا ادب یہ کہ بخشش کو اس سے پھیلاؤ ملے

اور یہ کہ کسی کی طرف ظلماً نہ بڑھے انسان کو اس کے وسیلہ سے روزی نصیب ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے **کان یاکل بعمل یدیہ** آپ اپنے ہاتھوں اپنی

روزی کماتے تھے۔ آنحضرت نے مردوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی قرآن میں آپ کے ہاتھ کے اس اعزاز کو یداللّٰہ فوق ایدیھم سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضور نے ازواج مطہرات میں فرمایا مجھے ان میں سے سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی ملے گی، اطولکن یداً لمبے ہاتھ سے مراد بخشش میں پھیلنے والا ہاتھ ہے نہ کہ جو صرف پیائش میں لمبا ہو۔

۵۔ پاؤں کا اللہ کے حضور یہ ادب ہے کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلے

سالک اپنے ایک ایک عضو میں اللہ کے آگے سراپا جھکا ہوتا ہے۔ سب اعضاء مل جائیں تو بندہ بنتا ہے اب وہ پورے بدن سے سراپا عبادت ہے اس کا ہر عضو اپنی جگہ پوری عبدیت سے اللہ کے حضور جھکا ہوا ہے قرآن کریم میں اس بندے کا چلنا پھرنا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

لا تمش فی الارض مرحاً انّک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (پ۱۵، بنی اسرائیل ۳۷)

ترجمہ: زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ تو ہرگز پھاڑ نہ ڈالے گا زمیں کو اور نہ پہنچے گا اونچا ہونے میں پہاڑوں تک۔

۶۔ لباس کے آداب

اسلام میں ہر وہ لباس جس سے تکبر اور فخر محسوس ہو جائز نہیں۔ پھر راہ سلوک کے مسافر تو اور بھی تواضع میں رہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:۔

من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللّٰہ یوم القیٰمۃ ثوباً مثلہ ثم تلھب فیہ النّار (سنن ابی داؤد جلد۲، ص۲۰۲ کتاب اللباس)

ترجمہ: جس نے دکھائی دینے والا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ویسا لباس ہی پہنائیں گے پھر وہ جہنم میں شعلہ بنے گا۔

من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللّٰہ یوم القیٰمۃ ثوب مذلۃ

ترجمہ: جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔

جو شخص اپنی شلوار یا چادر زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ کریں گے۔ حضورؐ نے فرمایا:

الذی یجر ثوبہ من الخیلاء لاینظر اللّٰہ الیہ یوم القیٰمہ (ایضاً ۲۵۵)

اہل طریقت کبھی فخر و شہرت کے کپڑے نہیں پہنتے۔ سفید کپڑے کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ یہ رنگ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تاہم اس میں فخر و شہرت کا کوئی پہلو نہیں۔ شیخ المشائخ حضرت ضیاء الدین سہروردیؒ اس راہ کے مسافروں کے لیے لکھتے ہیں:۔

(۱) موٹے (۲) پرانے (۳) پیوند لگے کپڑے پر اکتفا کرنا تین وجہ سے بہتر ہے۔

(۱) حضرت نے فرمایا ہے **ما قل و کفٰی خیر مما کثر و الھٰی** جو چیز تھوڑی ہو اور کفایت کرے وہ اس چیز سے جو بہت ہو اور غفلت میں ڈالے اچھی ہے۔

(۲) کپڑوں کا تکلف دنیا کی ان چیزوں سے ہے کہ ان کے حلال پر حساب اور حرام پر عذاب ہے۔

(۳) حضور ﷺ نے فرمایا ہے:۔

من ترک لبس ثوب جمال و ہو یقدر علیہ تواضعاً کساہ اللّٰہ حلۃ الکرامۃ (سنن ابی داؤد جلد۲، ص۳۰۳)

یعنی جو قدرت رکھتا ہے زینت کے کپڑوں کی اور چھوڑے گا اسے تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کرامت کا لباس پہناوے گا۔

> پیوند لگے کپڑے کو کئی وجہ سے پسند کرتے ہیں بہت تھوڑا پھٹتا ہے، تواضع کے بہت قریب ہے، شریر لوگ اس کا لالچ نہیں کرتے، باطن کے فساد اور تکبر کو روکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے حضورؐ نے حکم فرما دیا تھا کہ کرتے کو جب تک پیوند لگا کے نہ پہن لو تب تک دے نہ پھینکو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے کپڑے میں پیوند لگاتے تھے۔ (آداب المریدین ص ۱۲ ملخصاً)

آگے آپ نے ص ۴۷ پر لباس کے آداب میں ایک فصل باندھی ہے اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وثیابک فطہّر** یعنی اپنے کپڑے پاک رکھ اور کہا گیا ہے کہ طہّر کے معنی قصّر ہیں کہ اپنے کپڑوں کو کوتاہ کر۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

انّ اللّٰہ یحب کلّ مبتذل لا یبالی مالبس

ترجمہ: بے شک اللہ دوست رکھتا ہے ہر عام کپڑے والے کو جو پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنا۔

سو یہ کپڑے تو ان چیزوں سے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی چیزوں سے نکال دیا۔ اور فرمایا کہ یہ دنیا سے نہیں حضورؐ نے فرمایا۔

ثلٰثۃ یدخلون الجنۃ بغیر حساب ا۔ رجل غسل ثوبہ فلم یجد خلفاً ۲۔ و رجل لم ینصب علٰی مستوقدہ قدران ۳۔ و رجل دعا بشرابہ فلم یقل ایھا ترید

ترجمہ: تین آدمی بہشت میں بے حساب جائیں گے۔ (۱) ایک تو وہ مرد جس نے اپنا کپڑا دھویا اور اس کی جگہ دوسرا نہ پایا۔ (۲) دوسرا وہ مرد ہے کہ اس کے چولہے پر دو ہنڈیاں نہیں چڑھائی گئیں۔ (۳) تیسرا وہ مرد ہے کہ پینے کے لیے مانگتا ہے۔ اور اسے یوں نہیں کہا جاتا کہ کون سا مشروب چاہتے ہو۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز دو نہیں رکھتے تھے۔

(ایضاً ص ۴۸)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں بعض صوفیہ کا مختار یہ ہے کہ احرام والے کی طرح دو کپڑوں پر اکتفا کریں۔ آپ نے آگے اس کی اور بھی تفصیل کی ہے یہاں ہم اسی اختصار پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپؒ اس سے پہلے ص ۴۴ پر سالک کے لیے سفر کے آداب ذکر کر آئے ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ نے بھی کشف المحجوب میں سالک کے آداب سفر بیان کیے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ تصوف سب ایک جگہ سے بولتے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ نے سالک کے نکاح اور تجرد کے احکام پر بھی کچھ بحث کی ہے۔ تو حضرت سہروردیؒ نے بھی ص ۵۹ پر سالک کے نکاح پر ایک فصل لکھی ہے۔ حضرت سہروردیؒ نے آگے مانگنے کے آداب پر ص ۶۰ میں ایک گفتگو فرمائی ہے اور موت کو یاد کرنے کے کچھ آداب ص ۶۴ پر لکھے ہیں۔ یہ آخری دو باب ہمیں کشف المحجوب میں نہیں ملے لیکن ان کا اجمال متفرق طور پر اس میں بھی ملتا ہے۔

ان تمام صوفیہ کرام کا چشمہ فیض ایک ہی ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے اوراد و اذکار کی تین انواع پر بھی مستقل اصلیں لکھی ہیں۔ پہلی سات اصلوں میں آپ حضرت علی ہجویریؒ کے ساتھ چلے ہیں۔ آپ کی آخری تین اصلیں یہ ہیں:

اصل ہشتم — تلاوت قرآن مجید کے بیان میں

اصل نہم — ذکر و دعا کے بیان میں

اصل دہم — ترتیب وظائف کے بیان میں

آپ نے تین اصل مزید ذکر کیے ہیں سالک کو چاہیے کہ ان بڑے بڑے تمام رجال تصوف کی ان کتابوں کو مطالعہ میں رکھے اور تصوف کے احوال و مقامات کے باب میں مندرجہ ذیل آداب کو کیمیائے سعادت میں دیکھے اور ان حدود کا پورا احترام کرے۔

(۱) آداب سماع کے بیان میں (۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں

(۳) آداب بادشاہی اور رعیت پروری کے باب میں

حضرت امام غزالیؒ نے جس طرح اس فن کو مہلکات اور منجیات میں نکھارا ہے وہ آپ کا ایک اپنا مخصوص انداز ہے اور وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ)، حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ)، حضرت الشیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) کے آداب اور تصوف کی زندگی کے مختلف ابواب آپ کے سامنے آچکے۔ اب آپ اس دور اول کے چوتھے بزرگ جو اپنے زمانے کے سرتاج اولیاء تھے اور ان کا قدم اس وقت کے تمام اہل ولایت کی گردنوں پر رہا ہے ان سے بھی کچھ آداب ارادت معلوم کر پائیں۔ یہ پیران پیر قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۶۳۲ھ) ہیں۔

آداب ارادت......حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے الفاظ میں

ارادت کیا ہے؟

جس غلط کام کی عادت پڑ چکی ہو اسے چھوڑنے کا ارادہ کرنا ارادت کہلاتا ہے۔ تصوف میں ارادت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی طلب میں مظبوطی سے دل لگایا جائے، اس راہ کا طالب خدا کے سوا سب چیزوں کو ترک کرنے پر اپنے آپ کو تیار کر پائے۔ جب کوئی شخص

آخرت اور دنیا کی لذات سے دل ہٹا لیتا ہے تو اس کی ارادت خالص ہو جاتی ہے سب کاموں میں (۱) اول ارادہ ہوتا ہے پھر (۲) قصد اور پھر (۳) فعل۔ سو ہر سالک کے رستہ کی ابتداء ارادہ سے ہوتی ہے۔ ہر قصد کرنے والے کی پہلی منزل کا نام ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھه ولا تعد عیناک عنھم ترید زینة الحیاۃ الدنیا

(پ۱۵، الکہف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور تیری نگاہیں ان سے پھرنے نہ پائیں کہ تو دنیا کی زینت کے پیچھے لگے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان درویشوں کو اپنے سے دور کرنے سے منع فرمایا جو دن رات اللہ کی یاد میں لگے ہیں۔ مخاطب کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے موافق کرو جو صبح و شام اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں اور خدا کی مرضی چاہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں ان سے دور نہ ہونے پائیں کہ آپ اس دنیا کی زندگی کی زینت چاہنے لگیں۔ آپ ان لوگوں کی بات نہ مانیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنے سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات میں بہے ہی بہے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت الشیخ فرماتے ہیں:۔

جب تک ارادت خالص نہ ہو دل میں خدا کا خوف نہیں سما سکتا جب خوف دل میں جگہ پیدا کرے تو اللہ کے سوا باقی سب جلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کسی گاؤں میں جب کوئی بادشاہ آتا ہے تو وہ گاؤں ویران ہو جاتا ہے اور اس گاؤں کے سب عزت والے کمزور ہو جاتے ہیں۔

ان الملوک اذا دخلوا قریة أفسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلة وکذلک یفعلون (پ۱۹، النمل ۳۴)

ترجمہ: بادشاہ کسی بستی میں آگھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو بے عزت کر دیتے ہیں اور اس طرح ہوتا آیا ہے۔

انسان کے دل میں جب اللہ تعالیٰ کی دوستی جگہ کر لیتی ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۲۶)

معرفت الٰہی

یہ وہ وقت ہے جب سالکان طریقت اپنی گردن سے ہار اتار دیتے ہیں، انہیں خدا کی مہربانی اور رحمت کے پانی سے غسل دیا جاتا ہے، انہیں پاک وصاف کردیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں ان کے لیے مکان تیار کیا جاتا ہے اور انہیں عزت کے لباس سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس کا نام معرفت الٰہی ہے یہی خدا کا انس ہے اسی سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو کلام کرتا ہے وہ خدا کی حکمت علم اور اسرار سے بولتا ہے، اللہ کے دوستوں میں اس کا نام پکارا جاتا ہے، اسے ایک ایسے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، وہ اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے اسرار محض اللہ تعالیٰ کی حضوری سے حاصل ہوتے ہیں، اس شخص کا سننا، دیکھنا، بولنا اللہ کا سننا، دیکھنا اور بولنا ہوتا ہے وہ اللہ سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۲۷)

یہی بات ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳)

ترجمہ: اور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ حضرات ائمہ تصوف ہیں اور اس راہ کے مسافر سلوک کی منزلوں میں ان کی رہنمائی اور تربیت سے چلے ہیں۔ یہ مسافر ہر اس منزل کے ارادتمند ہوتے ہیں جہاں سے اللہ کے نور کی چمک دیکھی جاسکے۔ مرید کا لفظ ارادت سے نکلا ہے یہ باب افعال ہے جو اپنے تعدیہ کے خاصہ سے بھی اس نور کو آگے سے آگے لے رہا ہے اور اسی طرح قیامت تک ان سے مریدان باوفا کی ایک لمبی قطار چلی جائے گی۔ ان اولیاء اللہ نے اپنی قطار میں آنے والے ارادتمندوں کے لیے تمام ذریت ابلیس کے پنجوں میں پنجے ڈال کر معرکہ خیر وشر میں ہمیشہ خیر کی جنگ جیتی ہے۔

فجزاهم الله تعالیٰ یوم القیٰمة احسن الجزاء.

باب سوم

قرآن کریم میں قلب کی واردات

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

قرآن کریم صرف احکام کی ایک دستاویز یا زندگی کا ایک لائحہ عمل ہی نہیں، یہ انسان کو اندر کے اعمال اخلاص دل کی پاکیزگی اور حسن نیت کی بھی پوری تعلیم دیتا ہے، اور اس کی ایک اپنی ترتیب ہے۔ اس بحرِ بیکراں میں شریعت اور طریقت ساتھ ساتھ چلتے ہیں یہ دو فاصلے نہیں دو کنارے ہیں اور ظاہر ہے کہ دو کناروں میں ایک ہی پانی دونوں ساحلوں کو چھوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت تقویٰ اور ذکر کو دی گئی ہے۔ قرآن کریم کے شروع میں خود قرآن کریم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب انہی لوگوں کے لیے راہ عمل ہو سکے گی جو ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ بن دیکھے غیبی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن کریم نے تقویٰ کو ایمان بالغیب سے جوڑا ہے ایمان بالغیب کیسے حاصل ہوگا سلوک واحسان کی راہ سے اور تقویٰ کی دولت کب ہاتھ لگے گی؟ اس راہ پر چلنے سے۔

الم ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب (البقرۃ)

ترجمہ: وہ کتاب، نہیں کوئی شک اس میں یہ ہدایت ہے ان تقویٰ پانے والوں کے لیے جو بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔

یہ بن دیکھے ایمان انہی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے تقویٰ اختیار کریں بعثت کو تسلیم کریں اور پھر بن دیکھے خدا، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائیں اور نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

اسلام کے پانچ رکن

پہلے تین اس آیت میں مذکور ہیں یہ اہل تقویٰ کا عمل ہیں۔

یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون

قرآن کریم نے ایمان، نماز اور زکوٰۃ تینوں میں تقویٰ کی قید لگا دی ہے، ایمان وہی ہے جس میں تقویٰ ساتھ ہو، اور نماز بھی وہی کامل ہے جس میں تقویٰ شامل ہو اور اللہ کی راہ میں دینا بھی تبھی اللہ کے ہاں قبولیت پائے گا کہ اللہ کے خوف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے دکھاوے کے لیے نہ ہو۔

روزے کا حاصل بھی تقویٰ ہے

روزہ کی عبادت بھی مومنین کے ذمہ اسی لیے لگائی کہ ان میں پوری طرح تقویٰ آجائے۔

یاأیھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (پ۲ البقرۃ ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! تم پر روزے رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم روزہ کی وجہ سے تقویٰ پا سکو۔

اسلام کے چار رکن آپ کے سامنے آگئے ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزہ۔ پانچویں رکن حج میں بھی تقویٰ کی ہی گرہ لگائی گئی ہے۔

حج کی عبادت میں بھی تقویٰ ہی درکار ہے

سورہ حج میں فرمایا:

ومن یعظّم شعائر اللّٰہ فانّھا من تقوی القلوب (پ۱۷، الحج ۳۲)

ترجمہ: اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کی۔ سو وہ اس لیے ہے کہ دلوں میں تقویٰ آچکا ہے۔

قربانیوں کے بارے میں فرمایا:

لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (پ۱۷، الحج ۳۷)

ترجمہ: نہیں پہنچتا اللہ کو ان ذبح ہوئے جانوروں کا گوشت اور نہ خون،
اسے تو پہنچتا ہے تمہارا تقویٰ۔

تقویٰ اسلام کے پانچوں ارکان میں لازم رکھا گیا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس دین میں تصوف اور سیر سلوک و احسان نہ ہو، اور اس کے کسی عمل میں تقویٰ نہ ہو تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ تقویٰ جب حسی صورت میں آتا ہے تو اسے خشوع و خضوع کہتے ہیں اور جب یہ معرفت کا مقام پالے تو یہ حضور و تظور کو پاتا ہے۔ سالک اس میں وہ نسبت پالیتا ہے کہ اللہ کے حضور فوراً سجدہ کرے یہ مومنین کا مقام فلاح ہے۔

نماز میں خشوع تصوف کی راہ ہے

۱۔ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون

(پ۱۸، المومنون)

ترجمہ: کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع لے آئے۔

۲۔ ویخرون للأذقان یبکون و یزیدھم خشوعا

(پ۱۵، الاسراء، ۱۰۹)

ترجمہ: اور گرے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور وہ خشوع میں اور بڑھ جاتے ہیں۔

۳۔ یدعوننا رغباً و رھباً و کانوا لنا خاشعین (پ۱۷، الانبیاء ۹۰)

ترجمہ: وہ پکارتے ہیں ہمیں پورے امید اور ڈر سے اور وہ تھے ہمارے حضور جھکنے والے۔

۴. الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحق (پ۱۷، الحدید ۱۶)

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں اور جو حق اترا اس کے لیے جھک جائیں۔

سالک (اللہ کے قرب میں جانے والا مسافر) جب تقویٰ، خشوع و خضوع اور حضور

وتطور کی منزلوں میں آتا ہے تو اس کے اندر کا نور بسا اوقات اس کے چہرے اور پیشانی پر بھی دکھنے لگتا ہے۔ صحابہؓ کی پیشانیاں اسی نور سے پہچانی جاتی تھیں۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت وخضوع اور حسنِ نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کررہی ہیں۔ حضورؐ کے احباب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ (تقویٰ کی) حال زندگی سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔ **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔** (فوائد القرآن ص ۶۸۳)

تصوف کی غایت یہی ہے، یہی احسان ہے یہ ہر لحہ خدا کے حضور حاضری کا یقین ہے، یہ وہ منزل ہے جب سالک عبادت میں خدا کو دیکھنے کے درجے میں آجاتا ہے، نہیں تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت جانتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ حضورﷺ نے جبریل کے سامنے احسان کی شرح یہ فرمائی تھی۔

ان تعبد اللّٰہ کانّک تراہ فان لّم تکن تراہ فانّہ یراک

ترجمہ: تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے یہ نہ ہوسکے تو یہ بات تو سامنے رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

شریعت انسان کو تین طرفوں سے خدا کے قریب کھینچتی ہے، زبان سے، بدن سے اور مال سے۔ وہ ہر طرف سے خدا کے حضور میں آتا ہے، یہ سب انواع عبادت صرف ایک اللہ کے لیے ہیں۔

التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات

(والتفصیل فی البحر الرائق جلد۲ ص ۳۲۴ والمرقاۃ جلد ۱ ص ۵۵۶)

ترجمہ: سب زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور سب مالی عبادتیں ایک اللہ کے لیے ہیں۔

اور طریقت اپنا موضوع قلب کو بتاتی ہے۔ مومن طریقت میں ذکر، زبان، بدن، مال، اور قلب سے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوتا ہے۔

اور وہ اس کے قرب کو پالیتا ہے یہی نسبت حضوری ہے جسے تصوف کہتے ہیں۔ شیخ

الاسلام حضرت مولانا حسین احمدؒ لکھتے ہیں:

سلوک و تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ احسان کا ہی دوسرا نام ہے مشائخ کے نزدیک احسان کم از کم یادداشت ہے یعنی دل میں اتنی قوت اور اتنا رسوخ پیدا ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو سکے۔ جب دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو پائے تو اسی سے حضور حاصل ہو جاتا ہے اور اسی کا نام سلوک ہے۔

قرآن کریم نے قلب کو ایک نئے معنی دیئے ہیں

جسم میں دل ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس میں پورے بدن کی زندگی سموئی گئی ہے۔ یہیں سے زندگی کی شعاعیں پھوٹ کر پورے بدن میں پہنچتی ہیں۔ طب میں اس کے بس ایک ہی معنی ہیں ادب عربی میں یہ احساس کا محل ہے، یہ حواسِ خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حس ہے جس پر خوشی اور غمی کی لہریں اترتی ہیں۔

کعب بن زہیر کہتا ہے:۔

بانت سعاد و قلبی الیوم مبتول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

قرآن کریم نے قلب کو اس پرانے معنی پر محدود نہیں رکھا، اسے دماغ کی طرح حواس خمسہ کا محل و مہبط بتایا ہے۔ جس طرح سر میں آنکھیں ہیں جن میں بینائی نہ ہونے سے انسان اندھا ہوتا ہے اسی طرح اس (دل کے) محلِ حواس کی بھی آنکھیں بتائیں ہیں جن کے بند ہونے سے انسان باطنی جہت سے نابینا (اندھا) ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے قلب کو یہ ایک نئے معنی دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں ظاہر اور باطن کا یہ تقابل دیکھئے اس میں بہت کچھ سمجھایا گیا ہے:

وما یستوی الاعمیٰ والبصیرO ولا الظلمٰت ولاالنور O
ولا الظلّ ولا الحرور وما یستوی الاحیاء و لا الاموات

(پ۲۲، فاطر۲۲)

ترجمہ: اور اندھا اور دیکھتا ہوا برابر نہیں اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں۔
اور سایہ اور لو برابر نہیں۔ اور زندے اور مردے برابر نہیں۔

اسی طرح انسان میں دل کے کان بھی ہیں وہ کام نہ کریں تو ان ظاہری کانوں سے سننا اس کو نفع نہیں دیتا۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے یہ ظاہری کان بالکل درست تھے مگر ان کے دل کے کان درست نہ تھے، ان کے بارے میں فرمایا ان کے دل اندھے ہو چکے ہیں۔

لا تعمی الأبصار ولکن تعمی القلوب الّتی فی الصدور

(پ ۱۷، الحج ۴۶)

ترجمہ: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل کی ایک اپنی پوری دنیا ہے، تصوف کے جملہ مباحث کا مرکز دل ہے اس پر غفلت کے دبیز پردے پڑے ہوں تو نبوت کی زبان سے نکلی بات بھی وہاں نہیں پہنچتی، اس کے لیے تزکیہ کی پوری محنت درکار ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذمہ لگائی اور آپ نے ایک ایسی جماعت تیار کردی جن کے دل تزکیہ کی نعمت پا گئے اور پھر وہ ہر آزمائش میں پورے اترے، ورنہ گوشت کا لوتھڑا (دل) تو ہر ایک کے پاس ہوتا ہے پھر یہ کیوں کہا گیا۔

انّ فی ذٰلک لذکریٰ لمن کان له قلب او القیٰ السمع وهو شهید (پ ۲۶، ق ۳۷)

ترجمہ: بے شک اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کے لیے جس کا دل ہو یا وہ دھرے کان اور وہ پوری حاضری دے۔

یتلوا علیهم آیاته ویزکّیهم ویعلّمهم الکتاب والحکمة

(پ ۴، آل عمران ۱۶۴)

یہ تزکیہ قلب کی محنت شروع سے نبوت کی عملی قوت رہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد جب حضورؐ کی بعثت کے لیے دعا کی تو اس میں یہ عرض بھی کی کہ وہ پیغمبران کے دلوں کا تزکیہ کرے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی یہ بات نمایاں تھی کہ خدا کے بھیجے ہوؤں کا ایک عمل دلوں پر محنت کرنے کا بھی ہے۔ حضرت ابراہیم کی وہ دعا (پارہ ۱ البقرۃ ۱۲۹) میں موجود ہے۔

قرآن پاک نے قلب کو جو یہ نئے معنی دیئے اسی جہت سے اس نے دلوں پر غفلت

کے زنگ لگنے کی بھی خبر دی ہے۔ انسانی بدن کو چیر کر دیکھیں تو آپ کو دل کے گرد یہ زنگ کبھی نظر نہ آئے گا لیکن قرآن کریم کی اس تصریح سے کسی مومن سے اس کے انکار کی امید نہیں کی جا سکتی۔

کلا بل ران علی قلوبھم (پ۳۰ المطففین)

ترجمہ: خبردار ان کے دلوں پر زنگ آ چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک باطن کی بھی خبر دے رہا ہے۔ حضورؐ نے بھی ہر آیت میں ایک ظاہر کے ساتھ ایک باطن کی خبر دی ہے اس سے راہ سلوک کے مسافروں کو قلب کے ساتھ کچھ اور لطائف کا بھی پتہ ملا ہے، اس میں قرآن و حدیث کی کوئی آیت کہیں ان کے انکار پر مجبور نہیں کرتی۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی

قلب کے گرد لطائف ستہ جو قرآن پاک سے کھلتے ہیں، اہل سلوک کے ہاں تعلق باللہ کے یہ چھ مقام ہیں:

۱ روح. ۲ سِرّ. ۳ خفی. ۴ اخفی. ۵ نفس. ۶ قلب.

۱۔ روح

اس حقیقت کو دل میں بٹھانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

الم یعلم بان اللہ یری (پ۳۰، العلق ۱۴)

واللہ یعلم ماتصنعون (پ۲۱، العنکبوت ۴۵)

۲۔ سِرّ

اس حقیقت کو دل میں جگہ دینا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ساتھ ہیں ہم جہاں بھی ہوں ہر عمل کو وہ دیکھ رہے ہیں:

وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (پ۲۷، الحدید ۴)

۳۔ خفی

اپنی بھی کوئی چیز ہمارے اتنا قریب نہیں جتنا اللہ رب العزت ہمارے قریب ہیں۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید (پ۲۶،ق۱۵)

ترجمہ: ہم اس کے شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

۴۔اخفیٰ

جتنی حقیقتیں چھپی رہ سکتی ہیں ان میں سب سے زیادہ اخفیٰ وہ ایک ازلی ابدی ذات ہے۔

۱۔هو الاوّل والاٰخر والظاهر والباطن وهو بكلّ شيءٍ عليم (پ۲۷،الحدید۳)

ترجمہ: وہی ہے اول، وہی ہے آخر، وہی ہے ظاہر، وہی ہے باطن اور وہ ہر چیز کو اس کے ہر پہلو سے سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۵۔نفس

اسے اپنے آپ میں دیکھ پانا۔ "من عرف نفسه فقد عرف ربّه"۔ اس کے لیے انتہائی تیز نگاہ مطلوب ہے۔

۱۔وفی انفسکم افلا تبصرون (پ۲۶،الذاریات۲۱)

ترجمہ: اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں سو کیا تم کو سوجھتا نہیں۔

۲۔لیس کمثله شيءٌ وهو السمیع البصیر (پ۲۵،الشوریٰ۱۱)

ترجمہ: نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

۳۔ سنریهم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسهم حتی یتبیّن لهم انّه الحق (پ۲۵،حٰم السجدہ۵۳)

ترجمہ: اب ہم دکھا دیں گے ان کو اپنے نمونے آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ ٹھیک ہے۔

اے انفس و آفاق میں پیدا تری آیات

۶۔قلب

زمین و آسمان میں صرف وہی دکھائی دے۔ انسان کے سمع و بصر میں یہ انقلاب قلب کہلاتا ہے۔

۱۔اللہ نور السموات والارض (پ۱۸،النور۳۵)

۲۔فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم

(پ۱،البقرۃ۱۱۵)

۳۔واللہ من ورائھم محیط (پ۳۰،البروج۲۰)

۴۔ان اللہ کان علی کلّ شیئ شھیدا (پ۵،النساء۳۳)

۵۔ان اللہ کان علیکم رقیباً (پ۴،النساء۱)

۶۔کنت انت الرّقیب علیھم وانت علی کل شیئ شھید

(پ المائدہ۱۱۷)

۷۔لا تدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار وھو اللّطیف الخبیر (پ۷،الانعام۱۰۳)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بس اپنے آپ کو بالکل فنا میں لے آئے:

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
حقیقت تھی تمہاری کیا میاں آہ
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

شیخ کامل کی تربیت میں یہ لطائف ستہ ایک ایک کر کے کھلتے ہیں پھر جب لطیفہ قلب کھلے تو دل جاگ اٹھتا ہے، انسان نیند میں بھی ہو تو دل جاگتا ہے۔ حکیم سید دائم علی (۱۳۲۵ھ) جب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے ملنے دیوبند گئے تو دیکھا مولانا مسجد کی چھت پہ سورہے ہیں اور اس حال میں بھی ان کا دل ذکر کررہا تھا، آپ کے صاحب زادہ مولانا برکات احمد بھی ساتھ تھے انہوں نے یہ واقعہ اپنے بیٹے حکیم محمود احمد برکاتی کو سنایا۔ مولانا محمود احمد برکاتی اپنے والد ماجد مولانا سید برکات احمد سے نقل کرتے ہیں:۔

والد ماجد مولانا محمد قاسم کے خواجہ تاش تھے ایک بار مجھے ان سے ملانے کے لیے دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو مولانا چھتہ کی مسجد میں سورہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذاکر تھا، اور ذکر بھی

بالجبر کر رہا تھا۔ (سید برکات احمد ص ۱۸۵ برکات اکیڈمی کراچی)
یہ دل کی وسعتیں ہیں ان کے ساتھ یہ بھی جان لیجیے کہ دل و دماغ کی یہ جولان گاہ اپنی اپنی ہے۔

دل و دماغ کی اپنی اپنی جولان گاہ

دل و دماغ کا اپنا اپنا میدان ہے دماغ علم کا خزانہ ہے اطلاعات کا مرکز ہے اس میں معلومات ترتیب پاتی ہیں یہ انسانی سوچ کا کارخانہ ہے، احساس کی دنیا اس سے بالکل جدا ہے۔ دل میں احساسات ابھرتے ہیں سکون وطمانیت اس پر ہی اترتے ہیں، خوشیوں اور غمیوں کی آماج گاہ یہی ہے۔ دماغ جھوٹ کے لیے راہیں تو ہموار کرتا ہے لیکن جھوٹ نہیں بول سکتا، کوئی شخص اپنے دماغ میں دواور دو پانچ کو جگہ نہیں دے سکتا۔ سچ اور جھوٹ کی نبضیں دل سے چلتی ہیں کفر اور ایمان دلوں پر اترتے ہیں اور نفاق کا لاوا بھی دلوں میں ہی پکتا ہے۔

حضرت جبریلؑ حضورؐ کے دل پر اترتے تھے

جب حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں حضورؐ کے پاس حاضر نہ ہوتے تو ایسا ہوتا کہ آپ حضورؐ کے دل پر اترتے اور القاء وحی کرتے۔

نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین

(پ ۱۹، الشعراء ۱۹۴)

ترجمہ: اترا ہے اسے لے کر روح الامین تمہارے دل پر کہ آپ ہوں ڈرسنانے والوں میں۔

ایمان کا محل بھی قلب ہی ٹھہرا

قل لم تؤمنوا ولکن قولو أسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (پ ۲۶، الحجرات ۱۴)

ترجمہ: آپ کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے بس اتنا کہو ہم مسلمان ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

جو لوگ کافر ہوئے یہاں تک کہ انہیں خدا کی پکڑ سے ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہو گیا تو ان کے بارے میں فرمایا:

ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی أبصارھم غشاوۃ. (پ۱، البقرۃ)

ترجمہ: اللہ نے مہر کردی ان کے دلوں پر اور ان کے سننے پر اور ان کی آنکھوں پر پردے آگئے۔

سو کفر وایمان دونوں کا تعلق دل سے ہے اور علم وجہل کا تعلق دماغ سے ہے۔ دماغ فیل ہو جائے تو انسان زندہ رہ سکتا ہے، اور دل فیل ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ پاتا۔

زندگی دل کی حرکت کا ہی نام ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے ذمہ کیا کہ لوگوں کے دلوں پر محنت کریں اور ان کے دماغوں پر بھی۔ دلوں پر محنت ان کا تزکیہ ہے اور دماغوں پر محنت انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دینا ہے۔

ویزکیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ۴، آل عمران ۱۶۴)

ترجمہ: اور انہیں پاکیزگی میں ڈھالیں اور انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیں بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

سو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم میں جس طرح علم پر زور دیا گیا ہے، دلوں کے تزکیہ پر بھی اتنا ہی زور دیا گیا ہے۔ تقویٰ کی دولت اسی راہ سے حاصل ہوتی ہے، اور بندے کا تعلق خدا سے اسی کے ذریعے نسبت پاتا ہے۔ سو اب شریعت کی ذمہ داریاں قبول کرنا اور طریقت سے بے پرواہی بلکہ انکار، یہ کسی طرح قرآن کے طالب علموں کو زیبا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی

نبوت کے ذمہ تعلیم وتزکیہ دو اہم کام تھے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو انبیاء کا وارث بتایا اور اس امت کے مشائخ کو علم لدنّی کی روشنی بخشی۔ علم لدنّی کیا ہے؟ وہی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو دیا تھا۔ وعلّمناہ من لدنّا علمًا (پ۱۵، الکہف ۶۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی تاب نہ لاسکے تھے تاہم حضرت خضرؑ نے پھر وہ تینوں راز حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کھول دیئے تھے۔ حقائق کتنے گہرے کیوں نہ ہوں، آخر کھل کے رہتے ہیں۔

سو جس طرح وحی نبوت دل پر اترتی ہے، وحیِ ولایت بھی دل پر اترتی ہے۔ وحیِ ولایت وحیِ نبوت کا ہی ایک پرتو ہے، ہاں جس طرح جھوٹی نبوت دماغ سے ابھرتی ہے جھوٹی ولایت بھی دماغ سے ہی تدبیریں پاتی ہے۔ یہ دماغ ہے جوان بہروپیوں کو طرح طرح کی باتیں سجھاتا ہے۔ آج کتنے ہی ملنگ اور جھوٹے پیر ہیں جو اپنی قوت دماغ سے اپنے دائرہ میں لوگوں کو بے وقوف بنائے بیٹھے ہیں اور دھوکے کی کانیں ان کی دوکانیں ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

دماغوں سے علوم کا فیض مجتہدین کے ذریعہ آتا ہے اولیاء سے نہیں، اولیاء کرام دل کی بستیوں کو آباد کرتے ہیں۔ اس پر یہ نہ سمجھا جائے کہ مجتہدین اولیاء نہیں ہوئے بات صرف اتنی ہے کہ یہ لائن ان کی زندگیوں کا موضوع نہیں ہوتی، وہ تزکیہ کی دولت بے شک پا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ فقیہ اسے ہی کرتے ہیں جس سے وہ خیر کا ارادہ کرلیں اور پھر خیر ان سے برستا ہے۔

تزکیہ کا مورد دل ہے اور ذکر سے دلوں کا زنگ دھلتا ہے

قرآن کریم نے محنت اخلاق کی نسبت دل کی طرف کی ہے، اور دلوں کو ہی بصیرت کی سچی جولان گاہ بتایا ہے۔

خوف خدا کا مورد بھی دل ہی ہیں بصارت اور بصیرت دونوں کی اصلاح ہو تو اسے تزکیہ کہتے ہیں۔

اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی

(پ۲۶، الحجرات ۳)

لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

(پ۱۷، الحج ۴۶)

الم یان للّذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ

(پ۲۷، الحدید ۱۶)

و اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم (پ۱۰، الانفال)

تطمئنّ القلوب (پ۱۳، الرعد ۲۸)

فویل للقاسیۃ قلوبھم (پ۲۳، الزمر ۲۲)

یہ آیات پتہ دیتی ہیں کہ تزکیہ کی محنت دلوں پر ڈالی جاتی ہے انہیں تقویٰ کا مصلح نہ ملے تو یہ ماؤف ہوجاتے ہیں، **ثم قست قلوبهم** (پ۱، البقرۃ ۷۵) اور **هل ران على قلوبهم** (پ ۳۰ المطففین) سے اس کی شہادت ملتی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی علاج پیدا کیا ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے، ذکر سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان القلوب ترين كما يرين الحديد

ترجمہ: دلوں کو بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے کو زنگ لگتا ہے، خبردار رہو! اس کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔

تزکیہ کے لیے خلوت گزینی

جب آنحضرت ﷺ پر قرآن اترنے کے دن قریب آرہے تھے آپ کو عام انسانی سوسائٹی سے وحشت ہوتی تھی، فضا میں لوگوں کے گناہوں کی ظلمت آسمان سے اترنے والے نور کی راہ میں حائل تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تنہائی کی محبت ڈال دی اور آپ نے غارِ حرا میں ڈیرہ ڈال دیا۔ خدا کی طرف کامل دھیان رکھنے کی یہ پہلی خانقاہ تھی جہاں حضرت جبرئیل نے حضوؐر کو اپنی چھاتی سے لگا کر انوارِ ملکی پیکر خاکی میں اتار دیئے اور اس سے آپ وحی الٰہی کا تحمل کر پائے جو وہاں آپ پر اتری۔

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے یا بن

خانقاہوں کے اوراد و اذکار صحابہؓ کے دور میں بھی تھے

تزکیہ قلب کی باطنی کوششیں زیادہ باطن کے پیرایہ میں ہی چلی ہیں۔ یہ قانون کے پیرایہ میں نہیں چلیں یہ ایک راہ کے پیرایہ میں ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ قانون شریعت کے پیرایہ میں آتا ہے اور راہیں طریقت سے کھلتی ہیں۔ طریق عربی میں راہ کو کہتے ہیں، راہ سلوک کے مسافروں میں کچھ ایسی شخصیتیں بھی گزری ہیں جو احسان وسلوک کے ساتھ ساتھ حدیث وفقہ کے بھی جبال علم تھے، ان میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اور مولانا خرم علی بلہوریؒ (۱۲۷۳ھ) وہ حضرات ہیں جن کی اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں بھی بڑی قدر ہے مولانا خرم علی کی کتاب ''نصیحۃ المسلمین'' کے مقدمہ میں انہیں راہ توحید کا نمازی اور

حضرت سید احمد شہیدؒ کی فوج کا صاحب حال وقال سپاہی لکھا گیا ہے۔ ان مولانا خرم علی نے شاہ صاحب کی کتاب ''القول الجمیل'' کا اردو ترجمہ کیا ہے اس کے شروع میں مولانا خرم علی بلہوری لکھتے ہیں:۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے...... خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تفصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کی مانند ہوئے۔''

مجتہدین شریعت نے استنباط احکام اور ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیاء طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے، جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کے تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب بھی اس کے محتاج ہیں۔ واللہ اعلم۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ۱۱۸)

مولانا خرم علی کے اس شعر کو غیر مقلدین ہمیشہ اپنی حمایت قرار دیتے آئے ہیں اور مولانا مرحوم سلوک کی وادیوں میں بھی برابر گھوم رہے ہیں۔ سو ان کی اس تاویل کو وہ کچھ تو پذیرائی دیں:

ہوتے ہوئے مصطفیٰؐ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار (ایضاً ۸۴)

کیا حدیث کی کتابوں میں اذکار و ادعیہ کے ابواب نہیں کیا ان میں زہد و فقر کی روایات نہیں۔ کیا قرون وسطیٰ میں محدث کبیر اور فقیہ جلیل امام نوویؒ (۶۷۶ھ) نے ''کتاب الاذکار'' اور ''ریاض الصالحین'' لکھ کر دلوں کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کے اسباق مہیا نہیں کئے؟ کتب حدیث تو اپنی جگہ رہیں خود قرآن پاک میں بھی احکام کی آیات کے بالمقابل

اصلاح کی آیات کہیں زیادہ ہیں یہاں تک کہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف سلوک و عرفان پر سب سے بڑی کتاب خود قرآن کریم ہی ہے۔

دین کا درجہ کمال سلوک و احسان کی راہ میں

حضرت جبریل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور حضورؐ سے چند سوالات کئے: ۱۔ایمان کیا ہے، ۲۔اسلام کیا ہے، ۳۔احسان کیا ہے۔ حضورؐ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے۔ یہ حدیث تمام احادیث کی ماں سمجھی جاتی ہے اور یہیں سے اسلامی علوم کے سوتے ہر سو پھوٹے ہیں اور یہیں سے علوم اسلامی کے دریا شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں چلے ہیں۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو بتایا کہ یہ جبریل تھے جو اس لیے آئے کہ تمہیں تمہارے دین کی بنیادیں بتلادیں۔ آپؐ نے ایمان اور اسلام ہر ایک کے بارے میں چند باتیں بتلادیں لیکن احسان کے بارے میں ایک بات ہی دو پہلوؤں سے کہی کہ مومن کا دھیان اللہ پر لگ جائے۔ معلوم ہوا صحیح عقائد (جو ایمان کا تقاضا ہیں) اور صحیح اعمال (جو اسلام کا تقاضا ہے) کے بعد آخری منزل سلوک و احسان کی وادی میں چلے آنا ہے کہ اب اس کا دھیان ہر وقت اللہ پر لگا رہے یہ نہیں تو اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اس حال میں آجائے کہ سمجھے خدا اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

جو لوگ صرف شریعت کا اقرار کرتے ہیں اور طریقت کو نہیں مانتے وہ ایمان و اسلام کے بعد بیان ہوئی نسبت احسانی کا انکار کرتے ہیں جو ایک حصہ دین کا انکار ہے تصوف اس نسبت احسانی کا ہی دوسرا نام ہے۔ طریقت شریعت کا غیر نہیں لیکن اس کا عین بھی نہیں۔ ورنہ حضرت جبرئیل کو ایمان و اسلام کے بعد اس تیسرے سوال کی کیا ضرورت تھی کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک بات کہی اور یہ وہ بات ہے جس سے مومن اسلام کے درجہ کمال میں آجاتا ہے۔

نیک صحبت میں آنا اور بری صحبت سے بچنا

تزکیہ کا پہلا سبق نیک صحبت میں آنے اور بری صحبت سے بچنے میں مضمر ہے۔ تصوف کا پہلا سبق یہیں سے چلتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ محتاج تفصیل نہیں کہ انسان پر صحبت کے اثرات ہوتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کے تزکیہ کے لیے انہیں اپنی صحبت کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں صحبت پیغمبرؐ کے آداب سکھلائے اور

حضور ﷺ کو بھی انہی کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا تا کہ ان کے حقوق میں کمی نہ آنے پائے۔

واصبر نفسک مع الّذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم (پ۱۵، الکہف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھ جو دن رات اپنے خدا کو پکارتے ہیں وہ چاہتے ہیں اس کا رخ اور تیری دونوں آنکھیں ان سے پھرنے نہ پائیں۔

اس میں بتلایا گیا کہ آپ کا ان کو اپنی صحبت میں لینا اس طور ہے کہ صبح و شام اللہ کا ذکر ان کی زبانوں پر ہے۔

آپ کی صحبت اور دن رات کے ذکر سے وہ کہاں تک پہنچے؟ یہ وہ مقام (صحابیت) ہے کہ آئندہ آنے والے بڑے سے بڑے علماء اور اولیاء کیوں نہ ہوں وہ اس مقام کو کبھی نہ پاسکیں گے جو ان کو آپ کی نظر کرم سے ملا۔ جس پر ایک دفعہ بحالت ایمان حضور ﷺ کی نظر پڑ گئی وہ اس مقام کو پا گیا۔ اس نگاہ میں کیا تاثیر تھی کہ جس پر پڑ گئی اس کے دل کا سب میل کچیل دھل گیا۔ یہ وہ مقام ہے جسے امام ابو حنیفہ اور امام مالک جیسے علماء کبار اور جنید و بایزید جیسے اولیاء کرام بھی نہ پا سکے۔ حضرت بلالؓ ان سب سے اس لیے بڑھ گئے کہ ان کی آنکھوں پر آپ کی چشم مبارک کا جلوہ اترا تھا۔

اسلام نے شرف صحبت کو ایک اساسی درجہ دیا ہے

انبیاء و مرسلین کے اپنے اپنے مدارج ہیں، صدیقین و شہداء کے بھی اپنے مدارج ہیں، فقہاء و مجتہدین کے بھی اپنے مدارج ہیں، صالحین امت اور اولیاء کرام کے بھی اپنے اپنے مقامات ولایت ہیں، اسی طرح اسلام میں صحابیت کا ایک اپنا مقام ہے۔ صحابی ایک جو بھی اللہ کی راہ میں دے تو احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے والا بھی اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

صحابہؓ کے اس درجہ کے اس امت کے تمام اکابر اور علماء متفق ہیں اسلامی عقائد کی کتابوں میں یہ بات جگہ پاگئی کہ کوئی غیر صحابی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم اس سے ایک اصل بھی قائم ہوگئی کہ اس امت کے صالحین بھی عام لوگوں کو اپنے حلقہ صحبت میں لیں۔ وہاں نگاہ مصطفےٰ ﷺ کی تیزی انہیں ایک قطعی مقام دے گئی اور یہاں صالحین کی نظر میں

وہ تیزی نہیں کہ ان کی نیک مجالس پانے والوں کو کوئی قطعی درجہ تفضیل ملے، تاہم اللہ والوں کی نیک مجالس اس سلسلہ میں آنے والوں کو کچھ اثر ضرور دیتی ہیں اور اس امت کی تاریخ جس طرح علماء کرام کی علمی محنتوں سے روشن رہی اولیاء کرام اور صوفیہ عظام بھی جہاں جہاں جا پہنچے اپنے اپنے فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں میں ایمان کا نور اتارتے رہے اور مریدین کے دل دھوتے رہے۔ ایسے اہل ولایت کے تذکروں اور اوران کے پند ونصائح سے بھی ہماری تاریخ مالا مال ہے۔ انشاء اللہ العزیز ہم آگے ان میں سے کچھ حضرات کے تاریخی تذکرے بھی آپ کے سامنے لائیں گے۔

اسلام میں بہترین دور کون سے رہے؟ صحابہؓ سے ولایت پانے والے تابعین کے یاان سے نسبت ولایت پانے والے تبع تابعین کے۔ خیر القرون قرنی کی بشارت اپنی جگہ تاہم ثم الذین یلونهم میں ان کی فضیلت ہے جو ان سے ملے اور پھر ان کی جو ان سے ملے۔ اسلام میں ان نسبتوں کی فضیلت تو ہے لیکن قانون میں انہیں کوئی قطعی درجہ نہیں دیا گیا۔ غیر منصوص مسائل میں مجتہدین سے مسائل تو لئے گئے مگر صوفیہ کرام کے قول سے اسلام میں کہیں سند نہیں لی گئی، نہ اسلام میں الہام کو شریعت کی سند مانا گیا ہے۔ طریقت میں بے شک اس راہ کے مسافر کشف و الہام سے بھی رہنمائی لیتے رہے ہیں بشرطیکہ ان میں سے کوئی بات شریعت کو عبور نہ کرتی ہو نہ اس سے ٹکراتی ہو۔

مقام احسان میں پہلا مقام اپنے دھیان کو خدا پر لگانا ہے خدا پر دھیان کس طرح لگے اس کے لیے صفات باری پر صحیح عقیدت کی ضرورت ہے بہترین صورت تفویض ہے تاویل بھی کسی حد تک گوارا ہے لیکن انکار صفات یقیناً اہل حق کی راہ نہیں۔

تزکیہ قلب کی ضرورت قرآن کریم کی رُو سے

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

اللہ رب العزت کے کائنات میں ان گنت مظاہر قدرت ہیں تاہم محسوسات میں سورج اور چاند، روشنی اور اندھیرا، دھوپ اور چھاؤں، آسمان اور زمین، آسمانوں کی عظمت اور زمین کا پھیلاؤ اور باطنی امور میں نفس انسانی، اس کے حواس ظاہری اور باطنی، اس کی قوائے طبعیہ، حیوانیہ اور نفسانیہ اور اس کی نیکی اور بدی کے رستوں پر چلنے کی استعداد...... وہ عجائب قدرت ہیں کہ کوئی ان کا احاطہ نہیں کرسکتا انسان اور جن و ملک سب ان عجائب قدرت کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام مظاہر قدرت اور عجائب قدرت کا مظہر کامل اس نفس انسانی کو بنایا جو اِن تمام تنگ و تاریک راہوں سے گزر کر تزکیہ کی دولت پالے اور جو اسے کھودے اسے بڑا خائب و خاسر بتلایا۔

قرآن کریم نے ان دس مظاہر قدرت کو سورہ الشمس کی اس آیت میں اس طرح جوڑا اور جواب قسم میں کہا۔ وہ دس قسمیں ملاحظہ کیجیے:۔

والشمس و ضحٰھا O والقمر اذا تلٰھا O والنهار اذا جلّٰھا O والّیل اذا یغشاھا O والسماء وما بنٰھا O والارض وما طحٰھا O

ترجمہ: قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے۔ اور دن کی جب اُس کو روشن کرلے اور رات کی جب اُس کو ڈھانک لیوے۔ اور آسمان کی جیسا کہ اس کو بنایا اور زمین کی جیسا کہ اُس کو پھیلایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان عجائب قدرت کو بھی اپنے ان مظاہر قدرت کے ساتھ جوڑا اور ان

کی قسم کھائی ہے۔

ونفس وما سواھاO فألھمھا فجورھا وتقوٰھاO

ترجمہ: اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پھر سمجھ دی اُس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی۔

اور ان سب کے جواب قسم میں فرمایا:۔

قد افلح من زکّٰھا و قد خاب من دسّٰھا (پ۳۰، والشمس)

ترجمہ: تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا۔ اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

بارہ قسموں کے بعد **فألھمھا فجورھا وتقوٰھا** کی خبر دی اس الہام الٰہی میں عقل سلیم، فطرت صحیحہ، پیغمبروں کے ذریعہ بدی اور پرہیز گاری کی تفصیلات سب اس میں داخل ہیں جس نے اس الھام الٰہی سے فائدہ اٹھایا اس نے تزکیہ نفس کی دولت پالی اور جس نے ان تمام مظاہر قدرت اور عجائب قدرت سے بے پرواہی برتی اس نے اس الہام الٰہی کو خاک میں ملادیا۔

اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں کسی مضمون پر اتنی قسمیں نہیں کھائیں جتنی اس نے تزکیہ قلب کی ضرورت پر کھائی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کل کارخانہ کائنات کا حاصل یہی ہے کہ انسان ان پر غور کرتے اور پیغمبروں کی راہ پر چلتے اپنے نفس کی اصلاح کرلے اگر یہ نہیں تو اس کے لیے یہ کل کارخانہ حیات بے کار رہا یا اس نے ان تمام مظاہر قدرت اور عجائب قدرت کو بے کار بنادیا۔ اعاذنا اللہ منھا۔ شیخ الاسلام اس الہام الٰہی کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں:

> یعنی اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ رستہ بدی کا ہے اور یہ پرہیز گاری کا ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالٰی ہے گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان۔ پھر وہ رجحان و میلان بھی کبھی بندہ کے قصد و اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے اسی کسب خیر اور شر پر مجازات کا

سلسلہ بطریق تسبب قائم ہے (فوائد القرآن ص: ۷۷۷)

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا کیا ہے؟

تزکیہ نفس کیا ہے؟ اور قد افلح من زکّٰھا کی بشارت کس کے لائق ہے، کون اس کا مصداق ہے؟ شیخ الاسلامؒ ان مختصر الفاظ میں اس کا پتہ دیتے ہیں:

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شھویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابعدار بنائے تا کہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں۔

کوئی دوسرا عمل ایسا نہیں ملتا جس پر اللہ رب العزت نے بارہ قسمیں کھائی ہوں سوائے اس کے کہ جس طرح بھی بن پڑے انسان اپنے دل کا تزکیہ کرائے، اپنے دل کی بیماریوں کو دور کرے اور اپنے دل کو اس قابل بنالے کہ اس میں تجلی الٰہی اتر سکے۔ اور جو شخص اپنے نفس کی باگ یکسر شھوت و غضب کے ہاتھ میں دے دے اور عقل و شرع سے کچھ سروکار نہ رکھے اس سے زیادہ نامراد انسان کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ کائنات کی یہ بے لاگ شہادتیں (جن کی خدا نے قسم کھائی ہے) بتلا رہی ہیں کہ انسان ہی ہے جو ان سب میں اشرف ہے اور اس کا شرف یہی ہے کہ وہ اپنی قوت شھویہ اور غضبیہ کو اپنی عقل کے تابع اور اپنی عقل کو وحی کے تابع کرلے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

> قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا جواب قسم ہے اور اس کو مناسبت ان قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی، دن کا اجالا اور رات کا اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر و شر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی اسی طرح متضاد و مختلف اعمال پر مختلف ثمرات و نتائج مرتب کرنا بھی اس حکیم مطلق کا کام ہے۔ خیر اور شر اور ان دونوں کے مختلف آثار و نتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں و مناسب ہے جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔ (فوائد ص: ۷۷۷)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مضمون کو بارہ قسموں سے شہادت بخشی ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا اور اہم کام یہی ہے کہ انسان اپنے دل کا تزکیہ کرے تا کہ اس میں انوار الٰہی اتریں اور پھر ہر طرف ان کی روشنی پھیلے۔ بقول کعب بن زبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی صفت نور سے ہر طرف ضیاء باری کرتے تھے لیکن اس سے مستفید و مستفیض وہی ہوئے جنہوں نے اپنے دلوں کا دھیان کیا اور یہی جسد میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جس کی صلاح پر سارا جسد خاکی صلاح کی سعادت پاتا ہے۔

ان الرسول لنور یستضاء به
مهند من سیوف اللّٰہ مسلول

پیغمبروں کی سیرت کا اجتماعی کارنامہ

تزکیہ کل بنی آدم کے لیے پیغمبروں کی برات رہی ہے پیغمبروں کی تعلیمات اور شرائع بے شک مختلف رہیں لیکن ان کے اخلاق فاضلہ اور دلوں کے اعمال ہمیشہ ایک سے رہے ہیں۔

تزکیہ وتصوف تمام پیغمبروں کی سیرت کا ایک اجتماعی سبق ہے جو ختم نبوت کے بعد بھی صحابہ کرامؓ اور اولیاء کاملینؒ میں دیا اور لیا جاتا رہا ہے سو طریقت کی تاریخ شریعت سے بھی پرانی ہے۔ شرائع میں تو تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن طریقت کی صدا ہمیشہ سے ایک رہی ہے۔

حضرت ابراہیم کی نظر میں تزکیہ کی اہمیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو مسجد اور خانقاہ دونوں صورتیں دیں۔ نماز اور طواف سے یہ مسجد کا نظام قائم ہوا اور اعتکاف سے خانقاہی نظام کی بنیاد قائم ہوئی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ملا کر عمل میں لانے کا حکم دیا۔

ان طهرا بیتی للطائفین والعاكفین والركع السجود

(پ:۱، البقرہ: ۱۲۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو آباد کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ سے تلاوت آیات الٰہی، تعلیم کتاب وسنت اور تزکیہ کی توفیق مانگی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حقیقت میں کعبہ کی ابدی آبادی کا سبب بنے انہی تینوں باتوں کا حکم دیا۔ یہ فرائض رسالت حضور اکرم ﷺ کی پوری دینی محنت کا محور رہے۔

تزکیہ کے لیے حضرت ابراہیم کی دعا

ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلو علیهم اٰیاتک و یعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم.

(پ:۱، البقرۃ:۱۲۹)

تزکیہ کی محنت حضرت خاتم النبیین کے ذمہ بھی لگی

حضرت ابراہیم کی دعا کے مطابق یہ تینوں ذمہ داریاں حضورؐ کے سپرد کی گئیں لیکن یہاں تزکیہ کو تعلیم پر بھی مقدم کیا گیا۔

لقد منّ اللّٰه علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ۴، آل عمران ۱۶۴)

حضور کے صحابہؓ کا سب سے بڑا شرف حضورؐ کی صحبت قرار دی گئی اور ان کے بعد بھی اہل اللہ میں یہ تزکیہ کی محنت انسانوں کے ذمہ رہی، یہ نیک لوگوں کی صحبت ہے جس سے طریقت کا بحر بیکراں انسانوں کو سکون و طمانیت دیتا رہا۔

قرآن کریم کی پہلی دعوت لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف اتارنے کی رہی

قرآن کریم صرف انہی لوگوں کے لیے راہ ہدایت بتایا گیا جو خدا سے ڈرنے والے ہوں، جو لوگ اس ڈر سے خدا کی تلاش میں نکلے وہ بالآخر پیغمبروں کی راہ پا گئے اور اس راہ سے انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوئی۔

خدا کا ڈر مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تقویٰ تبھی معتبر ہے کہ اسے آگے ایمان اور اعمال صالحہ کی سعادت ملے جو اعمال صالحہ ایمان کے بغیر رہیں وہ صورۃً تو نیک اعمال ہیں لیکن یہ ایسے اعمال نہیں جو آخرت میں کوئی وزن پاسکیں لانقیم لهم یوم القیٰمة وزنا۔ تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کو بالآخر ایمان کی دولت مل ہی جاتی ہے۔ گو ضروری نہیں کہ جنگلوں اور صحراؤں میں خدا کی تلاش کرنے والے ایمان کو پالیں قرون سابقہ میں بھی یہ راہ صرف پیغمبروں سے ہی ملتی رہی۔

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب ہیں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط ایک اٹھتا غبار دیکھا

سو وہ تقویٰ اور خدا کا ڈر جو پیغمبروں کی راہ کے بغیر دل میں اترے وہ بسا اوقات ایمان لانے کا سبب تو بن جاتا ہے لیکن خود وہ کوئی نیکی نہیں ہے تاہم خدا کا یہ ڈر وہ ایک ابتدائی صدا ہے جو کسی نہ کسی وقت ایمان والوں میں لائی نبھائی ہے۔

قرآن کریم صرف انہی لوگوں کو راہ بتاتا ہے جو اس سے ڈرنے والے ہوں

گو خدا کا ڈر مسلموں اور غیر مسلموں کا مشترک سرمایہ ہے لیکن دنیا کی ہدایت اور آخرت کی فلاح انہی لوگوں کے لیے موعود رہی جو پیغمبروں کے کہے پر خدا پر بن دیکھے ایمان لائیں پھر بدنی اعمال بھی کریں اور مالی نیکیاں بھی بجالائیں۔

ھدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون

صوفیہ کرام کی لوگوں کو مسلمان کرنے کی محنت کیوں زیادہ کامیاب رہی؟

یہ اس لیے ہوا کہ وہ پہلے لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے دنیا کے فانی ہونے کا انہیں یقین دلاتے خدا کی محبت ان کے دلوں میں اتارتے اور پھر انہیں حلقہ بگوش اسلام کر لیتے۔ صوفیہ کرام بحث و تمحیص کی دنیا سے بہت آگے نکلے ہوئے تھے ان کی باتوں میں ان کا اپنا عمل بھی بہت اثر کرتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ جب اجمیر آئے تو کتنے لوگ ساتھ تھے اور جب ان کا جنازہ اٹھا تو فضا کے پرندے بھی ان پر سایہ فگن تھے اشاعت اسلام کی یہ پہلی محنت تصوف پر ہی مرتب ہوئی تھی۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ خدا کی محبت کی گرمی صرف تعلیم سے دلوں میں نہیں اترتی، نہ صرف عقل سلیم اور فطرت صحیحہ اس راہ کے مسافروں کو رہنمائی بخشتی ہے دلوں کی اس اصلاح کے لیے ان مشائخ کی ضرورت ہے جو سنت کی روشنی میں خود اس راہ کو کامیابی سے عبور کر چکے ہیں۔

اصلاح کے لیے مشائخ کی ضرورت

اس سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

راہ طریقت کے ہر طالب کے لیے شیخ کی ضرورت ہے ہاں شیخ وہی چاہیئے جو مریدین کو بارگاہ الٰہی میں داخل کردے۔ جو لوگ دس دس سال سے کسی پیر کے گرد طواف کرتے رہے اور اس کی آؤ بھگت میں لگے رہے وہ اپنے حال پر غور کریں اگر وہ واقعی بارگاہ الٰہی میں داخلہ پاگئے اور اولیاء کی صف میں آگئے تو یہ بات درست ہے کہ ان کے پیر نے ان پر محنت کی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کچھ اس پر غور کریں کہ ان کے پیر صاحب نے ان سے کتنے کام لیے ہیں اور ان کے کتنے کام ہوئے ہیں۔

یقین کیجیے کہ ان دنوں بہت سے پیر وفقیر کاروبار کی مارکیٹیں بنے ہوئے ہیں وہ اپنے سینئر مریدوں کو تنہائی میں کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہمارے حلقہ مریدی میں لاؤ پھر کچھ مرید پیر کی کرامتیں وضع کرتے ہیں، کچھ نذرانے جمع کرتے ہیں کچھ ان کے دوروں کو ترتیب دیتے ہیں اور پھر مریدوں کا خدا کی بارگاہ تک پہنچنا تو درکنار سارا وقت انہی گروہ بندیوں میں گزر جاتا ہے، خلفاء کو خلافتیں ملتی بھی ہیں اور چھنتی بھی ہیں یہاں تک کہ پیر بسا اوقات آپس میں لڑتے بھی ہیں اور اس راہ کے کئی مسافر پھر اس راہ سے ہٹ بھی جاتے ہیں پھر ان میں کئی یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ پیر صاحبان وہ ہستیاں ہیں کہ ان کے قریب نہ جانے میں ہی برکت ہے ورنہ قریب کے مریدوں پر ان کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ مولانا رومؒ نے بجا کہا تھا۔

اے بسا ابلیس آدم روے ہست
پس بہر دستے نبا ید داد رست

جن حضرات کو کبھی حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ، حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا رائپوریؒ اور حضرت مولانا لاہوریؒ کے حلقہ ارادت میں بیٹھنا نصیب ہوا وہ سب اس پر متفق ہیں کہ راہ طریقت کی یہ محنت ان حضرات کے ہاں ہرگز کوئی کاروبار نہ تھا، اہل حق کے پیروں اور اہل بدعت کے پیروں میں یہی نمایاں فرق ہے کہ اہل حق کبھی پرانے مریدوں کو نئے مریدوں کے شکار کرنے کا نہیں کہتے۔

جو لوگ بدعتی پیروں کے کاروبار سے تنگ آکر اس راہ کی ضرورت سے ہی انکار کردیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ راہ حق کے سالار سلسلہ ولایت سلسلہ قادریہ کے شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (...ھ) لکھتے ہیں:

تمام اولیاء ابدال اور صدیقوں کا سلسلہ یونہی چلا آیا ہے کوئی استاد ہوا کوئی شاگرد..........

مشائخ ہی اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور راہ خدا دکھلانے والے ہیں اسی دروازہ سے بارگاہ الٰہی میں داخلہ ملتا ہے شاذ ونادر ہی کوئی اس سے مستثنٰی ہو ورنہ ہر مرید کے لیے شیخ کی ضرورت ہے۔

(غنیۃ الطالبین ص ۵۰۴)

مرید کی حالت کو درست کرنے کے لیے شیخ کا طرز عمل

سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں:۔

شیخ پر لازم ہے کہ محض اللہ کے واسطے بغیر اپنی کسی غرض کے مرید کو قبول کرے اور مرید کی خیر خواہی کے لیے مرید کے ساتھ معاشرت اختیار کرے ...... ناقابل برداشت بوجھ اس پر نہ ڈالے پھر سخت گرفت کرے پہلے تمام امور میں دل کی خواہشات کو ترک کرنے اور شرعی رخصتوں کی پیروی کا حکم دے تاکہ وہ طبعی خواہشات کی قید سے چھوٹ کر شرع کی قید اور غلامی میں آ جائے اس کے بعد اس کو رخصت سے عزیمت کی طرف منتقل کرے۔

مرید سے فائدہ حاصل کرنا شیخ کے لیے جائز نہیں (۱) نہ مرید کے مال سے (۲) نہ اس کی خدمت سے...... ادب آموزی کے عوض کچھ اللہ تعالیٰ سے بھی تمنا نہ کرے...... مرید سے یا اس کے حال سے اس کو فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے۔ (ایضاً ص: ۵۰۸)

اس سے پتہ چلا کہ جو پیر مریدوں کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان کے حلقہ ارادت میں لاؤ اور انہیں مرید بنواؤ یا فلاں فلاں امیر آدمیوں کو ان کے قریب کرو یا ان کے پیروں کے ان کے ہاں آنے کے انتظامات کرو اور ٹکٹ بھیجو یا اس قسم کی خواہش وضع کرنا کہ حضور نے مجھے کہا ہے کہ مجھے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیجو میں تمہارے ٹکٹ پر تمہارے پاس آؤں گا یا اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کے عنوان سے مریدوں سے بھاری رقوم طلب کرنا یہ طریقہ نہ حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں تھا نہ حضرت میاں میرؒ

کے ہاں نہ حضرت معین الدین چشتیؒ کے ہاں نہ حضرت پیران پیر کے ہاں نہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں نہ حضرت شرقپوریؒ کے ہاں نہ حضرت تھانویؒ کے ہاں نہ حضرت رائپوریؒ کے ہاں نہ حضرت لاہوریؒ کے ہاں نہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے ہاں۔اب اگر ان کے جانشینوں میں سے کوئی اسے اہل بدعت کی طرح کاروبار بنالے تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

دولت مندوں کے پاس بیٹھنے والے پیروں سے بچو

پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

اوصیک ان تصحب الاغنیاء بالتعزز والفقراء بالتذلل

(الوریدالسنیہ فی المواعظ الجیلانیہ)

ترجمہ: دولتمندوں کے ساتھ استغناء سے مجلس کرو اور فقراء سے عاجزی سے پیش آؤ۔

تاہم یہ ضرور ہے کہ راہ طریقت کو کاروبار بنانے والے چند غلط پیروں کی وجہ سے اس راہ طریقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اہل حق کے چاروں سلسلوں میں قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ اس راہ کے شاہباز نہایت کامیابی سے ان راہوں میں اڑے ہیں، ہم ان میں سے بہت سے بزرگوں کا ذکر جلد اول میں کر آئے ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی اہل حق کا ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو حضورؐ کے ساتھ مل کر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔قرآن کریم میں ہے:۔

قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی

(پ:۱۳، یوسف:۱۰۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں میں اور جو میرے ساتھ ہیں اللہ کی طرف پوری بصیرت سے۔

اس میں آپ نے بتایا کہ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے رستہ پر حجت و برہان اور بصیرت و وجدان سے چل رہے ہیں، خدا نے مجھے ایک ایسا نور عطا فرمایا ہے جس سے میرے پیروؤں کے دماغ روشن ہیں۔

باب چہارم

ظلمات الذنوب

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

مرضیات خداوندی کے خلاف جو کام اس کی ناراضگی کا پتہ دیتے ہیں وہ کئی درجات پر ہیں اور ان کے کئی نام ہیں اور ان کے اپنے اپنے احکام ہیں۔ ان کا انکار اور رد تو بے شک کفر کے درجہ میں ہیں لیکن گناہ عصیان خطاء سیئات اور لغزشیں ایک ایسے شخص سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو بغاوت پر نہ اترا ہو اور بسا اوقات کچھ غلطیاں غیر ارادی طور پر بھی ہو جاتی ہیں۔

عربی میں لفظ ذنب وسیع معنی میں آتا ہے گناہ کبیرہ میں بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ اور مطلق گناہ پر بھی اور خلاف اولیٰ پر بھی۔ ہر موقع پر اسے اس کے محل کے اعتبار سے جانا جاتا ہے۔ یہ لفظ پیغمبروں کے لیے آئے تو یہ ایسے عمل کا نام ہے جو بلا ارادہ ہو۔ صورۃً وہ گناہ ہو لیکن حکماً گناہ نہ ہو۔ اس پر ارادہ کسی درجے میں پایا جائے اسے خلاف اولیٰ کے معنی میں لیا جائے گا۔ اور اللہ رب العزت اس پر بھی اسے ٹھہرنے نہیں دیتے تاکہ عصمت نبوت کسی پہلو سے مجروح نہ ہو پائے۔ انبیاء خطاء اور بقاء علی الخطاء دونوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس وقت ذنوب سے ہماری مراد وہ گناہ ہیں جو عام لوگوں سے احادیث کی رو سے خلاف مرضیٔ باری تعالیٰ صادر ہوں۔ ذنب اس عمل کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو، تاہم جب تک انسان کا باطن اس کے قصد اور ارادہ سے آلودہ نہ ہو رب کریم اس پر مواخذہ نہیں کرتے۔ کوئی روزے میں کھائے پیئے تو یہ اچھا عمل نہیں لیکن جب قصد اور ارادہ ساتھ نہ ہو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسے بھول بھی کہتے ہیں اور ظاہر کے اعتبار سے اسے ذنب اور عصیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے عصیان صادر ہوا لیکن دلوں کے پڑھنے والے نے بتایا کہ ہم نے اس میں آدم کا عزم یا ارادہ معصیت نہ پایا تھا۔

ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجدله عزماً

(پ:۱۶،طٰہٰ:۱۱۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک تاکید کی تھی سو وہ اسے بھول گیا اور ہم نے اس (کے خلاف جانے میں اس) کا قصد نہ پایا۔

آدم علیہ السلام کیا بھولے تھے؟ یہ کہ شیطان میرا دشمن ہے وہ اس کی باتوں میں آگئے آپ کا قصد حکم الٰہی کو توڑنا نہیں تھا، آپ وجہ ممانعت سمجھ نہ پائے۔ قرآن کریم نے اسے عصیان بھی کہا ہے مگر چونکہ آپ کا ارادہ حکم الٰہی توڑنا نہ تھا اس لیے یہ صرف ظاہری عصیان شمار ہوگا۔ حقیقت میں گناہ نہ ہوگا۔ **وعصیٰ آدم ربه فغویٰ (پ۱۶، طہٰ۱۲۱)**

حضرت آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی۔ جو اس نے چاہا تھا اس نے اس کی راہ نہ پائی۔ یہ عصیان کی ایک ظاہری صورت تھی، حقیقت میں گناہ نہ تھا۔ اس کا قصد اس حکم کے خلاف جانا تھا۔

ذنب ہمیشہ ایک ہی معنی نہیں دیتا۔ اس میں اس کے مضاف الیہ کو بھی دیکھنا پڑتا ہے اگر اس کی نسبت کسی پیغمبر کی طرف ہو تو یہ ترک افضل کے معنی دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ پسند تھا کہ یہ عمل نہ کیا جائے اب ہو گیا تو یہ افضل کا ترک کرنا ہوا۔ جس طرح انبیاء عام انسانوں جیسے نہیں، ان کی خطائیں اور ان کے ذنوب بھی عام انسانوں کے سے ذنوب نہیں، اپنے محل کے اعتبار سے ان کا معنی مختلف ہوگا۔ کسی ترک افضل کی نسبت انبیاء کی طرف ہو تو اس سے ان کی عصمت نبوت مجروح نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی انہیں قائم رہنے نہیں دیتا۔

ہمارا اس وقت موضوع وہ ذنوب نہیں جس میں ارادہ ساتھ نہ ہو بلکہ وہ گناہ مراد ہیں جنہیں ہم قصداً کرتے ہیں ان کی لذت لیتے ہیں، اور پھر ان اعمال کی ظلمات انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ اور وہ ان سے نکلنے کی کبھی سعی بھی کرتے ہیں اور کبھی غفلت میں ہی رہتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں مجرم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے انہیں کو مجرم کہا ہے:۔

ولو تریٰ اذ المجرمون ناکسوا رؤوسهم عندربهم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون (پ:۲۱السجدہ:۱۲)

ترجمہ: اور کہیں تم دیکھ پاؤ جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے، کہیں گے اے رب ہم نے دیکھا اور سنا، ہمیں واپس وہاں

کرو، اب ہم نیک کام کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے۔

یہ کون لوگ ہیں؟ جو صالح اعمال سے محروم رہے۔ مرنے کے بعد ان کی آرزو ہوگی کہ کسی طرح ان کو پھر یہاں آنا ہوتا کہ وہ صالح اعمال بجا لاسکیں۔ وہ بار بار کہیں گے۔

ربنا أبصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون

(پ:۲۱، السجدہ:۱۲)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہمیں اب پیچھے لوٹا ہم اب نیک کام کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے۔

لیکن کسی کو مرنے کے بعد پھر یہاں آنا نہیں۔ بس یہ ان کی ایک آرزو ہوگی جسے وہ کبھی پا نہ سکیں گے یہاں رجعت کسی کے لیے نہیں ہے، یہاں زندگی میں دوبارہ لانے کا عقیدہ کسی طرح درست نہیں۔

سو اس دنیا میں اعمال دو ہی طرح کے ہیں اچھے اور برے۔ برے اعمال قصداً کیے جائیں اور انسان ان میں لذت لے تو اگر اس نے ان سے توبہ نہ کی تو مرنے کے بعد ان پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ اپنے برے اعمال پر بلا توبہ مرنے والے اپنے گناہوں تلے دبے عذاب میں پکڑے رہیں گے۔

فمن یعمل مثقال ذرّۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃ شرّاً یرہ (پ:۳۰، الزلزال)

وہی ابناء آدم سعادت مند ہیں جو یہاں رہتے اپنے گناہوں پر پشیمان ہوں اور ان کے اندھیروں سے اپنے کو بچانے کی سوچیں اور یہیں اپنی زندگی میں توبہ عمل میں لائیں، وہ ضرور اپنے رب کو تواب و رحیم پائیں گے۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع وہ گناہ بھی ہیں جو مومنین کے ہیں ہم اس وقت کفار و مشرکین کو اسلام کی دعوت نہیں دے رہے، نہ ان کے گناہ گن رہے ہیں، ہم اپنے گناہ گار بھائیوں کو احسان کی راہ سے اللہ رب العزت کے در مغفرت پر لانا چاہتے ہیں۔ گو کفار و مشرکین بھی کفر و شرک سے توبہ کے بعد یہاں اس دنیا میں اُس کے در مغفرت پر ان کے ساتھ برابر کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔

گناہوں کی مختلف قسمیں

قرآن کریم میں ایک مقام پر کبیرہ گناہوں اور سیئات (عملی غلط کاریوں) کا اس

طرح تقابلی ذکر ملتا ہے:

ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیّئاتکم و ندخلکم مدخلا کریما (پ۵، النساء۳۱)

ترجمہ: اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا جاتا ہے تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی غلطیاں اڑا دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

ایک مقام پر اس طرح کبائر اور لمم کا تقابلی ذکر ملتا ہے۔

الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ان ربک واسع المغفرة (پ:۲۷، النجم:۳۲)

ترجمہ: ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے رہیں اور بے حیائی کے کاموں سے بھی، سوائے چھوٹے گناہوں سے۔ سو تمہارا پروردگار بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں کبائر سے بچنے والوں کی سیئات اور لمم کی مغفرت اللہ رب العزت نے خود ہی فرما دی ہے ان کے لیے ان سے توبہ ضروری قرار نہیں دی گئی لیکن کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں سیئات سے بھی توبہ کا حکم قرآن میں ملتا ہے

والذین عملوا السیّئات ثم تابوا من بعدھا وامنوا ان ربک من بعد ھا لغفور رحیم (پ:۹، الاعراف:۱۵۳)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو برائیوں کے مرتکب ہوئے، اس کے بعد انہوں نے توبہ کرلی (برائیوں سے) اور یقین پختہ کرلیا تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد بے شک گناہ معاف کردینے والا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:

انما التوبة علی اللّٰه للذین یعملون السوء بجھالة ثم یتولون من قریب فاولئک یتوب اللّٰه علیھم وکان اللّٰه علیماً حکیماًO ولیست التوبه للذین یعملون السیّئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الأن ولا الذین یموتون و

هم کفار (پ:۴، النساء:۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو ناواقفی سے کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے توبہ کرلیں سو وہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات علیم حکیم ہے۔ اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان پر موت آپہنچے تو کہیں میں نے اب توبہ کی اور نہ توبہ ان کی ہے جو کفر پر ہی جان دے رہے ہوں۔

ان آیات میں سیئات سے بھی توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی سورہ نساء کی آیت ۳۱ پر لکھتے ہیں:

معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر آیت کا مضمون یہ سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی گناہ کبیرہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گئے تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہوگی۔

اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے۔

اہل سنت اپنے عقیدہ توحید میں بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ذات واجب پر کوئی چیز واجب نہ سمجھی جائے، وہ از راہ عنایت کوئی چیز خود اپنے ذمہ کر لے تو اسے بھی اس کا کرم اور اس کی عطا جانے۔ گناہ گار مومن دونوں طرح کے گناہوں میں توبہ بجا لائے اور اس کی مغفرت کا امیدوار رہے۔ کسی کبیرہ گناہ کو بھی اسلام سے باہر کر دینے والا گمان نہ کرے۔

گناہ کبیرہ اور سیئات کی قرآن میں حد بندی نہیں کی گئی

احادیث میں کہیں کہیں کبائر کی حد بندی ملتی ہے اور اس کے لیے ان کی مختلف گنتی وارد ہے ان روایات کا مختلف جہات سے اعتبار کیا جائے تو ان میں تطبیق ممکن ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں کہیں کبائر (گناہ کبیرہ) اور صغائر کی حد بندی نہیں کی گئی اور اس میں ایک بڑی مصلحت ہے۔

کبائر کی حد بندی نہ کرنے کی حکمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے خیر و رحمت کے دو مقام ایک وسیع دائرے میں پھیلا رکھے ہیں (جیسے لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پھیلایا اور کوئی جان نہ پایا یہ کون سی رات ہے یا جیسے کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اسے قبولیت دیتے ہیں۔ مگر یہ کس خاص وقت میں ہوئی ہے؟ اس میں روایات مختلف ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کے فاصلے وسیع سمتوں میں پھیلا دیئے۔ صغیرہ گناہوں کے اصرار اور بار بار کرنے کو کبیرہ تک پہنچایا اور کبھی انہیں کبیرہ سے بچے رہنے کی صورت میں بغیر توبہ خود ہی اپنے رحم و کرم سے معاف کر دیا۔ پھر کبھی اس کی رحمت کی لہر اس طرح بھی اٹھتی ہے کہ وہ سیئات کو ختم کرنا ایک طرف رہا انہیں حسنات سے بدل دیتے ہیں۔

واقم الصلٰوۃ طرفی النھار و زلفاً من الیل ط ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین (پ:۱۲، ھود:۱۱۴)

ترجمہ: اور دن کے دونوں سروں پر نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

اور یہ بھی فرمایا:

الا من تاب و اٰمن و عمل عملا صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات و کان اللہ غفوراً رحیماً (پ:۱۹، الفرقان:۷۰)

ترجمہ: ہاں جو توبہ کرے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو وہ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور وہ غفور الرحیم ہے۔

ان اوقات اور اعمال کی حد بندی نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مومن گناہوں کی اس تقسیم میں ہر وقت خدا سے ڈرتا رہے۔ پتہ نہیں کہ اس کے کون کون سے گناہ کبیرہ کی سرحد پر آلگیں اور جمعہ کے دن اور لیلۃ القدر میں وہ رحمت کے کھلے وقتوں خدا کی یاد میں لگے، ان گھڑیوں کو رات دن کی وسعتوں میں پھیلا دیا گیا۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے دراصل وہ سارے ہی کبیرہ گناہ ہیں۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ یہ تعداد پوشیدہ ہے جیسا کہ شب قدر اور جمعہ میں ایک ساعت پوشیدہ ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے کبیرہ گناہ بھی اس طرح پردہ میں ہیں کہ آدمی ان کی تلاش (تعین) میں کوشش کرے اور ہر حال میں خوف خدا شامل حال رہے اور لوگ چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے پرہیز کریں۔

تاہم اتنی بات تو ہر وقت ذہن میں رہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار اور بے فکری سے انکا تکرار اپنی جرأت اور جسارت کے باعث انہیں کبیرہ بنا دیتا ہے گو کبیرہ بالذات کبیرہ بالغیر میں کچھ فرق نہ کیا جاسکے۔

یہ گناہوں کے مختلف جہات سے اندھیرے ہیں ان گناہوں میں ایک گناہ بری مجلسوں میں آنا بھی ہے۔ گو شروع شروع انسان خود ان میں برائی کا مرتکب نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ بری مجالس میں برائی کا ارتکاب کئے بغیر بھی ان کے اندھیرے اس بے فکر انسان کو گھیر لیتے ہیں جو ان کی مجالس میں رہنے پر غلط بھروسہ کر کے ان میں آنکلتا ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم گناہوں کے ذیل میں یہاں کچھ ظلمات المجالس کا بھی ذکر کر دیں۔

باب پنجم

ظلمات المجالس

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

جس طرح انسان پر شیطانی حملے اندر سے ہوتے ہیں بری مجالس سے بدی کے بیرونی حملے بھی ہوتے ہیں شیطان آدمی کو اندر سے بہکاتا اور پھسلاتا ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا، شیطان صفت انسان باہر سے انسان کو بدی کی طرف کھینچتے ہیں، پہلے شیاطین الجن ہیں اور دوسرے شیاطین الانس ہیں۔ یہ دونوں ہر پیغمبر کی دشمنی میں اترتے رہے۔ **یوسوس فی صدور الناس من الجِنّۃ والناس** پر قرآن کریم ختم ہوجاتا ہے۔ پیغمبر لوگوں کو نیکی پر لگاتے رہے اور یہ دونوں قسم کے شیطان لوگوں کو پیغمبروں سے ان کی باتیں سننے اور ان کی پیروی کرنے سے روکتے رہے۔ ہر پیغمبر کو ان دونوں سے واسطہ پڑا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

> **وکذلک جعلنا لکل نبی عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الیٰ بعض زخوف القول غرورا** (پ۸، الانعام ۱۱۲)
>
> ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن لگا دیئے شریر لوگ انسانوں اور جنوں سے جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو فریب کی باتیں مغالطہ دینے کے لیے۔

پیغمبروں کو تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پورے بچاؤ کی ضمانت بھی دے دی کیونکہ ان کو معصوم ٹھہرانے کے بغیر دنیا میں کسی نیکی کے پھیلنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ ابلیس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا:۔

> **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** (پ:۱۴، الحجر:۴۲)
>
> ترجمہ: میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔

یہ اللہ کے ان بندوں کی شیاطین الجن سے حفاظت ہوئی، ابلیس ان سے تھا، پھر حضور ﷺ کو اس شر سے بھی بچانے کی ضمانت دی گئی جو انسانوں کی طرف سے آتا ہے، ارشاد فرمایا:

واللہ یعصمک من الناس (پ۶، المائدہ ۶۷۵)

ترجمہ: اور اللہ تجھے لوگوں سے عصمت میں رکھے گا۔

یہ نبوت کی شیاطین الانس سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

عام لوگوں پر اندر سے جو شیطانی حملے ہوتے ہیں وہ شیاطین الجن کی طرف سے ہوتے ہیں ان سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ انسان غفلت میں نہ رہے کم از کم پانچ وقت ضرور اس غفلت سے نکلے، جونہی انسان غفلت سے بیدار ہوتا ہے یہ اندر وسوسہ پیدا کرنے والے شیطان اس سے بھاگ جاتے ہیں۔ انسان غفلت سے نکلنے کو ان پانچ وقتوں میں ہی محدود نہ رکھے ان میں کچھ اور اوقات بھی ملائے۔ اور جو حملے انسان پر باہر سے ہوتے ہیں ان سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ وہ بری مجالس سے بچے اور زیادہ سے زیادہ نیک لوگوں کے ماحول میں رہے، جس طرح گناہوں کے اندھیرے انسان کو اپنے جال میں جکڑتے ہیں بری مجالس کے اندھیرے بھی اسے غفلت میں روندتے ہیں اور بدی بدی کو کھینچتی ہے۔

شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح پھدکتا ہے جیسے ان باریک رگوں میں خون چلتا ہے شیاطین کی کشتیاں خون کی رگوں میں بہتی ہیں جیسے کوئی کشتی نہر میں چلی آئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (متفق علیہ)

تنہائی میں شیطان کا یہ حملہ سخت ہوتا ہے۔ راہ سلوک کے مسافروں کو پہلی ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ وہ جتنا ہو سکے تنہائی میں رہنے سے بچیں اسے یوں سمجھئے۔

۱۔ اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

۲۔ بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔

۳۔ کاملین کی تنہائی مجالس سے بہتر ہے۔

اسلام عزلت گزینی کی تعلیم نہیں دیتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتق اللہ حیث ما کنت واتبع السیئۃ بالحسنۃ تمحہا و خالط

الناس بخلق حسن رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح

ترجمہ: تو اللہ سے ڈرتا رہ جہاں بھی تو ہو اور ہر غلطی کے بعد اچھائی لا جو اسے مٹا دے اور لوگوں سے ملتا جلتا رہ خلق حسن کے ساتھ۔

اس سے پتہ چلا کہ اصل چیز اللہ کا ڈر ہے (تنہائی ہو یا مجلس) اور لوگوں سے ملتے جلتے رہنا ہی انسان کو اچھی مجالس میں لاسکتا ہے۔ عزلت گزینی اور چلہ کشی پر صرف کاملین پورے اتر سکتے ہیں۔ جب نزول قرآن کا دور آنے والا تھا آنحضرت ﷺ کے دل میں تنہائی کی محبت ڈال دی گئی۔ انسانی آبادیوں میں گناہوں کی ظلمتیں بعض اوقات پوری فضا میں چھا جاتی ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ جھوٹ اور دھوکہ کہاں ہوتا ہے؟ بازاروں میں۔ اس لیے انہیں حدیث میں ابغض البلاد الی اللہ کہا گیا اور صحیح مساجد چونکہ ان خرافات سے پاک ہوتی ہیں انہیں احب البلاد الی اللہ کہا گیا۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

ان تمام صورتوں اور حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بری مجالس سے بڑھ کر کوئی فضا تاریک نہیں یہاں ہر طرف اندھیرے ہیں سو بری مجالس سے بچنا نہ صرف سالکین کی بلکہ جملہ مومنین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام میں اچھی صحبت اور نیک مجالس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اسلام ہرگز کوئی رجعت پسند دین نہیں نہ اس میں رہبانیت کو کوئی راہ دی گئی ہے، اگر ایسا ہوتا تو حضورؐ جنت کے غرف عالیہ میں بسنے والوں اور روشن ستارے کی طرح چمکنے والے دروازوں کے داخلین کی ان الفاظ میں مدح نہ فرماتے۔

المتحابون فی اللّٰہ والمتجالسون فی اللّٰہ والمتلاقون فی اللّٰہ (شعب الایمان للامام البیہقی جلد۲)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے۔ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کے ہم مجلس اور اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے ملنے والے ان غرف عالیہ میں بسیں گے۔

سو اچھی صحبت اس کے تقاضوں اور ان پر مرتب ہونے والے ثمرات سے انکار نہیں لیکن یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں سب سے خطرناک جگہیں بری مجالس ہیں سالک کو ان سے بچنے کی بہت زوردار پیرایہ میں تاکید کی گئی ہے۔ حضورؐ نے یہاں تک کہہ دیا کہ تو ہرگز کسی یقین

رکھنے والے کے سوا کسی کا جلیس نہ بن اور نہ تیرے دستر خوان پر کوئی غیر متقی تیرا جلیس بنے۔

لا تصاحب الا مومنا ولا یاکل طعامک الا تقی

(رواہ الدارمی جلد:۱،ص:۲۴۷عن علی ص:۲۴۶عن صفیہ ص:۲۳۶/۱۲عن انس)

شرف صحبت کی سب پر سبقت

اسلام میں علم و عمل ایمان و اخلاص اور صدقہ و ایثار کی بہت بڑی قدر ہے اور کتاب وسنت میں ہر جہت سے لائق مدح ٹھہرائے گئے لیکن حضورؐ سے شرف صحبت ایک ایسی نیکی ہے جو ان تمام امور پر سبقت لے گئی۔ باقی امور میں کمی بیشی ہوسکتی ہے لیکن شرف صحبت میں تمام صحابہؓ ایک سے ہیں۔ علم و عمل میں بے شک بعض حضرات سبقت لے گئے ہیں لیکن صحابیت میں کوئی ایک دوسرے سے آگے نہیں۔ ہاں کوئی اولیت لے گیا اور کچھ سابقین اولین سمجھے گئے تاہم صحابی ہونے میں سب ایک مقام رکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں شرف صحبت کو وہ مقام حاصل ہے جو علم و عمل کے کسی اور مقام کو نہیں بلکہ جو صحابہ کی صحبت پا گئے وہ بھی اپنے اگلوں (تبع تابعین) کے مقتداء بن گئے ان میں صرف وہ اپنا مقام کھو گئے جنہوں نے صحابہ کو اپنا پیشوا نہ جانا انہوں نے گو بعض صحابہ کی زیارت کی لیکن وہ تابعین نہیں سمجھے جاسکتے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام میں پہلا شرف بے شک شرف صحبت سے قائم ہوا لیکن ان کے بعد اس پہلے طبقے کی پیروی ضروری سمجھی گئی۔ اعتزال وارجاء اور خارجیت کے عمائد زیادہ اسی دور کے ہیں لیکن ہم انہیں تابعین میں شمار نہیں کرتے۔ وہ کیسے تابعین ہیں جو صحابہؓ کو متبوعین نہ مانیں۔ آنحضرت ﷺ نے گمراہ فرقوں کے مقابل فرقہ ناجیہ کی یہی پہچان بتلائی کہ وہ صحابہ کے طریق پر ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بدعی فرقوں میں صحابہ میں سے کوئی نہ گیا تھا، اس طرح حضرت عثمان کے قاتلوں میں ہم کسی صحابی کو نہیں دیکھتے، اور حضرت حسین کے قاتلوں میں کسی تابعی کو نہیں دیکھتے۔

اس امت میں تزکیہ قلوب کی محنت تسلسل سے چلی ہے

امت کے پہلے طبقہ (صحابہ کرام) کا تزکیہ تو حضرت خاتم النبیینؐ کے ذمہ لگایا گیا یہ آپ کے فرائض رسالت میں سے ایک ذمہ داری تھی لیکن آپ کے بعد یہ ذمہ داری خود اس امت پر ڈالی گئی اب اس امت میں خیر اور شر کے دو سلسلے چلے۔ امت کے ذمہ جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کریں یہ بھی ضروری ہوا کہ اہل شر سے بچیں ان کی مجالس میں نہ جائیں۔

تاہم تزکیہ قلب کی جو دولت تمام صحابہؓ کو حاصل تھی اس امت میں وہ صرف اہل خیر میں چلی اور بری صحبت سے بچنا راہ سلوک میں چلنے والے مسافروں کا ایک بہت اہم موضوع بن گیا۔

پوری امت میں تزکیہ کی محنت ایک لازمی عمل رہا

متعدد آیات قرآنیہ میں جیسے قد افلح من تزکّٰی (پ۳۰، الاعلیٰ) قد افلح من زکّٰھا (پ۳۰، الشمس) ومن تزکّٰی فانما یتزکّیٰ لنفسہ (پ۲۲، الفاطر ۱۸) وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکّٰی (پ۳۰، اللیل ۱۸) فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ (پ ۲۷، النجم ۳۲) خالدین فیھا وذلک جزاء من تزکّٰی (پ ۱۶، طٰہٰ ۷۶) ہر انسان کے ذمہ یہ بات لگائی گئی ہے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ یہ اصلاح نفس پہلے دور میں نظر نبوت سے ہو جاتی تھی جس نے بھی بحالت ایمان حضور ﷺ کو دیکھا اور حضورؐ کی نظر اس پر پڑی وہ اس دولت کو پا گیا۔ اس عہد کے بعد اب یہ دولت اس کو ملے گی جو خود اس راہ میں اہل سلوک کی مجلس کو پائے اور بری مجالس سے خود اپنی محنت کے موافق بچے۔

اس صورت عمل میں یہ بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ اس امت میں تزکیہ قلب کی محنت ایک تسلسل سے چلنی چاہئے اور یہ واقعی ایک تسلسل ہے اب اس راہ کے مسافروں کے لیے لازمی ہے کہ وہ بری مجالس سے بچیں۔

بری مجالس کی دو قسمیں ہیں (۱) اعتقادی اور (۲) عملی

اعتقادی برائی ہو یا عملی، شر ہر دو سے آگے پھیلتا ہے، اعتقادی برائی رکھنے والوں کی صحبت سے بچنا بھی ضروری ہے ورنہ ان کی اعتقادی برائی دوسروں میں بھی سرایت کرے گی جس طرح نیکی سے نیکی پھیلتی ہے بدی سے بدی پھیلتی ہے۔ تاریخ میں صرف اہل سنت ہیں جو اہل حق ہیں۔ عقائد میں معتزلہ، مرجیہ، شیعہ اور خوارج اہل بدعت میں سے ہیں۔ ہر دور میں عقائد میں صرف یہ ہی دو گروہ تھے اہل سنت اور اہل بدعت پھر اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جن کی بدعت کفر کے درجے کو پہنچی ہیں اور وہ بھی جو کفر دون کفر کے ذیل میں آتے ہیں تاہم یہ تمام شر کی اعتقادی راہیں ہیں جن میں نادان گھر کر ایمان جیسی دولت کو ضائع کر دیتے ہیں اور پتہ اسی وقت چلتا ہے جب ان کے ایمان کی بساط الٹی جا چکی ہو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ان لوگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے جو صحابہ کے بارے میں دل میں کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہوں۔ آپ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

آخر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا کہ وہ صحابہ کی شان میں تنقیص کریں گے، خبردار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں، ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرانا نہیں اور ان کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھنی اور ان پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص: ۱۴۰)

بری عملی مجالس کی مختلف انواع

جس طرح حرام خوروں اور بدکاروں کی ہم نشینی انسان کے ذہن سے ان دونوں جرموں کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے اور پھر وہ اچانک اس آگ کے گڑھے میں جا گرتے ہیں، اسی طرح چودھویں صدی میں دائرہ اہل سنت میں بھی کچھ عملی بدعات اس طرح گرتے آئی ہیں کہ اہل سنت کے گھروں سے ان کا نکالنا ناممکن ہوگیا ہے۔ یہ بدعات زیادہ تر اعمال کے گرد ہیں عقائد میں نہیں۔ جب سالک ان لوگوں کی بری مجالس سے پرہیز نہ کرے گا نور سنت اس کے قلب سے کبھی نہ پھوٹ پائے گا، بدعات کے دبیز پردے اس کے دل پر ظلمات بعضها فوق بعض کے قبیل سے ہوں گے۔ نقشبندی سلسلے کے سلوک کے راہی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ احمد سرہندی کے اس اشارے سے کچھ سبق حاصل کریں:۔

> بدعت اندھیروں کو بڑھاتی ہے اور سنت کے نور کو کم کرتی ہے سنت کے کام بدعت کے اندھیروں کو کم کرتے ہیں اور نور بڑھاتے ہیں جو شخص چاہے سنت کا نور بڑھائے اور جو چاہے شیطان کی جماعت کو بڑھائے۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۳)

شیطان کی جماعت کو بڑھانے سے بچنا اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اہل سنت اہل بدعت کی مجالس میں جانے سے پوری طرح پرہیز کریں۔

اہل سنت کی اس تفریق پر جناب پیر کرم شاہ صاحب بہت افسوس کرتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم قیامت اور دیگر

ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔ (ضیاء القرآن ا ص ۴)

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ دونوں میں چند اعمال اور چند رسوم کا اختلاف ہے۔ اہل سنت میں اہل بدعت نے کن کن بدعات کو جگہ دی ہے ان کا استقصاء یہاں ممکن نہیں تاہم ان کی مختلف انواع ہم یہاں ذکر کیئے دیتے ہیں سالک ان میں سے کسی میں ملوث ہو وہ کبھی نور سنت کی چمک نہ پاسکے گا گو وہ کتنا یہ نہ کہتا رہے کہ میں مقام معرفت پاچکا اور وہ خود کو پیر طریقت کہنے کے درجہ پر کیوں نہ لے آئے۔

اہل سنت کے حلقوں میں آئی ہوئی عملی بدعات کے یہ چند انواع ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کلمہ کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۲) اذان کے گرد لائی گئیں بدعات (۳) نماز کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۴) درود شریعت کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۵) دفن وکفن کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۶) ذکر کے گرد جمع کی گئیں بدعات (۷) ایصال ثواب میں جگہ پانے والی بدعات (۸) ذکر میلاد کے گرد لائی گئیں بدعات۔

سالکان راہ طریقت کے لیے بدعت وہ گہرا کنواں ہے جس میں لوگ گرتے تو دیکھے جاتے ہیں لیکن واپس آتا شاید ہی کوئی خوش نصیب دیکھا گیا ہو۔

اہل بدعت اعتقادی الحاد کے ہوں یا عملی بدعات کے رسیا، ان کی مجالس میں ظلمت ہی ظلمت اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ راہ سلوک کے مسافروں کو ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ بلکہ ان کی کتابوں سے بھی بچے ان کی ظلمت بھی سالکین کو بہت نقصان دیتی ہے۔ حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

"ظلماتی کتاب سے بھی ظلمت ہوتی ہے"

فرمایا حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک مرتبہ کسی شخص کے آنے سے ظلمت محسوس ہوئی فرمایا اس کے پاس کوئی کتاب ظلماتی ہوگی دیکھا تو بوعلی سینا کی کتاب الشفاء تھی۔

(آثار خیر مولفہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری)

عقائد، اعمال اور کتاب کی راہ سے آنے والی ظلمات تو آپ نے سمجھ لیں اب یہ بھی جان لیجئے کہ راہ سلوک میں احوال کی زیادتی بھی کبھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتی۔

حضرت مولانا تھانوی اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:۔

احوال کی زیادت بھی بدعت ہے

معلوم بھی ہے جیسے عقائد و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی زیادت بھی بدعت ہے، یہ ظاہری وہ باطنی۔ غیر اختیاری امور کا مطلوب نہ ہونا اور اختیاری کا مطلوب ہونا تو نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علیٰ بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللّٰہ من فضلہ ط ان اللّٰہ کان بکل شیئٍ علیماً

ترجمہ: اور تم ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیروں میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ مجاہدین کے اجرِ جہاد کو جناب رسول اللہ ﷺ سے سن کر حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ کاش ہم بھی مرد ہوتیں تو جہاد کرتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما فضل اللّٰہ بہ۔ چونکہ بمقابلہ اکتساب واقع ہوا ہے اس لیے اس سے مراد امور غیر اختیاریہ ہیں۔

فضائل کی دو قسمیں

آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہوبہ یعنی غیر اختیاریہ اور مکتسبہ یعنی اختیاریہ۔ حق تعالیٰ نے ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ میں غیر اختیاری کی تمنا سے نہی فرما دی ہے اور للرجال نصیب مما اکتسبوا میں اختیاری کے اکتساب کی ترغیب دی ہے۔ پھر واسئلوا اللّٰہ من فضلہ میں اس کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیاریہ کو ہی دل چاہے تو بجائے درپے ہونے اور ہوس کرنے کے اس کی دعا کر لیا کرو اس لیے ارشاد فرماتے ہیں۔

واسئلوا اللّٰہ من فضلہ یعنی ثمرات وفضائل کے لیے دعا کرنے کا اذن فرمایا ہے اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے عورت کا مرد بن جانا۔ پھر دعا کر کے بھی حصول کا منتظر ہے اگر کچھ جمعیت نصیب بھی ہوئی ہو تو یہی فکر کر کے اپنے ہاتھ سے خود اس کو برباد کرنا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔

بکے برسر شاخ وبن مے برید
خداوند بستان نگاه کرد و دید

ایک شخص جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے اسی طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب کو مشوش کررہے ہیں وجہ یہی ہے کہ غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہیں۔

اعمال صالحہ میں لذت وسہولت کی طلب میں نفس کا ایک مخفی کید

اگر یہ کہا جائے کہ مزہ سے اعمال میں سہولت پیدا ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لیے بھیجا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لقد خلقنا الانسان فی کبد

ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں نہ پڑنا چاہیے اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی یہ حالت نہیں، فلاں کیفیت جاتی رہی، قلب کا برباد کرنا ہے۔ آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس میں بھی تو عنوان اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کید کہ لذت و سہولت کا طالب ہے پھر شرع پر زیادت چہ معنی؟

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفزائے بر مصطفےٰ!

اب ہم آخر میں حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس ارشاد پر ظلمات المجالس کے اس مضمون کو ختم کریں گے۔

> حضرت فضیل بن عیاضؒ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اہل بدعت کے ساتھ دوستی کرے تو اس کے نیک عملوں کو خداوند تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے۔ ......اور جب تو کسی بدعتی کو راستہ میں آتا ہوا دیکھے تو اس راستہ کو چھوڑ دے اور دوسرے راستہ سے ہوکر چلا جا...... اگر کوئی شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جاوے تو جب تک وہ واپس نہ آوے خدا کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص۱۴۲)

باب ششم

کفارات الذنوب

نجات کا ہمیشہ کے لیے کھلا راستہ......توبہ

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

جب ہم معلوم کر پائے کہ گناہوں کے اندھیرے کسی طرح دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں تو اب ان راہوں کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ہم کس طرح ان اندھیروں سے نکل پائیں، کفارات ذنوب میں پہلا مقام توبہ کا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ توبہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یہ مریدوں کا پہلا قدم ہے اور سالکوں کے راہ کی ابتداء ہے اور خدا کو ماننے والے کسی آدمی کو بھی سوائے اس کے چارہ نہیں۔ ابتداء پیدائش سے لے کر آخر تک گناہوں سے پاک رہنا تو فرشتوں کا کام ہے اور ہمیشہ گناہوں میں ڈوبے رہنا شیطان کا پیشہ ہے۔ گناہوں کو چھوڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف پھرنا اور تائب ہونا آدم اور آدمیوں کا کام ہے جس شخص نے اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کی اس نے اپنی نسبت حضرت آدمؑ سے درست کرلی۔ (کیمیائے سعادت ص:۳۸۹)

ابھی حضرت آدم علیہ السلام زمین پر نہ اترے تھے کہ حق تعالیٰ نے ان کی اولاد کے لیے گناہوں سے نکلنے کی راہ بتلادی۔ خود حضرت آدمؑ سے ایک خطا ہونے دی وہ اللہ کے حضور توبہ بجالائے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی اور پہلے ہی مرحلہ میں گناہوں اور خطاؤں سے نجات حاصل کرنے کا رستہ نکل آیا یہ اللہ کی صفت رحم کا تقاضا تھا کہ اس نے توبہ کی پہلی صدا ہی قبول فرمالی۔ اور آئندہ جملہ اولاد آدم کو اس کی راہ بتادی۔

یہ بھی اس کا کرم تھا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات دیئے جن سے انہوں

نے اللہ کے حضور توبہ کی، وہ کلمات توبہ تھے۔

فتلقی ادم من ربّہ کلمات فتاب علیہ انّہ ھو التوّاب الرّحیم

(پ:۱، البقرہ:۳۷)

ترجمہ: پس سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے وہ کلمات جب پر اللہ نے اس کی توبہ قبول کی وہ بے شک توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وہ کلمات کیا کہے جائیں جن سے اس کی رحمت جوش میں آجائے؟ وہ اس کی ثناء اور حمد ہے اور اس سے بخشش مانگنا ہے، ان پر رب کریم توبہ قبول فرماتا ہے۔

فسبّح بحمدِ ربّک واستغفرہ انّہ کان توّابا (پ:۳۰، النصر)

ترجمہ: تو اپنے رب کی ثنا کر (سبحانک اللّٰھم سے) حمد کے ساتھ (الحمد للّٰہ رب العالمین سے) اور اس سے بخشش مانگ، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

نماز میں سبحانک اللّٰھم کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے یہ اسی حکم کی تکمیل ہے۔

توبہ کا محل وہ لوگ ہیں جو ناواقفی میں غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ ناواقفی سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر جمتے نہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام اپنی غلطی پر جمے نہیں (ولم نجدلہ عزماً)۔ جو لوگ اپنی غلطی پر آخر دم تک ڈٹے رہیں (برابر کرتے رہیں) وہ اللہ کی اس عنایت سے محروم رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

انما التوبۃ علی اللّٰہ للّذین یعملون السوء بجھالۃ ثمّ یتوبون من قریب فاولٰئک یتوب اللّٰہ علیھم وکان اللّٰہ علیماً حکیماًO ولیست التّوبۃ للّذین یعملون السّیّئات حتیٰ اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وھم کفار اولٰئک اعتدنا لھم عذاباً الیماً (پ۴، النساء۱۸)

ترجمہ: اللہ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے لوٹ آئیں، یہ وہ لوگ ہیں اللہ جن کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور

توبہ ان کے لیے نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو کہے کہ اب میں تائب ہوتا ہوں اور نہ توبہ ان کی ہے جو کفر پر ہی مرجائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب طے کر رکھا ہے۔

سو جانئے کہ توبہ راہ طریقت کے مسافروں کا پہلا قدم ہے اس میں گناہوں کی کوئی حد نہیں کتنے گناہ ہی کیوں نہ ہوں آخری وقت آنے سے پہلے پہلے جب بھی ہوش آجائے توبہ کا دروازہ کھلا ملے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لو اخطأتم حتیٰ تبلغ خطایاکم السماء ثم تبتم لتاب علیکم. (سنن ابن ماجہ ص:۳۱۳)

ترجمہ: تم یہاں تک غلطیاں کر پاؤ کہ وہ آسمان سے جالگیں پھر بھی تم توبہ پر آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کریں گے۔

ایک حدیث قدسی میں اس کے لیے گناہ کے الفاظ بھی ملتے ہیں:

ولو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم اتیتنی لا تشرک بی. شیئا لاتیتک بقرابها مغفرة (مدارج السالکین)

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں:۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہ مادرگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

توبہ ٹوٹنے کی یہی صورت ہے کہ توبہ تو صدق دل سے کی ہو پھر وہ کسی حملہ شیطانی سے ٹوٹ جائے، یہ نہیں کہ پہلے ہی دل سے توبہ نہ کی تھی کہ پھر کہیں جا کر توبہ کرلیں گے۔ یہ توبہ نہیں عملی منافقت ہے، ہاں سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ توبہ پر استقامت سے رہے جو رعایت تھی وہ صرف مریدوں کے لیے ہے۔

سالک کو توبہ پر استقامت درکار ہے

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں۔

توبہ کا مراقبہ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے کوئی شخص توبہ کرے تو توبہ پر اس طرح استقامت دکھائے کہ کراماً کاتبین سے بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہ لکھ سکے، وہ توبہ کرنے والا بتدریج اپنے تمام اعضاء کی گناہوں سے تطہیر کرے، نہ کوئی فضول کہے، نہ کوئی فضول اور بے کار حرکت کرے اور نہ کوئی فضول بات سنے۔ اس منزل پر پہنچ کر وہ اپنے ظاہر کا محاسبہ کرے اور پھر اپنے باطن کے محاسبہ پر توجہ رکھے اور پھر مراقبہ باطنی پر اس طرح دوام کرے کہ فضول باتوں اور گناہوں کے تصورات بھی اس کے باطن سے مٹ جائیں۔

جب اس کے تصورات پاک ہو جائیں گے تو پھر اس کے اعضاء و جوارح بھی اس کی مخالفت نہ کرسکیں گے، اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کو توبہ پر استقامت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا:۔

فاستقم کما امرت ومن تاب معک (پ:۱۲،ھود:۱۲)

ترجمہ: آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی وہ سب استقامت دکھائیں، حکم پر جمے رہیں۔

امرہ اللّٰہ تعالیٰ بالاستقامۃ فی التوبۃ امراً لہ ولا تباعہ وامتہ

(عوارف المعارف ص:۴۸۴ طبع بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو توبہ پر استقامت کا حکم دیا آپ کو حکم دیتے ہوئے اور آپ کے پیروؤں کو اور آپ کی امت کو۔

سالک کے استقامت تک پہنچنے سے پہلے اگر کہیں حملہ شدید ہو گیا اور توبہ ٹوٹ گئی تو یہ گمان نہ کرے کہ اب وہ توبہ نہ کر سکے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ یہ صرف قیامت سے کچھ پہلے ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور وہ بھی اس طرح کہ صرف کفر سے توبہ نہ ہو سکے گی اور یہ وقت قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہے۔

اللہ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے اس سے پہلے اپنے گناہوں سے نجات پانے کا یہ راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا رکھا ہے۔ گناہوں سے نجات پانا اس کے غضب سے بچ نکلنا ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب گناہگار مومن نجات چاہے وہ نجات کا امیدوار ہو، نجات کے امیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے توبہ کا فارم پر کرے، توبہ سے ہی انسانوں کو گناہوں سے نجات ملتی ہے۔ لیکن کب؟ جب وہ اپنی توبہ پر کچھ استقامت دکھائیں۔

توبہ کا عہد ہر دم آنکھوں کے سامنے رہے

سالک توبہ کا عہد کب باندھتا ہے؟ جب وہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے، اس میں شیخ چند بڑے بڑے گناہوں کا نام لے کر اس سے توبہ کراتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بیعت لیتے کن گناہوں سے توبہ کراتے تھے اس کی ایک جھلک عورتوں کی اس بیعت میں ملتی ہے:

> **یاأیھا النّبی اذا جاء ک المؤمنات یبایعنک علی ان لایشرکن باللّٰہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھنّ وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور الرحیم**
> (پ ۲۸، الممتحنہ ۱۲)

> ترجمہ: اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں حاضر ہوں تیری بیعت کرنے کو اس پر کہ اللہ کے ساتھ کسی بات میں کسی کو شریک نہ کریں گی، کبھی چوری نہ کریں گی، کبھی بدکاری نہ کریں گی، کبھی اپنی اولاد میں کسی کو قتل نہ کریں گی اور نہ کسی پر وہ بہتان باندھیں گی اور کسی نیک کام میں وہ تیری حکم عدولی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار چاہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ نے منجیات کی پہلی فصل میں ایک عنوان مداومت توبہ کا قائم کیا ہے آپ اس میں لکھتے ہیں۔

> جس شخص سے گناہ سرزد ہوا سے چاہیے کہ جلد اس کے تدارک اور کفارہ میں مشغول ہو جائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ آٹھ کام ایسے ہیں کہ اگر انہیں گناہ کے بعد کیا جائے تو وہ گناہ کا کفارہ ہو جاتے ہیں، ان میں چار دل سے متعلق ہیں اور چار بدن سے۔ دل کے چار کام یہ ہیں:
>
> ۱۔ توبہ یا توبہ کا ارادہ ۲۔ اس بات کی خواہش کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔
> ۳۔ یہ خوف کہ اس گناہ پر مجھے عذاب ہوگا۔ ۴۔ حق تعالیٰ سے عفو کی امید رکھنا
>
> جو کام بدن سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ توبہ کی دو رکعت نماز اور اس کے بعد ستر دفعہ استغفار پڑھے اور سو بار سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح کرے، ۲۔ صدقہ، جس قدر دے سکے، ۳۔ ایک دن روزہ رکھے، ۴۔ چھپے گناہ پر چھپی تضرع وزاری۔

جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو گو توبہ معظم درجے میں نہ ہو تو بھی بخشش کی امید ہے۔ (کیمیائے سعادت ص: ۴۰۰)

کوئی خوش قسمت ہی ہوگا جو گناہ کے فوراً بعد اس کے بوجھ سے نکلنے کا ارادہ کرلے تاہم ان اسباب کا جاننا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے گناہ گار توبہ نہیں کرتے۔ یہ پانچ اسباب ہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی اس شخص میں ضرور پایا جاتا ہے جن کی وجہ سے وہ توبہ کے دروازے پر نہیں آتا۔ ان میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ علاج ہے، باطنی امراض کے معالج ہی اس گناہ گار کے لیے اس خاص وجہ کا علاج تجویز کرسکتے ہیں۔ وہ پانچ اسباب یہ ہوسکتے ہیں:

۱۔ آخرت پر ایمان نہیں یا اس کے بارے میں اسے کچھ شک ہے۔

۲۔ نفسانی خواہشات اس قدر غالب آچکیں کہ ان کے ترک کی طاقت نہیں۔

۳۔ دنیا آخرت کے مقابلہ میں نقد ہے اور ادھار آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔

۴۔ توبہ کا ارادہ تو ہوتا ہے لیکن اس میں وہ تاخیر سے کام لیتا ہے۔

۵۔ ضروری نہیں کہ دوزخ میں جاؤں ہوسکتا ہے عفو کی کوئی صورت نکل آئے۔

حضرت امام غزالیؒ کے ہاں اس کا علاج

جو شخص تائب ہونے میں تاخیر سے کام لیتا ہے اس سے کہنا چاہیئے کہ تو کس بات پر بھولا ہوا ہے اور تیری مثال اس شخص کی سی ہے جس کو حکم دیا جائے کہ درخت کو جڑ سے اکھیڑ ڈال اور وہ یہ کہے کہ درخت نہایت مضبوط ہے اور میں کمزور ہوں، اگلے سال اس کو اکھیڑ دوں گا۔ ایسے شخص کو جواب دیا جائے گا کہ اے احمق اگلے سال تو درخت اور بھی مضبوط ہو جائے گا اور تو اور بھی کمزور ہو جائے گا خواہشات کا درخت بھی دن بدن مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ (ایضاً ص: ۴۰۱)

سب گناہوں سے نہیں تو ایک گناہ سے ہی توبہ کرلے

ظاہر تو یہی معاملہ ہے کہ درجہ محبت اسی کو حاصل ہوتا ہے جو تمام گناہوں سے توبہ

کرے اور وہ جو یہ کہتا ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست ہے اس کا یہی مطلب ہے ورنہ وہ گناہ صغیرہ جس سے آدمی توبہ کرتا ہے وہ توبہ اس کا کفارہ ہو جاتی ہے اور وہ گناہ مٹ جاتا ہے۔ اور تمام گناہوں سے یکبارگی توبہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور عام طور پر توبہ بتدریج کی جاتی ہے اور جس قدر توبہ میسر ہوتی ہے اسی قدر ثواب ہوتا ہے۔ صرف ایمان ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اسی سے ایمان کمزور یا مضبوط ہوتا ہے اور اسی کو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا ایمان بڑھا اور اس کا کم ہوا۔ یہ صرف کیفیت ہے جس میں کمی بیشی ہوتی ہے ایمان اپنی ذات میں کمی بیشی قبول نہیں کرتا، ہوگا تو سارا ہوگا، وگرنہ بالکل نہ ہوگا، جیسا کہ قادیانی بعض ضروریات دین کے انکار سے دین سے کلیۃً خارج مانے گئے ہیں، یہ نہیں مانا گیا کہ کوئی ۸۰ فیصد مسلمان ہو اور ۲۰ فیصد کافر۔

حضرت امام غزالیؒ کی تلقین

توبہ کرنے میں کل تک کی کیا دیر لگا رکھی ہے ممکن ہے کل کا دن تجھے نصیب نہ ہو اور تو آج ہی ہلاک ہو جائے۔ ایسے شخص سے کہنا چاہیئے کہ تو توبہ کرنے میں کیوں دیر سے کام لیتا ہے اگر اس وجہ سے دیر کرتا ہے کہ آج شہوات کا ترک کرنا دشوار ہے اور کل آسان ہو جائے گا تو اس خیالِ محال کو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ جب آج دشوار ہے ویسا ہی کل دشوار ہوگا۔ (ایضاً ص: ۴۰۲)

گناہوں سے نکلنے کی خواہش

یہ صحیح ہے کہ گناہوں سے نکلنے کا داعیہ پہلے مرید کے دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اس نے کسی شیخ کی تلاش کی اور اپنی بساط کے مطابق وہ کسی شیخ کامل کو ڈھونڈ پایا اب اس نے اس داعیہ کے ساتھ شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا یہ اس فطری طلب پر اس کا میثاق ہے جسے بیعت کہتے ہیں۔ اب شیخ اس سے بڑے بڑے گناہوں سے نام بہ نام توبہ کرا رہا ہے۔ یہ اس عہد کی تکمیل ہے اور یہی اس کی توبہ کا نقطہ آغاز ہے۔ بیعت کی پہلی منزل بیعت توبہ ہوتی ہے اگر طالب اس پر استقامت دکھائے تو اس کی یہی بیعت پھر بیعت سلوک بن جاتی ہے اور وہ اس استقامت سے سلوک کی منزلوں میں چلنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔

مقام معرفت میں آدمی کے لیے نہایت ہی شریف ترین درجات ہیں اوران کا حصول (۱) بلا مجاہدہ (۲) بدون پیر کامل کے مشکل ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں حاصل بھی ہوں پھر بھی جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو اور اس سعادت کا حاصل ہونا قسمت میں نہ ہو تو مراد کو نہ پہنچے گا۔

(کیمیائے سعادت ص:۱۴)

تصوف کی لائن میں اس کا پہلا قدم کسی شیخ کامل کی تلاش میں اٹھا اور پھر اس نے اپنا ہاتھ اس شیخ کے ہاتھ میں دیا اور توبہ کا عہد باندھ لیا اس سے وہ اس شیخ کی خانقاہ تربیت میں آ گیا۔ راہ سلوک کا یہ مسافر اب اپنی منزل پر کب پہنچے گا یہ ہر ایک کے اپنے اپنے حالات پر موقوف ہے اور یہ ہر ایک کا اپنا اپنا نصیب ہے۔ ہم یہاں صرف توبہ کی بات کر رہے ہیں کہ اس سے انسان اپنے گناہوں کے وبال اور اللہ کے غضب سے نکل آتا ہے ہاں یہ بات اصولی درجے میں ہر وقت سامنے رہے کہ توبہ میں عوام وخواص کے اپنے اپنے مقامات ہیں۔

توبہ میں عوام وخواص کے اپنے مقامات

ضروری نہیں کہ توبہ گناہ سے ہی ہو، توبہ میں عوام وخواص کے اپنے مقامات ہیں۔

شیخ ذوالنون مصریؒ (۲۴۵ھ) فرماتے ہیں۔

عوام گناہوں سے اور خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور انبیاء اس وقت توبہ کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اور دوسرے لوگ جن درجات پر پہنچ گئے وہ ان پر پہنچنے سے قاصر رہے۔ آپ کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

و توبة الانبياء من رؤية عجزهم عن بلوغ ماناله غيرهم

ترجمہ: انبیاء کی توبہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو اس مقام تک پہنچنے میں عاجز پائیں جس تک اور دوسرے پہنچ چکے ہیں۔ (عوارف المعارف ۴۸۷)

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

حضور ﷺ نے فرمایا میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ کا قدم ہمیشہ ترقی پر تھا تو جس قدم گاہ پر بھی حضور پہنچتے وہاں ایسا کمال دیکھتے کہ اس سے آپ کا پہلا قدم (آپ کی نگاہ میں) ناقص

ہوتا تو حضورؐ اس پچھلے قدم سے توبہ واستغفار کرتے۔ یہ اس لیے کہا گیا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے لیے کمزوریاں ہیں کہ وہ اس سے توبہ کرتے ہیں۔

(کیمیائے سعادت ص: ۳۹۲)

سوان مقربین کی توبہ ترک افضل سے ہے نہ کہ گناہ سے۔ گناہ کا لفظ جب پیغمبروں کی طرف منسوب ہو تو یہ اپنے ظاہر معنی پر نہیں ہوتا۔

قرآن وحدیث میں جہاں بھی ذنب کی نسبت کسی نبی کی طرف کی گئی ہے تو اسے خلاف ظاہر پر لائیں گے، انبیاء کرام کا گناہوں سے بچے ہونا، معصوم ہونا اسلام کے قطعی عقائد میں سے ہے اس کے خلاف جہاں کوئی روایت یا آیت ملے وہاں گناہ سے مراد ترک افضل لیا جائے گا، وہاں حقیقت گناہ ہرگز متصور نہ ہوگی۔

توبہ کے آداب

جو شخص توبہ کرے تو پورے آداب بجالائے اور دعا کرے۔ ضروری ہے کہ اس وقت اس کا لباس جو اس نے زیب تن کر رکھا ہے کسب حرام سے تیار کردہ نہ ہو، پیٹ میں جو کھانا ہضم کی منزل سے گزر رہا ہے وہ کسب حرام سے نہ ہو، پکانے والے نے بھی اس میں پاکیزگی کا پورا لحاظ رکھا ہو۔ آنحضرت ﷺ ایک مسافر مسکین کا حال کا ذکر کرتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یارب یارب پکار رہا تھا حضورؐ فرماتے ہیں اس کی دعا کیسے قبول ہو جب کہ اس کا لباس اور کھانا سب مال حرام سے ہے۔

یمد یدیه الیٰ السماء یا رب یا رب و مطعمه حرام و مشربه حرام وملبسه حرام و غذی بالحرام فانّٰی یستجاب لذٰلک!

(رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ: وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے یارب یارب پکار رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا اور پہننا سب مال حرام سے ہے، حرام غذا پر پل رہا ہے سو اس کی دعا اس صورت حال میں کیسے اجابت پائے گی۔

سوچا ہیے کہ:

۱۔ توبہ کے لیے وہ مال حلال سے بنے لباس میں آئے، حلال روزی سے کھانا کھائے اور کسی بزرگ کے پاس توبہ کے لیے حاضر ہو جو اس سے آداب کے مطابق توبہ کرا سکے۔

۲۔ بزرگوں سے بھی اپنے حق میں استغفار کروائے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ولو انّھم اذ ظلموا انفسھم جآءوک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توّاباً رّحیما (پ:۵، النساء:۶۴)

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی (گناہ کمائے) تیرے پاس آجائیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پالیتے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

۳۔ وہ گناہ اگر اس قسم کا ہو کہ دوسروں پر بھی اس کا اثر آتا ہو تو اس صورت میں صرف چھپی توبہ کافی نہیں اس رجوع الی الحق کو وہ عام کرے اور اس گناہ کے دوران جو اس نے بگاڑ پیدا کیا ہے اسے درست کرے توبہ کے لیے اس کا عام اقرار اور اپنے اور پیدا کردہ حالات کی اصلاح دونوں ضروری ہیں۔

ان الذین یکتمون ما اُنزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بیّناہ للنّاس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللّٰہ و یلعنھم اللاعنون O الا الذین تابوا واصلحوا وبیّنوا فاولٰئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم (پ:۲، البقرہ:۱۶۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ احکام الٰہی چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے وہ کتاب میں کھلے طور پر بیان کردیئے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردیتے ہیں، اور ہر لعنت کرنے والا ان پر لعنت کرتا ہے ہاں وہ لوگ اس پاداش سے نکل جاتے ہیں جو (۱) توبہ کریں، (۲) اپنی غلطی کو کھلے بندوں بیان کرین اور اپنے بگاڑے کام درست کریں تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرلیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

توبہ کا طریق کار معلوم ہو چکا اور اس کے آداب بھی واضح ہو گئے یہ عمل کسی شیخ کے

ہاتھ پر ہو تو طریقت کی راہ میں پہلا قدم اٹھ گیا۔ البتہ یہ احتیاط درکار ہے کہ طالب کسی ابلیس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے، شیخ صحیح طور پر بزرگی کا اہل ہونا چاہیئے۔ حضرت مولانا رومؒ (۶۷۴ھ) ساتویں صدی میں ہی یہ نصیحت کر گئے تھے اور ہم اب پندرھویں صدی میں جی رہے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

اے بسا ابلیس آدم روے ہست
پس بہر دستے نبا ید داد دست

ترجمہ: اے سلوک کے طالب بہت ابلیس انسانوں کی شکل میں اس رہ گذر میں آبیٹھے ہیں دیکھنا ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دینا (بدعتی پیر سے بچنا از بس ضروری ہے)

یعنی اس راہ میں ذرا بچ کر چلنا جو اس راہ میں محنت کریں گے اللہ تعالیٰ خود ان کے لیے راہیں کھول دیں گے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین
(پ: ۲۱، العنکبوت: ۲۹)

صحبت کن شرائط سے عمل میں آنی چاہیے

شیخ عقائد اسلام کو پامال نہ کرے

۱۔ مومن پر اطاعت پیغمبر فرض ہے اس کا انکار کفر ہے، اپنے اولوالامر کی اطاعت بھی فرض ہے وہ (۱) حکام ہوں تو اس شرط سے ان کی اطاعت فرض ہے کہ ان کا وہ حکم اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے نہ ٹکرائے اور (۲) مجتہدین ہوں تو اس عقیدے سے ان کی پیروی کرے کہ ان کے فتوے کے خلاف اسے قرآن وسنت کا کوئی حکم نہیں ملا۔

۲۔ شیخ طریقت کی اتباع بھی اس کے اولوالامر کی سی ہے اس کی اطاعت اس شرط کے ساتھ کی جائے کہ شیخ کی کوئی بات کتاب وسنت اور مجتہدین کے عقیدہ کے خلاف نہ پڑے گی۔

۳۔ اس راہ کا طالب پیغمبر کی اطاعت میں اور شیخ کی اطاعت میں واضح فرق محسوس کرے۔ شیخ اپنے مرید کے ذہن میں یہ فرق ضرور ڈالے کہ وہ پیغمبر کو معصوم جانے اپنے اور شیخ کو غیر معصوم۔ اپنے شیخ سے کوئی ایسی بات دیکھے جو بظاہر کتاب وسنت اور احکام فقہ کے خلاف

نظر آئے تو رجوع کرے اور ان سے اس آیت پر عمل کرنے کی نیت سے وہ بات (شیخ کا نام لیے بغیر) دریافت کرے۔

فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ ۱۷، الانبیاء ۷)

ترجمہ: تم اہل علم سے پوچھ لیا کرو اگر تم جانتے نہیں۔

اس سے اسلام کے اس عقیدے کی حفاظت رہے گی کہ اسلام میں غیر مشروط اطاعت صرف اللہ رب العزت اور اس کے پیغمبر کی ہے شیخ کتنے ہی اونچے درجے کا کیوں نہ ہو اپنے مریدوں پر اپنی پیروی اس طرح لازم نہ کرے کہ مرید اطاعت پیغمبر، اطاعت مجتہد اور اطاعت شیخ میں کوئی فرق محسوس نہ کرے۔

۴۔ مرید بیعت کی غرض سے ناواقف نہ ہو

دین سے ناواقف لوگ صرف دعاؤں اور تعویذات کے لیے پیروں کی طرف رخ کرتے ہیں کہ حسب ضرورت کوئی دعا کے لیے خط لکھ دیا یا کوئی تعویذ وغیرہ ان سے منگوالیا۔

دعا کے لیے کسی بھی نیک آدمی سے گزارش کر سکتے ہیں تعویذ کسی سے بھی لے سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو۔ لیکن پیر کی بیعت صرف اپنے اصلاح باطن کے لیے اور اپنی روحانی تربیت کے لیے ہوتی ہے، اگر آپ کو اپنے پیر کی بیعت کئے سالہا سال ہو گئے، آپ کا اس سے ملنا جلنا بھی تمام رہا اور پھر بھی آپ اپنے اندر کوئی روحانی اصلاح محسوس نہیں کرتے تو پھر بات اس پر آٹھہرے گی کہ یا اس پیر کی کوئی بات آپ پر اثر نہیں کر پائی یا وہ پیر خود اندر سے خالی ہے جو اپنے مرید مخلص کو کسی درجے میں آگے نہیں لا سکا۔

۵۔ شیخ کامل کی علامات اسے معلوم ہوں

پورے طور پر نہ سہی لیکن اصولی درجے اور عام فہم پیرائے میں اسے شیخ کامل کی کسی درجے میں پہچان ہو۔

اب ہم آگے یہاں اس راہ میں کامیاب ہونے والوں کی زبان سے شیخ کامل کی کچھ علامت ذکر کرتے ہیں۔ جب مشائخ ان صفات کے حامل ہوں تو پھر کسی بدعقیدہ کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی کہ یہ پیروں کا ایک دھندہ ہے جس میں وہ اپنے آپ کو لوگوں میں ابھارتے ہیں اور اپنے مریدوں کو وہ بالکل غلام بنا کر رکھ دیتے ہیں وقد ولدت امھاتھم احراراً۔

باب ہفتم

آداب المشائخ

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

طالب اس راہ میں (راہ طریقت میں) جن ہاتھوں میں ہاتھ دے ان کے بارے میں اسے کم از کم یہ بنیادی معلومات ضرور حاصل ہوں۔

(۱) اس شیخ نے طریقت کا فیض جس بزرگ سے پایا ہو اور اس سے اس نے خرقہ خلافت پہنا ہو وہ تقویٰ و طہارت میں اپنے وقت میں اللہ والوں میں معروف رہا ہو اور بحر طریقت میں اپنے وقت کا معروف شناور ہو، اس وقت کے دیگر اہل حق ان امور میں اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ جو شیخ خود منازل سلوک طے نہ کئے ہو وہ خود ساختہ بزرگ اپنے ان دوستوں کی روحانی تربیت کیا کر سکے گا۔ طریقت صرف ذکر میں سر ہلانا نہیں یہ ایک پورے طریقہ زندگی میں آنا اور قرب الٰہی میں جانا ہے۔

(۲) شیخ طریقت میں سب سے پہلی اور نمایاں صفت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ صحیح العقیدہ اہل سنت ہوں اور اس کے اخلاق میں نور سنت چھلکتا ہو۔ مشائخ کرام حضور کی حسن اقتداء سے سنورے ہیں اور اس مسند ارشاد پر آئے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں:۔

اخلاق المشائخ مہذبۃ بحسن الاقتداء برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ہم احق الناس باحیاء سنۃ فی کل ما امر وندب وما انکرو کرہ

ترجمہ: مشائخ کرام کے آداب زندگی سنت کی پیروی سے ہی ترتیب پاتے ہیں یہی حضرات (مریدوں میں) احیاء سنت کا حق رکھتے ہیں ہر اس چیز میں جس کا حضور نے حکم دیا آپ نے اسے اچھا جانا اور جس

سے آپ نے روکا یا آپ نے اسے ناپسند کیا۔

حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی بزرگوں کی یہ اقتداء جاری رہی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پیروی کا عہد باندھا۔

حضرت عثمان غنیؓ ارشاد فرماتے ہیں:۔

انما بلغتم مابلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم (تاریخ ابن جریر طبری جلد: ۵، ص: ۴۵)

ترجمہ: تم جہاں بھی پہنچے ہو اقتداء اور اتباع کی بدولت پہنچے ہو دیکھنا یہ دنیا کہیں تمہیں اپنے مقام سے نہ بچلا دے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے نصب خلیفہ کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳۲ھ) نے بھی عہد لیا تھا۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو کھڑا کیا اور ان سے کہا:۔

قم الی عثمان فاخذ بیده فقال هل انت مبایعی علی کتاب الله وسنة نبیه وفعل ابی بکر وعمر فقال اللهم انی نعم. فرفع راسه الیٰ سقف المسجد ویده فی یدعثمان فقال اللهم اسمع واشهد اللهم اسمع واشهد اللهم انی قد خلعت ما فی رقبتی من ذلک فی رقبة عثمان (البدایۃ والنھایہ جلد ص ۱۴۷)

ترجمہ: اے عثمان! میری طرف آ۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا تم مجھ سے عہد کرتے ہو کہ کتاب اللہ، سنت نبی پاک ﷺ اور ابوبکر وعمر کے طریقے پر عمل کرو گے۔ آپ نے کہا، بخدا، ہاں! اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف اٹھایا اور اپنا ہاتھ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا اور آپ نے کہا، اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، میں نے اپنی گردن سے اپنی ذمہ داری اتار دی ہے اور اسے عثمان کی گردن میں ڈال دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے بعد صالحین امت کی پیروی کی جانی چاہیے۔

(سنن نسائی جلد ۲ ص)

سو جو پیر بدعات میں ملوث ہو سنت کی آواز دینے والا نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اسے پیر بنایا جائے سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جو پیر متلون مزاج ہو وہ کبھی اپنے مرید کو استقامت پر نہ لا سکے گا۔

(۳)۔ شیخ طریقت کے وظائف میں سے ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے بلکہ کبھی اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو اسے اپنے مرید کے ہاں (تکریم و تعظیم کے طور پر) حاصل ہے وہ کبھی اس مرتبہ سے نیچے آ کر تواضع اختیار کرے اور وہ تواضع بھی دکھاوے کے طور پر نہ ہو، وہ تواضع میں اترا نظر آئے شیخ دقاق رحمۃ اللہ علیہ پسند نہ فرماتے کہ ان کے معتقدین انہیں پہلے سلام کریں آپ فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو کبھی اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا کہ میں خود کو اس امر کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے۔

سو جو پیر خود چاہیں کہ ان کے آنے پر ان کے مرید دست بستہ قیام کریں اور وہ اپنے پرانے مریدوں کو سکھلائیں کہ وہ نئے مریدوں کو اس درجے کی تعظیم پر لائیں، یا انہیں تعظیمی سجدے کے اشارات دیں تو وہ پیر اس لائق نہیں کہ ان کی ارادت باقی رکھی جائے وہ پیر نہیں وہ پیر کا صرف ایک بہروپ ہیں جو جوگیوں کے سے شعبدے دکھا کر اس آزاد مخلوق کو غلام بنائے ہوتے ہیں۔

(۴)۔ شیخ ابتداء میں اپنے مریدوں کو معصیت سے دور رکھے اور رخصتوں کی حدود کی رعایت کرے اس میں خیر کثیر ہے اور جب تک مرید رخصت کی سہولتوں کو عبور نہ کر لے وہ اس وقت تک اسے آزاد ہی رہنے دے اسے دوسرے علماء اور مشائخ سے ملنے سے نہ روکے ہاں جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں کی صف میں آ جائے تب وہ اس کو بتدریج ہمت اور عزیمت کی منزلوں پر لائے۔

(۵)۔ شیخ مرید کے مال پر نظر نہ رکھے وہ اپنے مریدوں سے مال کا طالب نہ ہو اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ مشائخ ان مریدوں کی خدمت سرانجام دیتے ہیں اور وہ اسے ان پر صدقہ سمجھتے ہیں اس کی ان سے کوئی قیمت نہیں لیتے۔ اس راہ میں ان کے لیے حضور علیہ ﷺ کا یہ ارشاد مشعل ہدایت بنتا ہے۔

ما تصدق متصدق بصدقة افضل من علم يبثه في الناس

ترجمہ: کسی صدقہ کرنے والے نے اس سے بہتر کوئی صدقہ نہیں کیا کہ وہ لوگوں کو علم کا فیض پہنچائے۔

جو کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کئے جاتے ہیں قرآن کریم کہتا ہے کہ انہیں نفس کی آلودگی سے پاک رکھا جائے۔

انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولاشکورا

(پ:۲۹، الدھر:۹)

ترجمہ: ہم تمہیں خاص اللہ کی رضا کے لیے یہ خوراک دے رہے ہیں ہم تم سے کوئی ہدیہ یا شکر گزاری نہیں چاہتے۔

(۶) شیخ صرف ملاقات کے لیے اپنے کسی مرید پر اپنے پورے سفر کا بوجھ نہ ڈالے، مرید اپنی اصلاح کے لیے خود آستانہ شیخ پر حاضری دے اور وہاں کچھ دن رہے۔ وہ شیخ کو اپنے ہاں آنے کی صرف اسی صورت میں دعوت دے کہ اس نے اپنے ہم مسلک لوگوں کا اپنے ہاں ایک حلقہ بنایا ہو، جن کی اصلاح و تربیت کے لیے وہ شیخ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہا ہے، صرف ملاقات کے لیے وہ یہ بوجھ نہ اٹھائے۔ ایک مرید حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں آیا کہ اپنا سارا مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپؒ نے فرمایا:۔

تم سارا مال صرف نہ کرو اپنے گزارہ کے لیے کچھ اس میں سے روک لو باقی صرف کر دو اور جو مال اپنے گزارہ کے لیے روکو اس میں اپنا گزارہ کر لو اور حلال مال کی طلب کرو اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تمام خرچ نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس پھر اس کی طلب کرے۔

(عوارف المعارف مترجم ص:۵۷۸)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

جب مرید پیر کے حضور حاضر ہو تو پیر کے لیے لازم ہے کہ مرید کو محض خدا کے لیے قبول کر لے نہ کہ اپنے نفس کے لیے، اسے چاہیے کہ مرید کو پند و نصیحت کرے اس پر مہربانی کی نظر رکھے۔ اپنے آرام کے لیے پیر کو مرید کی کوئی چیز قبول نہ کرنی چاہیے، اس کے پاس مال ہو تو اس سے فائدہ نہ

اٹھائے نہ ہی مرید کی خدمت سے فائدہ اٹھائے۔(غنیۃ الطالبین ۶۴۳)

پیروں کے اس کردار پر نظر رکھی جائے کہ وہ اپنے مریدوں پر کس کس طرح اور کن کن پیرایوں سے مالی بوجھ ڈالتے ہیں کیا وہ خود اس طرح یاکلون اموال الناس بالباطل (پ۱۰، التوبۃ ۳۴) کے عذاب میں گھرے ہوئے تو نہیں۔

پیر ہمیشہ ظنّیت کی ادا میں رہتا دکھائی دے

اسلام میں قطعی درجے میں پیشوا برحق ہونا صرف اور صرف نبوت کی شان ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر ہر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے انبیاء اور رُسل کے۔غیر نبی اپنے علم میں امام ابراہیم النخعیؒ (۹۶ھ) اور حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کے درجے تک کیوں نہ پہنچ جائے اور شیخ طریقت حضرت جنید بغدادیؒ ()، ابوبکر شبلیؒ () اور ابوالحسن خرقانیؒ () کی شان کیوں نہ پالے وہ اس قطعیت میں نہیں آپاتا جو صرف انبیاء کرام اور رُسل عظام علیہم السلام کی شان ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں سے بھی کوئی اس درجہ قطعیت میں نہیں جانا جاتا تھا۔ جو پیر اپنے آپ کو درجۂ ظنّیت سے کچھ بھی اوپر لے جائے مرید کو چاہیے کہ اسی وقت اس کی ارادت سے کنارہ کشی ہو وہ شریعت میں کہیں بھی مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ یہ صرف پیغمبر کی شان ہے کہ جو اس کی ارادت سے نکلے اسی وقت اسے مرتد شمار کیا جائے، بشرطیکہ اس کے حواس صحیح ہوں۔ سو ضروری ہے کہ پیر اپنے مریدوں پر اپنی پیشوائی اور قیادت کا اس طرح نقش نہ بٹھائے کہ وہ اسے درجہ قطعیت میں اپنا پیشوا سمجھنے لگیں اور اس کی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہر صورت میں اسے حق پر جانیں۔ اس قطعی درجے کے پیشوا صرف انبیاء و مرسلؑ ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبى من رسله من يشآء فاٰمنو بالله ورسله" (پ۴، آل عمران ۱۷۹)

ترجمہ: "اور اللہ کی شان نہیں کہ تم عام لوگوں کو وہ اپنے غیب کی کوئی قطعی اطلاع دے، ہاں لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے

چاہے۔ سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔"

ساتویں صدی میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) اپنے مکاشفات میں اور ان کے پیرو خاص علامہ عبدالوہاب الشعرانی (۹۷۳ھ) ان کی پیروی میں کچھ ایسے نکلتے دکھائی دیئے کہ ان کے ہاں پیروں کی پیروی اس درجہ میں قطعی گمان ہونے لگی جو صرف انبیاءؑ کی شان ہے۔

ابن عربی تو پھر بھی ویسے رہے اپنے مکاشفات کو انہوں نے دوسرے مشائخ پر لازم نہ کیا لیکن دسویں صدی میں علامہ شعرانی کچھ اس طرح اڑے کہ ان مقامات کو قواعد تصوف ٹھہرایا اور ایک مستقل کتاب "الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ" لکھ دی جس کا عام اثر یہ ہوا کہ تصوف اپنے اس جوہر سے خالی ہو گیا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی میراث تھی۔

دسویں صدی کے اس غلو کے خلاف گیارہویں صدی کے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۲۴ھ) اٹھے اور اپنے فاروقی جلال سے پیروں کی اس پیروی کو آپ نے ناجائز بتلایا۔ بعض اونچے درجے کے اولیاء کرام نے ابن عربی کو عالم برزخ میں بیشک مقبولین میں دیکھا اور ان پر لگے الزامات کے جوابات بھی دیئے۔ "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی" لکھی۔ لیکن پھر بھی ان کی کتابوں کو نہ پڑھنے کا مشورہ دیا، اور علامہ شعرانی کی اس کتاب کو تو چودھویں صدی کے مجدد حضرت تھانویؒ نے بھی کوئی رعایت نہ دی۔

مجدد الف ثانی حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ نے بھی شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" نہ پڑھنے کا مشورہ دیا اور پورے جلال فاروقی سے فرمایا: "ہمیں فص نہیں، کتاب و سنت کی نص چاہیے۔" اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے علامہ شعرانی شافعی کی مذکورہ کتاب میں تاویل کی کوئی راہ نہیں دی اور اسے ہر صورت میں چھوڑنے کا حکم دیا۔

دسویں صدی میں پیروں کا اپنے مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کا شوق کس طرح قطعی پیرائے میں آ گیا تھا اسے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے قارئین بھی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیں:

ہم یہاں اس کتاب کی عربی عبارات نہیں دے رہے، اس کے اردو ترجمہ سے

انہیں ان اقتباسات سے پیش کر رہے ہیں۔ اس میں اگر کوئی ایسی بات ہو جو علامہ شعرانی نے نہ کہی ہو اور وہ مترجم کا اپنا اضافہ ہو تو اسے علامہ شعرانی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔ آپ اس کتاب کے اردو ترجمے کی یہ عبارات ملاحظہ کریں اور پھر یہ فیصلہ خود کریں کہ کیا ان عبارات میں پیروں کو قطعی درجے میں پیشوا بنانے کا سبق تو نہیں دیا جا رہا؟

(۱) ''مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔ شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔''

اس قطعی درجے میں تو صرف نبوت ہو سکتی ہے کہ اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھا جائے۔ قرآن کریم میں ہے:

''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ''

یہ عقیدہ تو کسی صحابی کے بارے میں بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا امام کیوں نہ ہو اور کتنا ہی بڑا شیخ طریقت کیوں نہ ہو اسے ظنی درجے سے ذرہ بھر بھی اونچا نہیں سمجھا جا سکتا۔ قطعی درجے میں لائق پیروی ہونا صرف نبوت کی شان ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۷۹ میں اس پر نص وارد ہے جس کے مقابل کوئی فص لائق قبول نہیں رہی۔

اس کتاب کا ایک اور قاعدہ ملاحظہ ہو:

(۲) ''مرید کا اپنے شیخ کی صحبت کو لازم پکڑنا بعض اوقات مکہ مکرمہ کے نفلی سفر سے بھی افضل ہوتا ہے۔ شیخ مرید کو بیت اللہ کے مالک تک پہنچاتا ہے جو کہ بیت اللہ سے افضل ہے۔''

اس تعبیر میں کعبہ کی بے ادبی لپٹی ہے اور اسے اللہ کے بالمقابل لایا جا رہا ہے۔ حالانکہ کعبہ مکرمہ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات پڑتی ہیں، اس کی تجلیات کو اس سے کبھی بھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔ زائرین جب طواف کعبہ پورا کرنے کے بعد باب کعبہ سے لپٹے ہوتے ہیں تو کیا ان کا کبھی یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیر کی مجلس ہمارے استلام کعبہ سے بھی اونچا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی اس تصور کو اپنے ہاں جگہ نہیں دے سکتا۔

(۳) پھر اس کتاب الانوار القدسیۃ میں شیخ کی اطاعت کو اس قطعی درجے میں

لانے کی اس طرح بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔''

لایعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون (پ، التحریم ۶)

ترجمہ: ''وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کے خلاف نہیں چلتے اور جو کچھ انہیں کہا جائے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔''

پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے، اسی طرح شیخ کی موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔ جس طرح انسان کے دو معبود نہیں، عورت کے لیے بیک وقت دو شوہر نہیں، اسی طرح مرید کے لیے دو شیخ طریقت نہیں۔ جو سالک ایک وقت میں کئی مشائخ سے واسطہ رکھے گا کبھی کامیاب نہ ہوگا۔''

غور کیجیے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مقلد اگر کسی مسئلے میں ان کی بات پر نہ چلے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے فتوے پر چلے اسے تو نہیں کہا جاتا کہ وہ امام صاحبؒ کے مقلدین سے نکل گیا۔ کیا یہ بات اس دور کے سالکین نہ جانتے تھے کہ قادری سلسلے کے عظیم بزرگ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ کا روحانی رشتہ بیک وقت حضرت امروہیؒ اور حضرت دینپوریؒ دونوں سے تھا۔

اب اس بات پر بھی پوری نظر ہونی چاہیے کہ دسویں صدی میں علامہ شعرانی (۹۷۳ھ) نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کے مکاشفات کے زیر اثر مقام ولایت کو مقام نبوت کے بھی کچھ آگے دیکھنے کی کوشش کی۔ گیارہویں صدی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) نے اس کی کھلے طور پر تردید کی۔ علامہ شعرانی نے اپنے ان خیالات میں جو پہلے صوفیہ کرام سے استناد کیا ہے یہ بات سرے سے ہی غلط ہے۔ آپ اپنے مکتوب نمبر ۲۶۶ میں لکھتے ہیں:

''عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں

را بحق سبحانه و تعالیٰ مفوض داریم. ایں جا قول امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ معتبر است نہ که عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری."

ترجمہ: "اہلِ تصوف کا عمل جائز اور نا جائز کے تعین میں ہر گز سند نہیں۔ انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کریں۔ حلال وحرام کے تعین میں (فقہاء سے سند لینی چاہیے) یہاں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال لائیں، نہ کہ حضرت ابو بکر شبلی اور ابو حسن نوری کے۔"

اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صرف علامہ شعرانی کی ہی تردید نہیں کی بلکہ علامہ شعرانی کے ذہنی مرشد شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صاحب کی "فصوص الحکم" کا ذکر کر کے ان کی بھی تردید کر رہے ہیں۔ انہیں صرف اتنی رعایت دی ہے کہ ہم انہیں ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کر دیں۔

(۴) اکابر علماء دیو بند نے بھی اپنے ہاں علامہ شعرانی کے ان قواعد کی کھلے بندوں تردید کی۔ امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۳۱۷ھ) جو تقریباً تمام اکابر علماء دیوبند کے شیخ و مرشد ہیں انہوں نے بھی اپنے وقت میں جام شریعت کو ذرا چھلکنے نہ دیا۔ چودھویں صدی کے مجدد اور حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ارشد حضرت تھانوی صاحبؒ، حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ کو اپنے پورے حلقہ کے لیے ایک اصولی نقطہ ٹھہراتے ہیں۔ جس کی پشت پر دیوبندی مشرب کے سب مشائخ طریقت چاہے وہ چشتی صابری ہوں یا نقشبندی ایک ہی صدا لگاتے سنے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:

"سب سن لیں! میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا، اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام

اجازت ہے جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کی ضرورت ہے تو بیعت کی بھی اجازت ہے۔"

(اشرف السوانح، ص: ۳۱۲)

امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے "اپنا بندہ نہ بنانے اور خدا کا بندہ بنانے" کے یہ الفاظ کیا علامہ شعرانی کی کتاب قواعد صوفیہ کے بیانات کی پوری غمازی نہیں کر رہے؟ اور کون سا حضرت، حاجی صاحبؒ سے پہلے گزرا ہے جس نے اس جلی پیرائے میں مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کے ایسے جال بنے ہوں؟ پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ان الفاظ میں کہ پیروں کے عمل کو اپنے لیے سند نہ بناؤ، یہاں فقہاء سے فیصلے درکار ہیں، کیا دسویں صدی کے یہ حالات اس بات کی خبر نہیں دیتے کہ اس دور میں کس طرح مریدین کو اپنا بندہ بنانے کی یہ راہیں کھولی جا چکی تھیں۔ یہ سوائے اس کے کہ علامہ شعرانی کی اس کتاب "الانوار القدسیہ" کی کھلی تردید ہو اور کیا سمجھ جا سکتا ہے؟

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ علامہ شعرانی الشافعی (۹۷۳ھ) نے فقہ شافعی سے کچھ رعایت لے کر یہ جو راہ کھولی، فقہ حنفی کے علمبرداروں نے وہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) ہوں یا پھر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) ہوں یا پھر مجدد صدی چہاردہم حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ () تمام فاروقی جلال کے حاملین اور وارثین نے کھل کر علامہ شعرانی الشافعی کے ان خیالات کی تردید فرمائی ہے۔

سو اب کسی حنفی کو زیبا نہیں کہ وہ امام سلسلۂ نقشبندیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ یا امام الطائفہ (حضرات علماء دیوبند) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ان فیصلوں کے بعد مریدوں کو اپنا بندہ بنائے۔ تمام نقشبندیوں اور دیوبندیوں کو چاہیے کہ لوگوں کو اللہ کا بندہ بنائیں۔ علامہ شعرانی کی اس کتاب سے اپنا بندہ بنانے کے آداب نہ سکھلائیں۔ علامہ شعرانی نے دسویں صدی میں یہ باتیں کہیں اور حضرت مجدد الف ثانی نے جو گیارہویں صدی میں ہوئے اس قسم کے پیروں کی کھل کر تردید کی سو کسی نقشبندی کو نہ چاہیے کہ وہ علامہ شعرانی کے ردّ میں حضرت مجدد الف ثانی کی اس قسم کے پیروں کے خلاف شکایات کو نظر انداز کرے۔

پیروں کا قطعیت سے نکلنے کا ایک عمل

علامہ شعرانی نے مریدوں کو جس قطعی درجے میں اپنے پیشوا ہونے کا سبق دیا ہے انہوں نے پھر اپنے آپ کو اس غلط سبق سے نکلنے کی بھی ایک راہ بتلائی، وہ یہ کہ وہ اپنے پیروں کو اس درجے میں نہ سمجھیں کہ وہ ہر ضرورت اور حاجت سے مستغنی ہیں، یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ ہر حاجت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ ہم پیر اس درجے میں نہیں کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہ ہو اور اس کے اہل وعیال دینی دنیوی زندگی میں مریدوں کے حاجت مند نہ ہوں۔
اس کے لیے علامہ شعرانی کی اس کتاب الانوار القدسیہ کی ایک یہ دفعہ بھی ملاحظہ ہو:

> (۴۴) ''مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ سید ابو العباس سرسیؒ نے اپنے شیخ حضرت سید محمد حنفی پر تیس ہزار دینار خرچ کیے۔ لوگوں نے ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ساری دنیا کے خزانے بھی ایسے شیخ پر نچھاور کر دوں تو بھی وہ اس ایک ادب کی قیمت نہیں رکھتے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا۔''

کیا کوئی سنجیدہ شخص اس راہِ عمل کو پیروں کا اپنے مریدوں کو عقیدہ قطعیت سے ہٹانے اور انہیں اپنی ضروریات اور حاجات کا احساس دلانے کا ایک سبق کہہ سکتا ہے؟ نہیں! یہ ہرگز طریقت کا کوئی مخلصانہ سبق نہیں۔ کوئی راہِ طریقت کا مسافر پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اس سبق کو نہیں بھول سکتا:

> ''جب مرید پیر کے حضور حاضر ہو تو پیر کے لیے لازم ہے کہ مرید کو محض خدا کے لیے قبول کرے نہ کہ اپنے نفس کے لیے۔
> اسے چاہیے کہ مرید کو پند ونصیحت کرے، اس پر مہربانی کی نظر رکھے۔
> اپنے آرام کے لیے پیر کو مرید کی کوئی چیز قبول نہ کرنی چاہیے۔ اس کے پاس مال ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھائے، نہ ہی مرید کی خدمت سے فائدہ اٹھائے۔'' (غنیۃ الطالبین، ص: ۶۴۳)

کیا کوئی طالب علم یہاں یہ سوچے بغیر رہ سکتا ہے کہ جب رسالت کا درجہ ولایت سے بہت اونچا ہے تو جب پیر کے بتلائے ایک ادب کی قیمت اپنا تمام مال اس پر لگا کر بھی پوری نہ ہو گی تو ذاتِ رسالت سے اس نے جو ہدایات پائیں اور جو اسباق پورے کیے ان کا مالی بوجھ افرادِ امت پر کیا ہو گا؟ پھر یہ کیوں ہوا کہ ہر پیغمبر اپنے حلقۂ دعوت میں یہی صدا کیوں لگاتا رہا:

"لا اسألكم عليه اجراً"

ترجمہ: کہ میں تم سے اپنے اس سبق ہدایت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔

پیغمبر تو اپنے سبق کا کوئی اجر نہ مانگے اور پیر اتنا بڑا اجر مانگے، تو کیا ان دونوں میں کوئی راہِ تطبیق ہو سکتی ہے؟ مریدوں کا یہ کہنا کہ انوار قدسیہ کی یہ دفعہ کسی عمل کے لیے محض مرید بن کر اپنے پیروؤں کو عقیدۂ قطعیت سے نکالنے کی ایک تجویز ہے، اسے کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

یہ اپنے مریدوں کو درجہ ظنّیت سے نکالنے کی برین واشنگ کے بعد ان کے مال کو اپنے لیے نکالنے کی ایک نہایت تاریک راہ ہے۔ پھر اس پر ہمارا تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ ایسے پیروں کے حلقۂ ارادت میں پھر مختلف حلقے لگتے ہیں۔ کبھی یہ حضرت تاجر برادری کی ایک میٹنگ میں بیٹھے سنے جا چکے ہیں، کبھی ڈاکٹروں کے ساتھ، کبھی وکلاء کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نشستیں ہوتی ہیں۔ کسی غریب مخلص مرید کی کیا مجال کہ دولت کی اس ریل پیل میں اپنے لیے صف میں کوئی جگہ پا سکے۔

آنحضرت ﷺ نے تو سب مسلمانوں کو ایک امت بتایا تھا۔ نمازوں میں سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی انصار سے علیٰحدہ نشست نہ کی تھی، نہ ہی کبھی مہاجرین کا علیٰحدہ کیمپ لگایا تھا نہ یہ کہ کبھی بدوؤں کے ساتھ یا بیعت رضوان والوں کے ساتھ یا فتح مکہ کے وقت مکہ داخل ہونے والے صحابہؓ سے کبھی علیٰحدہ علیٰحدہ نشستیں کیں۔ یہ پیران کرام کس راہِ طریقت میں ایک امت میں یہ مختلف کلاسز لگا رہے ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ بن رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

پیروں کی عقیدۂ قطعیت سے نکلنے کی اس توجیہ سے شاید کوئی بھی اتفاق نہ کرے کہ یہ پیروں کو حاجت مندانہ محتاج ہونے کے مقام پر لانے کے لیے اور اپنے آپ کو ان کے قطعی

درجے کے پیشوا ہونے کے عقیدہ سے نکالنے کی محض ایک کاغذی تجویز ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ اپنے آپ کو درجۂ قطعیت میں رکھنے کی یہی ظلمت کچھ کم نہ تھی کہ یہ مرید کے مال پر اپنا حق رکھنے کی دفعہ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور ظلمت اڑھا دی یہ فاسد علیٰ الفاسد۔ کتاب الانوار القدسیہ کیا ہے؟ ظلمات بعضھا فوق بعض اندھیرے ہی اندھیرے ہیں، جو ایک دوسرے پر چڑھے جاتے ہیں۔

(۷) شیخ طریقت کو چاہیے کہ وہ اپنے سب مریدوں کے لیئے اللہ کے حضور ان کی مغفرت چاہے، ان پر اپنی خدا جیسی قطعی پیشوائی کا دم نہ مارے۔

تا آنکہ ان پر ہمیشہ یہ احساس اترے کہ مغفرت اللہ کے ہاتھ میں ہے، ان پیروں کے ہاتھ میں نہیں۔ نہ یہ وہ آنکھ ہیں جن سے اللہ ان مریدوں پر نظر کرتا ہے۔ الانوار القدسیہ کی یہ دفعہ ۱۹ کسی طرح صحیح نہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے (مرید اپنے دل میں یقین رکھیکہ مرشد وہ آنکھ ہے) یعنی شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

شیخ اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے لیے اللہ کے حضور ان کی مغفرت مانگے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس جب مومن خواتین بیعت کے لیے آتیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ان کی بیعت قبول کیجیے اور ان کے لیے گناہوں کی مغفرت چاہیں اور ان کی بخشش کی دعا کریں اور اپنی صفت ذکر فرمائی کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(دیکھئے پ ۲۸، الممتحنہ ۱۲)

فبا یعھن واستغفر لھن اللّٰہ

ترجمہ: آپ ان سے بیعت لیں اور ان کی مغفرت چاہیں۔

(۸) شیخ اپنے ہاتھ سے عورتوں سے بیعت نہ لے

حضور اکرمؐ کبھی عورتوں سے مصافحہ نہ کرتے تھے۔ بے شک شیخ روحانی باپ ہے لیکن شرعاً اس سے پردہ ضروری ہے۔ جسمانی معالج پر قیاس کر کے پیر سے بے پردہ ہونے کا جواز نہیں نکالا جاسکتا۔ ہم مفتی احمد یار صاحب گجراتی کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرسکتے

کہ جب عورتیں حضورؐ کے پاس بیعت کے لیے آئی تھیں تو انہوں نے اپنے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مفتی احمد یار صاحب کا یہ بیان درست نہیں ہے:۔

یہ مومنہ عورتیں حضورؐ کے ہاتھ پر اس کی بیعت کرتی تھیں کہ ہم آئندہ گناہوں سے بچیں گی، یہ ہی مشائخ کی صحبت کا منشاء ہے۔

(نور العرفان ص: ۸۸۰)

صحیح نہیں وہ حضورؐ کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ کرتی تھیں۔ پیر کے ہاتھ کسی طرف سے مرید عورتوں کے ہاتھوں کو چھونہ پائیں۔

حضرت ام المومنینؓ کہتی ہیں:۔

ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ ما یبایعھن الا بقولہ بایعتک علٰی ذلک (صحیح بخاری جلد: ۲، ص: ۷۲۶)

ترجمہ: آنحضرتؐ کے ہاتھ نے بیعت لیتے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ ان الفاظ سے بیعت کرتے تھے کہ میں نے تجھے ان امور پر بیعت کرلیا ہے۔

وما مست ید رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امرأۃ قط.

(صحیح بخاری جلد: ۲ ص: ۱۰۷۱ کتاب الاحکام)

ترجمہ: آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کو نہیں چھوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔

انی لا اصافح النساء (سنن نسائی ج: ۲، ص: ۱۸۳)

ترجمہ: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

(۹) پیر کی ذمہ داری ہے کہ اپنی بیعت سے مرید کی تربیت کرے اگر مرید میں کوئی خلل یا فتور آئے تو اپنے دل میں اس کی طرف سے توبہ کرے۔ پیر کے ذمہ یہ بھی ہے کہ اپنے مرید کے اسرار کی نگہبانی کرتا رہے مرید کے جس حال کا اسے علم ہوگیا اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے کیوں کہ اسرار امانت ہوتے ہیں (ایضاً)

(۱۰) اگر پیر اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے غصہ سے مغلوب ہو جائے اور اس کا تدارک اس کے بس میں نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ولایت کے منصب سے معزول کر دے۔ مریدوں سے الگ ہو کر اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو اپنے آپ کو ریاضت میں ڈالے، نفس کے ساتھ جہاد کرے، خود کوئی پیر تلاش کر کے اس کی قربت میں جائے اس سے ادب سیکھے یہاں تک کہ اس کا مزاج اعتدال پر آجائے اور اس کا اخلاق درست ہو جائے۔ اگر شیخ واقعی ان بلاؤں میں گرفتار رہو گا اور مریدان طریقت سے قطع تعلق نہ کرے گا تو یہ اچھی بات نہیں۔

(۱۱) اہلِ تصوف کی شطحیات سلوک واحسان کے ضابطے نہ بنیں۔

بعض آئمہ تصوف پر کبھی ایسے حالات بھی گزرے ہیں کہ وہ اپنے مقام کو چھپا نہ پائے اور ایک جلال میں ان کی زبان سے نکلا:

"قدمی هذه علی رقبة کل ولی"

ترجمہ: میرا یہ قدم (اس دَور کے) ہر ولی کی گردن پر ہے۔

یہ خود ستائی نہیں ایک غلبۂ حال کا اظہار ہے۔ اس پر کسی مبصر کا یہ کہنا شطحیات میں سے ہے:

> "حضرت غوثؒ اس وقت مرتبۂ الوہیت پر تھے اور حضرت شیخ معین الدین چشتیؒ مرتبۂ عبدیت یعنی نزول میں تھے اور نزول کا عروج سے افضل ہونا مسلم ہے۔"

(اکابر کا سلوک واحسان، ص: ۸۰، مرتبہ صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری، خلیفہ حضرت شیخ الحدیث ثم مرید وخلیفہ علوی مالکی، مقیم مدینہ منورہ)

نوٹ: شیخ علوی مالکی جن سے صوفی اقبال صاحب پھر جا مرید ہوئے اور ان سے خلافت پائی ان کے اپنے عقائد معلوم کرنے ہوں تو ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کے مختصر رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ یا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت فرمائیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ مذکورہ جملہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا اور اس کی نئی تشریحات بھی آپ نے پڑھی ہوں گی۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں لیکن ہر بندۂ مؤمن کا دل اس نئی اصطلاح تصوف سے کہ اسے الوہیت کا نام دیا گیا اور اس کے مقابل لفظ عبدیت ٹھہرایا گیا، یقیناً تڑپ اٹھے گا۔

کیا یہ دونوں اصطلاحات شریعت کی معروف اصطلاح کے مقابل نہیں سمجھی جا رہیں؟ پھر ہم کس طرح یہ کہہ سکیں گے کہ طریقت شریعت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ اس غلو نے آج کئی نادانوں کو سلوک و احسان سے مطلقاً دُور کر دیا ہے۔ احسان کی دونوں منزلیں عبدیت کی ہی دو منزلیں تھیں، یہ الوہیت کا مقام کیسے سلوک و احسان کا نام پا گیا؟ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

شاہ منصور ایک دفعہ ذاتِ خداوندی میں ایسے کھو گئے کہ اپنی عبدیت کو ہی بھول گئے یہاں تک کہ اس راہ کے شیخین نے جب شریعت کا پیمانہ اچھلتے دیکھا تو ان پر سزائے موت کا حکم دیا۔ کیا منصور کے نعرہ ''انا الحق'' پر حضرت جنید بغدادیؒ کا فتویٰ کفر اسی قبیل سے تھا یہ نہیں کہ وہ شاہ منصور کے اس فنا فی اللہ کے مقام سے ناواقف تھے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ولی تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ معذور تھے، بے ہوش ہو گئے تھے۔ ان پر فتویٰ کفر کا دینا بے جا ہے۔ ان کے باب میں سکوت چاہیے اور اس پر یہ بھی فرمایا۔ اُس وقت دفعہ فتنہ کے واسطے قتل کرنا ضروری تھا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب، ص: ۹۵)

عیب باشد عشق کہ مستور نیست
کشتہ جرم زباں مغفور نیست
آنکہ منصور است بردارش کنید
ایں انا الحق گوئے خود منصور نیست

پیر صاحبان اس قسم کی باتوں سے کبھی اپنے مریدوں کو اپنے خدا کے ساتھ شریک ہونے کا تصور نہ دیں۔ اگر کسی تاریخی سطح کے بزرگ سے کوئی ایسی بات کسی دلیل سے ملے تو

اسے شطحیات میں سے جانیں۔علامہ عبدالوہاب شعرانی نے جو یہ لکھا ہے صحیح نہیں:

''جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے۔اسی طرح شیخ کی موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔جس طرح انسان کے لیے دو معبود نہیں۔عورت کے لیے بیک وقت دو خاوند نہیں۔اسی طرح مرید کے لیے دو شیخ طریقت نہیں۔''

''مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔''

اہلِ حق کو ایسی شطحیات سے اپنے مریدین کو بچانا چاہیے۔ایسی باتیں مریدوں کے سامنے لانے سے ہر مؤمن کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ بندہ تو خدا تک پہنچنے کے لیے کوئی وسیلہ اختیار کرے۔یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن خدا اپنے بندے کو اپنے قریب کرنے کے لیے اس کے پیر کی آنکھ کو اپنا ذریعہ بنائے،اسے اس کی کیا ضرورت ہے؟ خدا تو متواتر نفل پڑھنے والوں کو بھی کبھی اس طرح قبول کر لیتا ہے کہ وہاں کسی پیر کا یا اس کی آنکھ کا کوئی وسیلہ نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:

''لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها''(صحیح بخاری،جلد۲،ص۹۶۳)

ترجمہ: میرا بندہ قرب نوافل سے میرے یہاں تک قریب آ جاتا ہے کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں جب میں اسے اپنا محبوب بنالوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ میں اپنے اس مقرب بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں۔لیکن یہ کسی آیت یا حدیث میں نہیں ملتا کہ وہ میری آنکھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے میں اس کے مریدوں کو دیکھتا ہوں۔اس میں اللہ کے اس مقرب بندے کی یہ حالت بتائی گئی

ہے کہ اس کی اپنی پسند کوئی نہیں رہتی بلکہ وہ ہر چیز کو اللہ کی رضا اور عدم رضا کی عینک سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا جو قدم بھی اٹھتا ہے۔ وہ اللہ کی مرضیات میں اٹھتا ہے، اس کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند باقی نہیں رہی۔

ایک اور بڑے اونچے درجے کے بزرگ حضرت خواجہ احمد جام جو مستجاب الدعوات مشہور تھے، ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر آئی جو نابینا تھا، اور حضرت سے کہا کہ اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیں اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں گی، آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا میں اس قابل نہیں ہوں اور چلنے لگے۔ انہیں الہام ہوا، تو کون؟ عیسیٰؑ کون؟ اور موسیٰ کون؟ پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر۔ نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ علیہ السلام، "مامی کنیم" ہم کرتے ہیں۔ آپ یہ سن کر واپس لوٹے اور "مامی کنیم، مامی کنیم" پڑھتے جاتے تھے اور جا کر اس بچے کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بواسطہ حضرت تھانوی نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"احمق لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجہ احمد جام "مامی کنیم" خود کہہ رہے تھے، حالانکہ یہ ان کا قول نہ تھا بلکہ حق تعالیٰ کا تھا۔ آپ نے اس کی تشریح میں فرمایا:

> "جب کوئی کسی گویئے سے عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ بزرگ خواجہ احمد جام اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامی کنیم" بار بار دہراتے تھے۔ ہم اہل السنۃ کے ہاں الہام اور کشف بیشک حق ہے لیکن یہ شرعاً حجت نہیں اور کسی کے الہام یا کشف سے متفق نہ ہونا یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات سنو تو انہیں موضوع بحث نہ بناؤ، شطحیات میں سے سمجھو انہیں ظاہر شریعت کے مقابلے میں نہ لاؤ، نہ ان بزرگوں کو ملامت کرو۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: "ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرو۔"

حضرت خواجہ باقی باللہؒ (۱۰۱۲ھ) سے کوئی نقشبندی نا آشنا نہ ہوگا۔ آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی کے شیخ طریقت ہیں۔ ایک دفعہ آپ کے ہاں کچھ مہمان آگئے، آپ کے گھر کے قریب ایک بھٹیارے (نانبائی) کی دکان تھی، اس نے جو یہ چند نورانی چہرے دیکھے تو ان کی میزبانی کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ہاں وہ ایک بڑا خوان لا کر جس میں مختلف قسم کے اچھے اچھے کھانے تھے، حاضر کر دیا۔ حضور اس وقت خوشی سے جھوم گئے اور بے اختیار اس کے لیے آپ کی زبان مبارک نکلا۔ ''مانگ کیا مانگتا ہے'' اس نے فوراً عرض کی کہ مجھے اپنے جیسا بنا دو اور بار بار یہی کہا۔ اب اسے برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیثؒ سے سنیئے، آپ فرماتے ہیں:

> ''اس کو اپنے حجرے میں بلایا اور اندر سے زنجیر لگا لی۔ آدھ گھنٹے بعد جب حجرہ کھول دیا تو دونوں باہر تشریف لائے، دونوں کی صورت تک ایک ہوگئی۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر آئے۔ لیکن وہ نانبائی سکر کی حالت میں تھے (جیسے کوئی نشہ میں ہوتا ہے) اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔''

اس قسم کے واقعات بیشک حق ہیں لیکن شطحیات کے قبیل سے ہیں۔ یہ کوئی سلوک و احسان کے مقامات نہیں۔ سلوک و احسان کے دونوں مقامات میں عبادت کرنے کے دو پیرائے ہیں جن میں بندہ کبھی مقام عبدیت سے نہیں نکلتا۔ اس کی طریقت کی اڑان کتنی اونچی کیوں نہ ہو، وہ رہتا بندہ ہی ہے۔ ایسے واقعات کبھی کبھی ظہور میں آتے ہیں، انہیں یکجا جمع کر کے ایک ضابطے کی شکل دینا یہ قطعاً درست نہیں۔ نہ انہیں سلوک و احسان کا نام دیا جا سکتا ہے۔

شرعی پہلو سے انہیں کرامات تو کہا جا سکتا ہے، لیکن انہیں سلوک و احسان کے مقامات نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام کی پہلی تاریخ کی تیرہ صدیوں میں کسی پہلے بزرگ کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی جس میں انہیں سلوک و احسان کے مقامات کہا گیا ہو۔

اپنی تو اصلاح نہ ہوئی ہو اور پیر بن کر مریدوں کو ساتھ لگائے رکھنا یہ کسی کو زیبا نہیں یہ ایک کھلا دھوکہ ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

یہ بات ذہن میں ہمیشہ رہے کہ دسویں صدی کے عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) کو شیخ محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کے ہم عصر نہ تھے لیکن وہ ابن عربی کے علوم میں اتنے گہرے چلے گئے ہے کہ وہ انہی کے شاگرد شمار ہوتے ہیں اور اس پر ان کی کتاب الیواقبت والجواہر ایک کھلی شہادت ہے اس نکتۂ نظر سے گیارہویں صدی کے مجدد، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت، شیخ احمد سرہندی نے دسویں صدی کے ان پیروں کی کھلے طور پر تردید کی ہے اور ان کا یہ جملہ ہمیشہ قارئین کے ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہمیں فص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے۔

فص سے کیا مراد ہے؟ (فصوص الحکم، شیخ اکبر محی الدین کی تالیف اسی کو علامہ شعرانیؒ اپنے الفاظ میں الیواقیت والجواھر میں اپنائے ہوئے ہیں سو حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ جملہ صرف شیخ اکبر کی تردید میں ہی نہیں علامہ شعرانی کے شطحیات کی بھی تردید کرتا ہے۔ حضرت امام ربانی کے یہ الفاظ کہ ہم کو فص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے۔ نص سے ان کی کیا مراد ہے؟ کتاب وسنت...... اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے (۱۰۳۴ھ) کے الفاظ ہدیہ قارئین ہیں۔

باب ہشتم

اولیائے کرام کی حیات برزخی

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حیات برزخی منصوص فی القرآن کیا صرف شہداء سے خاص ہے یا بعض طبعی وفات پانے والوں کو بھی شہداء کے ساتھ اس رزق برزخی کی بشارت دی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی اس برزخی حیات کا نشان بتلایا ہے؟ قرآن کریم نے بعض طبعی وفات پانے والے الٰہی مقربین کو بھی اسی حیات شہداء میں بواسطہ رزق شریک بتلایا ہے، ان کے زندہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہیں برزخ میں رزق دیا جاتا ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ:۴، آل عمران: ۱۶۹)

قرآن پاک میں یہ رزق دیا جانے کی بشارت شہداء کے ساتھ بعض طبعی وفات پانے والوں کو بھی دی گئی ہے سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ یہ حیات فی البرزخ شہداء کرام کی طرح انبیاء کرام اور بعض اولیاء کرام کو بھی حاصل ہے قرآن کہتا ہے:۔

والذین ھاجروا فی سبیل اللّٰہ ثم قتلوا اوماتوا لیرزقنھم اللّٰہ رزقاً حسناً (پ:۱۷، الحج: ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں یا پھر گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاص۔

حیات شہداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاں روزی خاص دیئے جانے کو ان کی حیات پر بطور دلیل پیش کیا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کچھ ان حضرات کو بھی ذکر فرمایا جو قتل نہیں گئے طبعی موت سے یہاں سے گئے۔ یہ اولیاء کرام ہیں اور یہ آیت ان

کی حیات برزخی پر ایک کھلی شہادت ہے۔

سو عالم برزخ میں حیات شہداء کے ساتھ ہمیں حیات اولیاء کے بھی کئی شواہد ملتے ہیں۔

اولیاء کرام کی حیات برزخی انبیاء کرام کی حیات برزخی کا سایہ ہے۔ البتہ انبیاء کرام کے دنیوی ابدان انکی قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں اور اولیاء کے لیے اس تحفظ کی ضمانت نہیں دی گئی، تاہم کئی صحابہ کرامؓ کے بھی ابدان ان کی قبروں میں محفوظ پائے گئے اسی طرح بعض اولیاء کرام کے ابدان بھی محفوظ دیکھے گئے۔ اوران کی مٹی ہوا کی لہروں کو خوشبو دیتی رہی۔

حیات برزخی کب شروع ہوتی ہے

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ میت کی حیات برزخی قبر میں دفن ہونے پر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں موت سے جونہی حیات دنیوی ختم ہوئی معاً آگے حیات برزخی شروع ہوگئی۔ گو اسے ابھی دفن نہ کیا گیا ہو۔ قبر میں بھی اسے حیات برزخی حاصل ہوتی ہے گو یہ اسی جسم میں جسے دفنایا گیا ہے عود کرے اور یہ حیات برزخی اس وقت تک رہے گی جب تک نفحہ ثانیہ نہیں ہوتا اور مردے قبروں سے اٹھائے نہیں جاتے۔

سو صحیح یہ ہے کہ میت کو حیات برزخی دفن ہونے سے پہلے مل جاتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک وعظ میں ایک قصہ اس طرح بیان فرمایا:

سلطان الاولیاء کا ایک قصہ

سلطان نظام الدین اولیاءؒ کی حکایت ہے کہ جب آپ کا جنازہ لے چلے تو آپ کے ایک مرید شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے۔

سرو سیمینا بصحرا مے روی
سخت بے مہری کہ بے ما میروی

ترجمہ: اے محبوب آپ جنگل میں جا رہے ہیں' آپ سخت بے مہر ہیں کہ بغیر ہمارے جا رہے ہیں۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تما شا میروی

ترجمہ: اے محبوب آپ کا رخ انور جہاں کی تماشا گاہ ہے آپ کس کو دیکھنے کہیں اور جگہ جا رہے ہیں۔

کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کا ہاتھ کفن سے باہر نکل آیا، اس کے بعد انہیں اشعار پڑھنے سے روک دیا گیا پھر ہاتھ اسی طرح کفن میں برابر ہو گیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ایسے شخص کے اطمینان کا۔

(وعظ روح الصیام ص: ۵۳)

مزارات اولیاء پر تقویت نسبت کا فیض

روحانی نسبت رکھنے والوں کو اولیاء اللہ کے مزارات پر تقویت نسبت ملتی ہے۔ محدثین جن کا ذوق علمی صرف روایت ہوتا ہے وہ اسے پا نہیں سکتے لیکن محققین کے لیے کسی حقیقت کا انکار بہت مشکل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب سے پوچھا کہ کیا ان مزارات سے روحانی فیض ملتا ہے؟

آپ نے فرمایا:

اما المحدثون فلا اراهم یجوزونه و لکن اجیز انا لکونه ثابتاً عند ارباب الحقائق غیر انه ینبغی لمن کان اهلاً له واما من کان منغمساً فی الظلمات فلا خیر له فیه

(فیض الباری جلد: ۳، ص: ۴۳۴)

ترجمہ: محدثین تو اسے جائز نہیں ٹھہراتے لیکن میں اسے جائز سمجھتا ہوں کیونکہ یہ اہل حقائق کے ہاں ثابت ہے ہاں اس میں وہی آئے جو اس کا اہل ہو لیکن جو گناہوں کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہو اسے اس میں کوئی اچھائی نہ ملے گی۔

مقربین الٰہی کی اس جگہ سے جہاں وہ دفن ہوئے کوئی خاص نسبت نہ ہوتی تو وہاں سے کسی کو روحانی فیض نہ ملتا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر

ایک دن حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کے مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت قطب

الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتداء حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر اس واقعہ سے ایک مدت گزرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کاتب الحروف (یعنی حضرت شاہ اسمٰعیل شہید) بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان جوؤں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ کے گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے۔ اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل و علاء نے محض اپنی عنایت سے بلاواسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے۔ بعد ازاں طریقہ کی تعلیم اور تلقین میں بازوئے ہمت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی۔ (صراط مستقیم ص: ۲۴۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہر کسی کو فیض لینے کا اہل نہیں کہتے تھے

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت قبر سے فیض ہوتا ہے؟ حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ فیض لینے والا کون ہے۔ کہا کہ مثلاً "میں" فرمایا کہ نہیں ہوتا۔ اس پر مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ کہہ دیتا کہ مثلاً آپ (یعنی حضرت گنگوہیؒ) تو حضرت فرمادیتے کہ ہاں ہوتا ہے۔ (تالیفات مصلح الامۃ جلد:۱، صفحہ:۲۹۱)

اہل قبور سے فائدہ ہوتا ہے کبھی مستفیض کے قصد سے اور کبھی بغیر اس کے قصد کے جیسے آفتاب سے بلا قصد بھی فائدہ ہوتا ہے۔

(الکلام الحسن صفحہ: ۱۲۰ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ)

بعض مزارات سے اہل اللہ نے انس و جذب اور سکون و ٹھنڈک کے اثرات بھی محسوس کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کے مزار کا جذب اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

جب میں دہلی میں وارد ہوا تو آپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور موضع قبر کو

انس و ٹھنڈک کا موجب پایا (ابجد العلوم ص: ۹۰۱)

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے اسے تاریخ اہلحدیث ص ۴۴۱ میں یہ پیرایہ عقیدت نقل کیا ہے۔

اولیاء کرام کی حیات فی القبر کے یہ وہ شواہد ہیں جن کا کوئی انصاف پسند عالم انکار نہیں کر سکتا۔

برزخی زندگی میں کلام فرمانا

برزخی زندگی میں انسان کا دنیا کا سا تغذیہ و تنمیہ تو نہیں ہوتا لیکن ارادہ الٰہی سے کئی دنیا کے سے حالات اس پر وارد ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں کے لوگوں کی آواز سننا ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ کبھی اس دنیا کے لوگوں سے ہم کلام بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ کا کلام فرمانا

صحابی رسولؐ حضرت زید بن خارجہؓ حضرت عثمانؓ کے عہد میں فوت ہوئے۔ ان کا جنازہ رکھا تھا اور لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے، حضرت عثمانؓ کا انتظار تھا، جنازے سے آواز آئی "السلام علیکم، انصتوا انصتوا" خاموش! خاموش۔ پھر حضرت زیدؓ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں حق کی شہادت دی۔ یہ ان حضرات کے برحق ہونے کی ایک برزخی آواز تھی۔ معلوم ہوتا ہے حضرت زیدؓ عالم برزخ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر اس کی شہادت دے رہے تھے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھی شہادت کی خبر دی۔

یہ عالم برزخ میں پہنچے ایک نئے مسافر کی روحانی آواز تھی جس کو اس جہاں والوں نے سنا۔

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:

شهد ابوه احداً و شهد هو بدراً و ذكر البخاری وغيره انه الذی تكلم بعد الموت (اصابہ جلد: ۱، ص: ۵۶۵)

اور حاشیہ تہذیب میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے یہ روایت اس طرح ملتی ہے:۔

لما توفی زيد بن خارجة انتظر به خروج عثمان فقلت

اصلی رکعتین فکشف الثوب عن وجهه فقال السلام
علیکم السلام علیکم واهل البیت یتکلمون فقلت وانا فی
الصلوٰۃ سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ فقال انصتوا انصتوا محمد
رسول اللّٰہ کان ذلک فی الکتاب الاول صدق صدق
صدق ابوبکر الصدیق ضعیف فی جسدہ قوی فی امر اللّٰہ
کان ذٰلک فی الکتاب الاول صدق صدق صدق عمر بن
الخطاب قوی فی جسدہ قوی فی امر اللّٰہ کان ذٰلک فی
الکتاب الاول صدق صدق صدق عثمان ابن عفان

(تہذیب ج:۳،ص:۴۱۰)

حضرت ثابت بنانی کا قبر میں نماز پڑھنا

(۲)حافظ ابونعیم (۴۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

عن جبیرؒ قال واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو لقد ادخلت ثابتاً
البنانی فی لحدہ و معی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن
سقطت لبنۃ فاذا ھو فی قبرہ یصلی

(حلیۃ الاولیاء جلد ص، وشوق وطن ص ۲۳ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ: جبیر سے مروی ہے آپ کہتے ہیں بخدا جس کے سوا کوئی عبادت
کے لائق نہیں میں نے خود ثابت بنانی کو قبر میں اتارا میرے ساتھ حمید
الطویل بھی تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں لگائیں تو ایک اینٹ گر
پڑی ہم نے قبر میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

حضرت ثابت البنانیؒ حضرت انس کے شاگرد ہیں اور حدیث صحیح الانبیاء احیاء
فی قبورھم یصلون کے راوی ہیں۔ ان کے کسی لفظ سے جبیر اور حمید کو پتہ چلا کہ وہ نماز پڑھ
رہے ہیں۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں بیٹھے ہوئے پایا۔ دنیا میں ان کی دعا تھی کہ
اے اللہ انبیاء کے سوا بھی اگر تو کسی کو حیات فی القبر دے تو مجھے بھی یہ عزت عطا فرما۔ جبیر اور
حمید کہتے ہیں ہم نے ان کو قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ایک صحابی کو قبر میں سورت ملک پڑھتے پایا گیا

(۳) آنحضرت کے صحابہؓ میں سے کوئی بغیر جانے کہ یہ قبر ہے اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے قبر سے انسان کی آواز سنی جو سورہ ملک پڑھ رہا تھا۔ اس نے سورہ ملک پوری پڑھی اس نے آ کر اس واقعہ کی حضورؐ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا بے شک سورہ ملک منجیہ ہے جو اسے عذاب قبر سے بچا رہی ہے۔ (اخرجہ الترمذی عن ابن عباسؓ)

حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ قبریں خالی گڑھے ہیں ان میں دفن ہونے والے کا اس قبر سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

(۴) حافظ محمود بلگرامی اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ وفات کے بعد ان کی قبر سے ہر شب جمعہ قرآن پڑھنے کی آواز آتی تھی اور اسے اہل اللہ دور دور سے آ کر سنتے تھے، عامی اسے سن نہ پاتے۔

(اخبار الاصفیاء ماخوذ از ماثر الکرام)

(۵) ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک شخص کے لیے قبر کھود رہا تھا، میں لحد بنا رہا تھا کہ ساتھ کی قبر سے ایک اینٹ گر پڑی۔

فاذا الشیخ جالس فی القبر علیه ثیاب بیض تقعقع و فی حجره مصحف و هو یقرأ فیه فرفع رأسه وقال لی اقامت القیامة رحمک لله؟ قلت لا قال رد اللبنة الی موضعها عافاک الله تعالیٰ فرددتها

(احکام القرآن ج:۳، ص:۱۷۸، للحافظ الجصاص الرازی، طبع ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیۃ کراچی)

ترجمہ: کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ قبر میں بیٹھے ہیں۔ ان کے کپڑے سفید ہیں اور وہ بہت اٹھ رہے ہیں اور اس بزرگ کی گود میں قرآن شریف ہے اور وہ اسے دیکھ کر پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سر اٹھایا اور مجھے کہا کیا قیامت واقع ہوگئی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اینٹ کو اپنی جگہ رکھ دو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے پھر میں نے اینٹ کو اس کی جگہ لوٹا دیا۔

(۶) امام بیہقیؒ دلائل النبوۃ میں ابن میناء سے نقل کرتے ہیں:۔

قال دخلت الجبانة فصليت ركعتين خفيفتين ثم اضطجعت الى قبر فوالله انى لنبهان اذ سمعت قائلاً فى القبر يقول قم فقد اذيتنى انكم لتعملون ولكن لا تعلمون و نحن نعلم ولا نعمل تالله لأن أكون صليت مثل ركعتيك احب الىٰ من الدنيا و ما فيها (احکام القرآن ج:۳، ص:۱۷۹)

ترجمہ: میں ایک ویرانے میں جا نکلا۔ وہاں میں نے دو مختصر رکعتیں پڑھیں اور ایک قبر سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ بخدا میں ابھی جاگ ہی رہا تھا کہ میں نے قبر سے کسی کو کہتے سنا یہاں سے اٹھ جاؤ۔ تو نے اس طرح مجھے تکلیف دی ہے۔ بے شک تم عمل کرتے ہو لیکن اس کی قدر جانتے نہیں اور ہم قدر جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کرسکتے۔ خدا کی قسم! میں تیری دو رکعتوں جیسی دو رکعتیں پڑھ لیتا تو یہ مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز تھا۔

(۷) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: شیخ محمد ترکؒ کے گھر کے قریب دو شہیدوں کی قبریں تھیں۔ اور وہ دونوں حافظ قرآن تھے۔ آپ نے ان کی قبروں سے تلاوت قرآن کی آواز سنی۔ دونوں کا پڑھنا اس طرح تھا جیسے ایک دوسرے کے ساتھ دور کرتے ہوں۔

(اخبار الاخیار)

(۸) امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں عبداللہ بن عبید اللہ الانصاری سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس کو قبر میں اتارا، آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کہتے ہیں:۔

فلما أدخلناه قبره سمعناه يقول (۱) محمد رسول الله (۲) ابوبكر الصديق (۳) عمر الشهيد (۴) عثمان امين رحيم فنظرنا اليه فاذا هو ميت (احکام القرآن ج:۳، ص:۱۸۱ طبع کراچی)

ترجمہ: جب ہم نے انہیں قبر میں اتارا تو ہم نے انہیں چار باتیں کہتے سنا۔ (یہ عالم برزخ کی شہادتیں ہیں جو اس دنیا کے لوگ سن رہے ہیں)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، ابوبکر صدیق ہیں، عمر شہید ہیں اور عثمان کے سپرد امانتیں کی جائیں گی۔ اور وہ مسلمانوں پر بہت رحم دل واقع ہوں گے۔ ہم نے غور سے ان کی طرف دیکھا وہ بحالت میت یہ کلام فرما رہے تھے۔

رئیس المحدثین ملا علی قاری کہتے ہیں:

قال ابن ملک فیه دلیل ان بعض الاموات یصدر منه ما یصدر عن الاحیاء (مرقات جلد ۴، ص: ۳۶۷)

ترجمہ: اس میں دلیل ملتی ہے کہ بعض اموات سے کبھی زندوں کے سے عمل بھی صادر ہوتے ہیں۔

بایں ہمہ ان کا شمار برزخ کے لوگوں میں ہوتا ہے اور وہ اس دنیا کے زندوں میں شمار نہیں کیے جا سکتے۔

(۹) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر قوالی ہو رہی تھی۔ کسی عارف نے مزار پر مراقبہ کیا کہ کیا حضرت اس عمل سے راضی ہیں؟ حضرت نے فرمایا:

ایں بدبختاں وقت مارا پریشان کردہ اند

(ماخوذ از ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول)

ترجمہ: ان بدبخت قوالی کرنے والوں نے ہمارے اوقات عبادت میں انتشار ڈال رکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اکرام کے ابدان مبارکہ جو دفن ہیں ان میں حیات برزخی موجود ہے جس سے وہ نیک اعمال کی برکات محسوس کرتے ہیں اور بدعات سے انہیں شدید پریشانی ہوتی ہے۔

(۱۰) شیخ عزالدین عمر کہتے ہیں: میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعیؒ کے ساتھ سفر حج میں تھا، حج کے بعد آپ مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ انور پر سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے اس طرح سلام عرض کیا: السلام علیکم یا جدی (نانا جان، آپ پر سلام ہو) حضورؐ نے جواب میں فرمایا: وعلیک السلام یا ولدی (میرے بیٹے تجھ پر سلام لوٹے) اس پر

حضرت سید احمد رفاعیؒ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔

(شرف مختتم للعلامۃ السیوطی ص ۱۸۶)

یہ آواز شیخ عزالدین کو فوق الاسباب آرہی تھی۔ اس میں قبر مبارک کی اوپر کی مٹی اور دیوار کی کثافت حائل نہ تھی اور یہ باعلام الٰہی تھا کہ عزالدین اسے سن رہے تھے۔ یہ دس شہادتیں ہم نے مختلف ادوار کی مختلف حوالوں سے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان کی قدر مشترک تواتر کو پہنچتی ہے کچھ روایات باعتبار اسناد کمزور بھی ہوں تو قدر مشترک میں ان سے بھی وزن آجاتا ہے۔

حضورؐ کی امت میں حیات برزخی اس طرح بھی دیکھی گئی ہے

شیخ ابو یعقوب سنوسیؒ کہتے ہیں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ کل ظہر کے وقت مرے گا۔ اگلے دن میں نے دیکھا کہ وہ شخص مسجد حرام میں آیا ہے، اس نے طواف کیا اور کچھ فاصلے پر جا کر اس نے جان دے دی۔

میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اسے قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ (فضائل صدقات ج: ۲، ص، ۴۷۸)

اس کی آنکھیں تو کھلیں لیکن یہ نہیں کہ اس کی نبض بھی چلی ہو اور اس کے جسم کو نشو ونما بھی ملا ہو۔ نہیں۔ عالم برزخ کی زندگی ان تمام دنیوی لوازم کے ساتھ نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی یہ برزخی حیات اس جسم میں ہوتی ہے جو اس دنیا میں تھا، لیکن اس حیات کا قیام تغذیہ وتنمیہ سے نہیں ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ اسے اپنی موت کے وقت کی کیسے اطلاع ہوئی ہوگی؟ جواب: اعلام الٰہی سے۔ اور اولیاء اللہ کو الہام ہونا برحق ہے۔ گو شریعت میں اسے سند نہیں مانا جاتا لیکن اس کا واقع ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔

کبھی حیات برزخی قبر سے باہر بھی دیکھی گئی

ہم نے مختلف ادوار کے دس واقعات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کی رو سے بدن میت میں کسی نہ کسی درجے میں برزخی زندگی موجود پائی گئی لیکن بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ میت کو اس جسد عنصری کے علاوہ ایک بدن مثالی ملا اور اس کی روح اس مثالی بدن میں بھی (حیات برزخی سے) ایک درجہ حیات میں اتری اور لوگوں نے بعد وفات اس شخص کو اپنے جسد مثالی سے کہیں باہر چلتے پھرتے دیکھا اور اسے اس کا پہلا بدن گمان کیا۔ مگر ان کا یہ گمان درست نہ تھا تاہم اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حیات برزخی کا پھیلاؤ بہت

وسیع ہے۔ یہ اپنے اصلی بدن پر سایہ ڈالتے ہوئے جسد مثالی تک اثر انداز ہوتی ہے۔ عالم برزخ کے مسافر اس جسد مثالی کے واسطہ سے اس جہاں میں رہتے حج اور عمرہ کے حظ (روحانی) سے بھی محظوظ ہوتے ہیں۔اسے حیات فی القبر اس جہت سے کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ چلنا پھرنا اس دور میں ہے جو ان کا قبر کا دور ہے گو وہ باہر کسی بدن مثالی سے ہو۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ایک دفعہ آپ حضرت مرزا محمد زاہد ہرویؒ کے درس سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک غیر آبادسی گلی پڑتی تھی۔آپ اس میں سے گزرتے ہوئے حضرت سعدیؒ کے شعر پڑھ رہے تھے:

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

آخری مصرع آپ کو یاد نہ آرہا تھا۔ پہلے مصرعے کو بار بار دہراتے مگر اگلا مصرعہ سبقت نہ کرتا۔اچانک پیچھے سے ایک درویش نکلا اور کہا: علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است (یعنی وہ علم جو حق کی راہ نہ دکھائے علم نہیں جہالت ہے) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں میں نے اس درویش کا نام پوچھا، انہوں نے کہا:

"سعدی ہمیں فقیر است"

(فتاویٰ رحیمیہ ج: ۷، ص: ۱۱۰ بالفاظ مختلفہ)

اس فقیر کا یہاں آنا اپنے طور پر نہ تھا یہ سب خدا کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے بندوں کو کبھی اس طرح مثالی طور پر ظاہر ہونے کا موقع دے رکھا ہے معراج کی رات بیت المقدس میں انبیاء کرام بھی صف باندھے دیکھے گئے۔

(۲) شیخ محمد فاضل (۱۳۰۲ھ) سورت کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔آپ نے عرفہ کے دن وفات پائی۔ آخری وقت فرمایا: میں حج کے لیے جارہا ہوں۔ سورت کے باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے مولانا کو حج کے دن عرفات میں دیکھا ہے، یہ ان کا وفات کے دن عرفات پہنچنا جسد مثالی سے تھا اور یہ حقیقت

میں خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے نہ کہ یہ کسی مخلوق کی اپنی قوت ہے بہر حال آپ کی یہ حکایت اس طرح لکھی ہے:

و یکے از خوارق آنجناب یوم حج بود گفتہ کہ برائے حج ے روم چون بعضے از ساکنان سورت از حج فارغ شدہ آمدند گفتند کہ مولوی صاحب را عرفات بروز حج دیدہ ام (حقیقت سورت ص: ۹۳ فارسی)

مثالی جسد کیا صرف جسد میت کا بدل ہے یا کسی زندہ انسان کو بھی جسد مثالی مل سکتا ہے۔ واقعہ مذکورہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بدن میت کو جسد مثالی میں ظاہر کیا، لیکن ایسے واقعات بھی ہیں کہ ایک زندہ انسان بھی جسد مثالی میں کئی جگہوں پر دیکھا گیا۔ شیخ عطاء اللہ اسکندری کے ایک شاگرد حج پر گئے تو انہوں نے شیخ کو مطاف میں پایا۔ حالانکہ آپ اس سال حج پر نہ گئے تھے۔ پھر آگے انہیں مقام ابراہیم پر بھی دیکھا، صفا و مروہ میں بھی دیکھا اور عرفہ میں بھی حج کے دن دیکھا۔

جب حج سے واپس ہوئے اور شیخ سے حج کے حالات عرض کیے تو انہوں نے پوچھا وہاں کن کن سے ملاقات ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کو بھی وہاں دیکھا تھا۔ اس پر آپ مسکرا دیئے۔ (اکمال الشیم)

ہوسکتا ہے کہ انہیں طی مسافت کی کرامت حاصل ہو اور زمین ان کے لیے لپیٹ دی گئی ہو اور وہ بہ نفس نفیس وہاں پہنچے ہوں تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ وہاں وہ کسی دوسرے مثالی بدن میں دکھائی دیئے ہوں۔

(۳) محدث جلیل حضرت علامہ ابن ہمام اسکندریؒ ایک دفعہ انہی شیخ عطاء اللہ اسکندری کے مزار پر گئے اور سورہ ہود پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے، **فمنهم شقی وّ سعید** (بعض ان لوگوں میں بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو اندر سے آواز آئی، **لیس فینا شقی** (ہم میں کوئی بدبخت نہیں) علامہ ابن ہمام نے وصیت کی کہ مجھے بھی شیخ کی قبر کے قریب دفن کیا جائے۔ ان بابرکت ہستیوں میں کوئی بدنصیب نہ رہے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت شیخ کو اپنی قبر میں حیات برزخی حاصل تھی، اور ان کا اس دنیا میں کلام اس دنیا والے بھی اگر وہ کوئی روحانی نسبت رکھتے ہیں سن سکتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں اللہ والوں کے جسد دفن ہوتے ہیں ان کی برکات دور دور تک پہنچتی ہیں ورنہ علامہ

ابن ہمام جیسے محقق کبھی یہ وصیت نہ کرتے۔

شہیدان محبت کو کبھی مرتے نہیں دیکھا
حیات جاوداں ملتی تو ہے لیکن فنا ہو کر

یہ چند واقعات ہم نے گزارش کیے ہیں جن میں قدر مشترک کے طور پر اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی کا پتہ چلتا ہے۔ تذکرہ حضرت شاہ عبدالرحیم مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کے آخر میں ایک ضمیمہ بعنوان ''اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی'' مولفہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی منسلک ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بھی فتاویٰ رحیمیہ کی جلد ہفتم میں اس قسم کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مردوں کی بات زندہ لوگ بھی سن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے۔ اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں سے ملتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج:۷، ص:۱۰۸)

طی الارض کا ایک واقعہ حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں

(۴) حضرت مولانا احمد حسن صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ حضرت میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک ایسا راستہ ہے کہ اگر انسان ظہر کی نماز پڑھ کر چلے تو مدینہ منورہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مغرب کی نماز مکہ معظمہ میں واپس آکر پڑھ سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے تو معلوم نہیں چونکہ میں بہت بے تکلف تھا عرض کیا کہ جب آپ کو یہ معلوم نہیں تو یہاں مکہ معظمہ میں رہنے کی کیا ضرورت تھی یہ کہہ کر چلا آیا۔

> چند روز کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آؤ ذرا سیر کریں میرا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر باہر چلے ایک پہاڑ پر چڑھے اور اس سے اترتے ہی معاً مدینہ منورہ پہنچ گئے وہاں نماز پڑھ کر تیسری نماز مکہ معظمہ میں لوٹ کر پڑھی میں نے اپنے جی میں خیال کیا کہ اب تو راستہ معلوم ہو ہی گیا ہے ہمیشہ جایا کریں گے۔ حاجی صاحب کی کیا ضرورت ہے جب موافق اپنے خیال کے اس راستے

سے جانا چاہا تو اس پہاڑ پر چڑھا ہی نہ جاسکا۔ (کرامات امدادیہ)

طی الارض (زمین کا لپیٹ دیا جانا) بھی ایک کرامت ہے معراج کی رات مکہ سے لے کر بیت اللہ تک حضورؐ کے لیے زمین لپیٹ دی گئی تھی۔ مولانا احمد حسن صاحب کو اس صورت عمل کا علم تجربات کی رو سے ہوا انہیں بدعات نہیں کا جا سکتا۔

فوت شدگان خواب میں زندوں کی رہنمائی میں

جو لوگ اس دنیا سے رخت سفر باندھ گئے اور اب وہ قبروں میں اقامت گزیں ہیں' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خواب میں آکر کسی چیز کی نشاندہی کر گئے اور صبح ان کی بتائی بات ویسے ہی نکلی جیسے خواب میں دیکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان سے جانے والوں کو اس جہان سے ایک گونہ رابطہ موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے، وہ اس جہان والوں کی باتیں بھی کرتے ہیں اور کبھی ان سے باتیں بھی کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ وہ مرحومین ان موجودین کو باختیار خود دکھائی نہیں دیتے۔ باذن الٰہی وہ ان کے خواب میں آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ اللہ رب العزت نے ان زندوں کو بشارت دینے کے لیے ان مرحومین کو ہی کیوں اختیار کیا؟ کیا اس سے شرک پھیلنے کا احتمال نہ تھا کہ دیکھو مردوں کے رابطے اب بھی زندوں سے قائم ہیں۔

ان کے مدد کرنے سے ان سے مدد مانگنے کی راہ نہیں کھلتی

ان مرحومین کا خواب میں آکر کسی بات کا پتہ دینا اور بات ہے اور ہم خود ان مرحومین سے کچھ مانگیں یہ اور بات ہے ہمیں یہی حکم دیا گیا کہ مدد مانگو تو اللہ سے مانگو یہاں ہم جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں وہ تحت الاسباب ہے۔ اللہ تعالیٰ خود کسی فرشتے کو بھیج کر یا کسی روح مقرب کی زیارت سے ہماری مدد کر دے تو یہ مدد اللہ کی طرف سے ہی سمجھی جائے گی نہ کہ ان ارواح یا فرشتوں کی طرف سے۔ ہاں اللہ رب العزت نے جب خود اس سلسلے کو جواز بخشا تو یہ اعتقاد رکھنا کہ مردے بعض اوقات زندوں سے کلام بھی کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں اس میں ہمیں ہرگز کوئی خطرہ شرک نہیں۔ اس میں اس بات کا جواز نہیں ہے کہ یہاں کے زندوں کو اپنی مدد کے لیے مرحومین کو آواز دینا بھی جائز ہے۔ (معاذ اللہ) جب ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ تم نے (فوق الاسباب) جو مانگنا ہے وہ خدا سے ہی مانگو تو اب اس کے بعد کہاں کوئی خطرہ شرک رہ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابن قیم بیان کرتے ہیں: صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک منہ بولے بھائی تھے۔ صعب نے کسی یہودی سے دس دینار قرض لیے مگر پیشتر اس کے کہ وہ انہیں استعمال کرے اس کی وفات ہو گئی اس نے وہ دینار گھر میں ایک سینگ میں رکھے تھے۔ عوف نے صعب کو خواب میں دیکھا۔ صعب نے اسے کہا میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے اور وہ میرے ہاں قرن میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس یہودی کو دے دیئے جائیں۔ صبح عوف صعب کے گھر آیا اور گھر والوں سے قرن اتروا لیا اور اس میں ان دیناروں کو تلاش کیا۔ انہیں واقعی اس میں دس دینار کی ایک تھیلی ملی۔ یہودی نے وہ دینار دیکھتے ہی پہچان لیے کہ یہ بعینہ وہی دینار ہیں جو میں نے اسے دیئے تھے۔

(کتاب الروح ص: ۱۹)

(۲) حضرت ثابت بن قیسؓ اس جنگ میں شہید ہوئے جو مسیلمہ کذاب کے خلاف حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر کمان لڑی گئی تھی۔ ثابت بن قیس کے بدن پر ایک نہایت قیمتی زرہ تھی جسے حضرت ثابت کی شہادت کے بعد کسی مسلمان نے اتارا اور اسے کہیں چھپا کر رکھ دیا۔

حضرت ثابت لشکر کے ایک مجاہد کو خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا: ایک شخص نے میری زرہ لے لی ہے اور اس کا خیمہ بالکل آخری کنارہ پر ہے اس نے زرہ کو ایک بڑی ہانڈی کے نیچے چھپا رکھا ہے تم خالد بن ولید سے کہو کہ کسی شخص کو بھیج کر میری وہ زرہ منگوا لیں اور جب تم مدینہ پہنچو تو خلیفہ رسول حضرت ابوبکر سے کہنا کہ مجھ پر اتنا قرض ہے اسے ادا کر دیا جائے۔ میں اپنے فلاں فلاں غلاموں کو آزاد کر چکا ہوں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے وہ زرہ پالی اور اسے مدینہ منورہ لے آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے کہنے کے مطابق ان کی وصیت کو نافذ کیا۔ (کتاب الروح ص ۲۱ ملخصاً)

اس وصیت میں اپنے کسی حق کو چھوڑنے کا بیان ہے کسی حق کو لینے کا نہیں۔ کسی سے اپنا حق لینے کے لیے شرعی ثبوت درکار ہے نہ کہ کوئی خواب یا مکاشفہ۔

(۳) حضرت ابن نافع نے ابونواس مرحوم کو خواب میں دیکھا بڑے اچھے لباس میں

ہیں۔ محمد بن نافع نے آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے معاملہ ہوا۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

انہوں نے کہا میں نے اپنی وفات سے پہلے چند شعر لکھے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا۔ وہ اشعار میرے تکیہ کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ محمد بن نافع کہتے ہیں صبح ہوتے ہی میں ان کے گھر پہنچا اور اپنا خواب سنایا۔ ایک تکیہ کے نیچے واقعی مجھے وہ شعر ملے:۔

یا رب ان عظمت ذنوبی کثرة
فلقد علمت بان عفوک اعظم
ان کان لا یرجوک الا محسن
فمن الذی یدعو و یرجو المجرم

(۴) جلیل القدر تابعی حضرت ابو قلابہ ایک سفر میں تھے کہ ایک جگہ کسی قبر کے سہارے لیٹ گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں صاحب قبر شکایت کررہے ہیں کہ تو نے مجھے تکلیف دی۔ قبر پر سر رکھ کر نہ سونا چاہیے۔

(ضمیمہ مولانا نعمانی ص: ۱۶۱)

یہ تو حضرت ابو قلابہ کو معلوم تھا کہ وہ قبر پر سر رکھ کر سوئے ہیں اس قبر والے کو کیسے اطلاع ہوئی۔ اور قبر سے سہارا لینے والا تو مٹی سے سہارا لیتا ہے اور وہ مٹی باہر سے صاحب قبر کو نہیں چھور ہی' پھر اسے تکلیف کیونکر پہنچی۔ ہم کہتے ہیں ان احوال برزخیہ کا ہم احاطہ نہیں پاسکتے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو قبر پر چڑھے دیکھا تو فرمایا:

انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر ولا یؤذیک

(رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ج ۱، ص: ۲۴۸)

ترجمہ: قبر سے اتر آؤ، قبر والے کو اذیت نہ دے اور نہ وہ تجھے اذیت دے۔

حضرت ابو قلابہ سے قبر والے نے جو کہا صحیح کہا تاہم اس میں کسی شک کو راہ نہیں کہ یہاں سے جانے والوں نے یہاں کے معاملات میں بارہا زندہ انسانوں کی رہنمائی کی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اپنی طرف سے نہیں مشیت باری تعالیٰ سے وجود میں آتا رہا ہے۔ یہ صاحب قبر کی حیات برزخی ہے جس کے سبب اس نے قبر پر بیٹھنے والے سے اذیت محسوس کی اور یہ مردوں کے زندوں سے ایک گونہ تعلق کا ایک کھلا ثبوت ہے (۱) مولانا محمد ازہر مدیر الخیر ملتان اس مضمون پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

حاشیہ: اس جہاں سے رخصت ہونے والوں نے زندہ انسانوں کی بعض مواقع پر جو رہنمائی کی ہے وہ تاریخ کے مستند حوالوں سے ثابت ہے۔اور یہ کسی دور کے ساتھ خاص نہیں۔ دور حاضر میں بھی اس طرح کے نشانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔راقم (محمد ازہر) کی اہلیہ حفصہ مرحومہ (بنت سردار محمد اجمل خان لغاریؒ) جو ایک پارسا خاتون تھیں، 1995 میں زچگی کی حالت میں رحلت کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئیں ان کے جوتے وہیں ہسپتال میں رہ گئے تھے انہوں نے خواب میں آکر بتایا کہ وہ ہسپتال میں فلاں جگہ ہیں وہاں سے اٹھوا لو۔ خواب کے مطابق ہسپتال جا کر دیکھا تو جوتے موجود تھے حالانکہ ان جوتوں کا علم نہ مجھے تھا نہ بچی کو حتیٰ کہ ہسپتال والے بھی بے خبر تھے کہ یہ جوتے کسی مریض کے ہیں یا متوفی کے ہیں۔ (ازہر)

خفتگانِ خاک احساس لذت بھی رکھتے ہیں

حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ ایصال ثواب کی بحث میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ مردہ کے پاس جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو لذت آتی ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے شرح الصدور میں ایسی حکایتیں لکھی ہیں ایک حکایت یہ لکھی ہے کہ خواب میں ایک عورت نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم قبر پر آتے ہی قرآن شریف نہ پڑھا کرو تھوڑی دیر بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا کرو تا کہ میں پہلے تمہیں دیکھ لوں۔ کیونکہ جب تم قرآن شریف شروع کر دیتے ہو تو اس کے انوار میں تم چھپ جاتے ہو میں تم کو دیکھ نہیں سکتی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستوں کے قبر پر آنے سے مردہ کو لذت اور سرور ہوتا ہے۔ (وعظ الذکر ص ۱۴)

قال محمد بن واسع الموتیٰ یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ و یوماً قبلہ و یوماً بعدہ (ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری ص ۳۴۴)

ترجمہ: فوت شدگان جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے دن اپنی قبروں پر آنے

والوں کو پہچانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام مومنین کو بھی قبروں میں ایک حیات برزخی حاصل ہے گو ان کے بدن محفوظ نہ رہیں۔ان کی خاک کے ذروں میں بھی یہ ادراک حیات ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر پر آنے والے کا نہ صرف احساس کرتے ہیں بلکہ انہیں پہچانتے بھی ہیں اور قریب سے تلاوت کرنے والے کی تلاوت سے انہیں فائدہ بھی ہوتا ہے۔اس لطیف تعلق کا انکار کسی طرح درست نہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت جہاں بھی ایصال ثواب کی نیت سے کی جائے اس کا ثواب مرحومین کو پہنچتا ہے گو وہ کتنی دور تلاوت کر رہا ہو۔ واقر بہ الحافظ ابن تیمیہؒ

روشن دل لوگ جب کاملین کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں تو ان کی روحانی نسبت بہت قوی ہو جاتی ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے مزار پر بڑا فیض ہوتا ہے۔ اور وہ فیض تقویت نسبت کا ہے۔(حسن العزیز حصہ ۴، ص: ۱۰۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لوگوں کو قبور اولیاء پر جانے سے منع کیا کرتے تھے۔کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا وجہ یہ ہے کہ وہاں جا کر ان کی نسبت محسوس ہوگی اور اس کے سامنے شیخ موجودین کی نسبت ضعیف معلوم ہوگی، پھر ان سے استفادہ نہ ہو سکے گا۔(ایضاً ص ۱۴۶)

بے شک اہل قبور سے تقویت نسبت حاصل ہوتی ہے لیکن تعلیم و اصلاح کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے زندوں کے ذریعے قائم کیا ہے۔حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

باقی رہا نفع تعلیم و اصلاح تو علم ہوتا ہے بتانے سے اور اصلاح ہوتی ہے صحبت سے اور حالات کے دیکھنے سے،سو یہ زندہ ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ مردہ سے۔(ایضاً ص ۳۳۵)

رہا انسانوں کی دنیوی ضرورتوں کا پورا ہونا تو اسے اللہ تعالیٰ نے یہاں اسباب سے وابستہ فرمایا ہے۔ وہ چاہے تو ان کے لیے کچھ باطنی اسباب پیدا فرما دے۔ لیکن بندے کو زیبا نہیں کہ وہ ظاہر سے رخ پھیر کر دنیوی کاموں کے لیے اہل باطن کی قبروں پر حاضری دے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں دنیا میں شرک کا آغاز قبر پرستی سے ہی ہوا تھا۔
(ردالمحتار جلد اول، ص)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کر سکے۔

فی الشامی جلد۳ ص ۱۳۴ ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیاۃ عندالعامۃ بقدر مایحس بالا لم و البنیۃ لیست بشروط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقہ التی لا یدرکھا البصر

ترجمہ: میت کے عذاب کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل اسلام کے ہاں میت میں اس قدر حیات ضرور ڈالی جاتی ہے کہ وہ تکلیف محسوس کر سکے اور عذاب قبر کے لیے جسم کا یکجا ہونا اہل سنت کے ہاں۔ کوئی شرط نہیں بلکہ حیات انہی اجزاء متفرقہ میں بھی ڈالی جاتی ہے۔ جنہیں نظر نہ پا سکے۔ (کفایت المفتی جلد: ا، ص: ۱۹۶)

حضرت مفتی صاحب کا یہ ارشاد عام اموات کے بارے میں ہے کہ ان میں ایک گونہ حیات ضرور رکھی جاتی ہے جس سے ان پر عذاب قبر ہوتا ہے۔ یہ حیات اگر ریزہ ریزہ ہوئے بدن کے اجزائے متفرقہ میں ہو تو یہ عام مشاہدے میں نہیں آسکتی۔ رہے اولیاء کرام اور ان سے اوپر شہداء کرام اور پھر انبیاء علیہم السلام تو ان کی قبر کی حیات ان سے ممتاز ہے۔
حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

ہاں انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے۔ جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے۔ مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔ (کفایت المفتی: ج ا، ص ۷۷)

دنیا کی زندگی کے لوازم میں یہاں کی مادی خوراک اور بول و براز کے تقاضے اور پھر وقت گزرنے پر جسم کا ڈھلنا اور ڈھیلا ہونا، نظر کا کمزور ہو جانا، دانتوں کا ٹوٹنا اور بیماریوں کا

ورود یہ وہاں کی برزخی زندگی میں نہیں۔ گو ان کی زندگی ان کے انہی ابدان میں ہوتی ہے جو قبر میں رکھے گئے۔ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے۔
اگر مفارقت کے بعد مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی جلد اص ۱۶۰)

انبیاء کی حیات فی القبر اپنے درجہ کی ہے اور اولیاء کی اپنے درجہ کی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی وفات کا جو مادہ تاریخ لکھا یہ تھا:

حي دخل الجنة
(آپ ابھی زندہ ہیں اور جنت میں داخل ہو چکے ہیں)۔

حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۳۱۷ھ میں ہوئی اور یہ اس مادہ تاریخ کے ہی اعداد ہیں۔

عالم برزخ میں روح کا دنیوی بدن سے تعلق حیات

روح اعلیٰ علیین سے دنیوی بدن عنصری پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اسے سمجھنے کے لیے قبر کے اندر کے حالات کو تو منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا لیکن ہمیں اولیاء کرام کی حیات برزخی کے ان کے دنیوی بدن میں اترنے کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ برزخی حیات کا یہ حامل بدن کئی دن تک اسی حالت میں دکھایا جاتا رہا جیسا کہ ابھی روح نے اس سے پرواز کیا ہو۔ بارہویں صدی کے عارف باللہ میر عبدالجلیل بلگرامی کے نام نامی سے کون واقف نہیں آپ میر غلام علی آزاد بلگرامی مصنف مآثر الکرام کے نانا تھے آپ کا انتقال دہلی میں ۲۳ ربیع الاول ۱۱۳۸ کو ہوا آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو بلگرام میں دفن کیا جائے۔ آپ کے نواسہ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:۔

آپ کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ باوجود اس کے کہ تابوت کو دہلی سے بلگرام لے جانے میں چودہ دن لگے اور گرمی کا موسم تھا مگر آپ کا جسم مبارک بالکل صحیح و سالم تھا کسی عضو میں کوئی بھی تغیر نہیں ہوا تھا جسد

مطہر تازہ میت کی طرح تابوت سے چارپائی پر رکھا گیا آپ کے ہم درس استاذ المحققین میر طفیل صاحب بلگرامی نے اپنے ہاتھوں آپ کو قبر میں اتارا۔ (ماثر الکرام دفتر اول ص ۲۶۶)

مرحوم کی حیات برزخی اسی وقت سے شروع تھی جونہی آپ نے اس دنیا سے رخت سفر باندھا تھا لیکن آپ کی روح پُرفتوح (اعلیٰ علیین سے یا جہاں بھی وہ ہو، افنیہ قبور پر ہو یا فضا کی کسی لہر میں) آپ کے دنیوی جسد عنصری سے برابر حیات کا تعلق قائم کیے رہی ورنہ چودہ دن تک بدن بالکل صحیح سالم کیسے رہا۔ یاد رہے کہ اس وقت ریفریجریٹر قسم کی کوئی چیز نہ تھی جو بدن کی گرمی کے کسی اثر کو روک لے۔ سوائے اس کے نہیں کہ برگزیدہ اولیاء کرام کے لیے عالم برزخ میں اس حیات کا اقرار کیا جائے جو بدن عنصری سے تعلق قائم کیے ہو یہ شان اصل میں تو انبیاء کی ہے کہ ان کے ابدان پر عناصر (مٹی ہو یا ہوا) اثر نہیں کرتے لیکن ان کی نسبت سے اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کرام میں یہ جلوہ دکھا دے تو اللہ تعالیٰ کے اس دست کرم کو کوئی روک نہیں سکتا۔

مشہور اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی حضرت مولانا عبدالجلیل بلگرامی کی نسبت ان کے چودہ دنوں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے تاریخ اہلحدیث ص: ۴۵۲، طبع مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور)

حضور ﷺ کے دفن میں تین دن کی تاخیر محض اس لیے کر لی گئی تھی کہ آپ کے بدن اطہر پر عناصر اربعہ کے کسی طور پر اثر انداز ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا آپ اس وقت اس برزخی حیات میں تھے جو برابر آپ کے بدن اطہر پر اپنا اثر قائم کیے ہوئے تھی آج بھی وہ بدن عنصری اسی طرح نرم ہے جس طرح دفن کے وقت تھا اور روح اقدس اس سے وہ تعلق حیات قائم کیے ہوئے ہے کہ آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور زائرین کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں گو یہ نمازیں اور جواب سلام ایک برزخی پردے میں ہوں جن کو نہ ہر آنکھ دیکھ سکے نہ ہر کان سن سکے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے یہ پردہ اٹھا دے تو وہ اس ایمان پرور منظر کو ان آنکھوں سے بھی دیکھ لیتا ہے جیسا کہ حضورؐ نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

شیرانوالہ لاہور کے شیخ التفسیر مولانا احمد علی کی قبر کی مٹی سے جو کئی دن خوشبو آتی رہی وہ اس لیے تھی کہ بدنِ ولی اس مٹی سے پیوست تھا یہ بدن ولی کے آثارِ حیات میں سے ہے جو عالم برزخ میں واقعی ایک برزخی حیات رکھتے ہیں۔

باب نہم

قرآن کریم میں علم لدنّی کی خبر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

قرآن کریم نے سورہ آل عمران میں آنحضرتؐ کے چار فرائض رسالت بیان کئے ہیں (۱) قرآن کریم کی تلاوت (اس کا پڑھنا اور سننا) (۲) اپنے فیض صحبت اور توجہ سے صحابہؓ کے دلوں کو پاک کرنا (ان کا تزکیہ باطن) (۳) انہیں قرآن کی تعلیم دینا اور (۴) حکمت سکھلانا۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ و یزکّیھم و یعلّمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ۴، آل عمران۱۶۴)

لیکن قرآن کریم نے سورہ البقرہ میں ایک اور علم کی بھی خبر دی ہے جو مشکوٰۃ نبوت سے بطریق انعکاس کاملین امت کو ملتا ہے اسے اس کے مرتبہ عالیہ کی وجہ سے ما کے عموم میں لپیٹ دیا ہے یہ اس کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔ جیسے فاوحی الی عبدہ ما اوحی میں ما عظمت شان پر دلالت کرتا ہے۔

کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیاتنا و یزکّیکم و یعلّمکم الکتاب والحکمۃ و یعلّمکم ما لم تکونوا تعلمون (پ۲، البقرۃ۱۵۱)

ترجمہ: جیسا کہ بھیجا ہے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے (۱) وہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیتیں (۲) اور پاک کرتا ہے تم کو اور (۳) سکھلاتا ہے تمہیں کتاب (قرآن کریم) اور (۴) اس کے اسرار (حکمت) اور (۵) سکھاتا ہے تمہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

اس آیت کے آخری حصہ میں یعلّمکم الکتاب و الحکمۃ کے بعد یعلمکم پھر سے لایا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ یعلمکم الکتاب والحکمۃ کی تفسیر نہیں ایک اور علم ہے جو حضور اکرم ﷺ حدیث وفقہ کے سوا صحابہؓ کے دلوں پر اتارتے تھے یہ وہ فیض باطنی ہے جو آپ یعلمکم الکتاب (تعلیم حدیث) والحکمۃ (فقہ و استنباط) کے علاوہ صحابہؓ کے دلوں میں اتارتے تھے یہ وہ نور باطن ہے جو صحابہؓ کو بطریق القاء ملتا تھا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) یہاں لفظ یعلمکم کو دوبارہ لانے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

تکرار فعل (یعلّم) علیٰ ان التعلیم من جنس آخر و لعل المراد به العلم اللدنّی الماخوذ من بطون القرآن و من مشکوٰۃ صدر النبی ﷺ الذی لا سبیل الیٰ درکه الا الانعکاس (تفسیر مظہری جلد:۱،ص:)

ترجمہ: فعل یعلمکم کا تکرار اس لیے ہے کہ یہاں (یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون میں) کوئی اور طرح کی تعلیم مراد ہے غالباً اس سے مراد وہ علم لدنی جو قرآن کے بطن اور حضور پاک ﷺ کے روشن سینہ سے چلا اس تک پہنچنے کا ذریعہ وہ انعکاس ہے جو صحابہؓ کے دلوں پر اترتا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا روشن سینہ صحابہؓ کے قلوب پر عکس فگن ہوتا تھا اور وہ اس انعکاس سے علم لدنّی پالیتے تھے اس علم لدنّی کی عکس پذیری کے لیے صحابہؓ کو کثرت ذکر کی تعلیم دی گئی۔ چنانچہ سورہ البقرہ کی اس آیت ۱۵۱ کے آگے آیت ۱۵۲ یہ ہے۔

فاذکرونی أذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون O یا أیها الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ انّ اللّٰه مع الصابرین O ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰه اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (۱۵۴)

ترجمہ: سو اب تم میرا ذکر کرو میں یاد رکھوں گا تمہیں اور احسان مانو میرا اور میری ناشکری نہ کرنا۔ اے ایمان والو! مدد لو صبر اور نماز سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ کہو ان کو جو مارے

گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں وہ تو زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ (۱۳۳۹ھ) اس کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں۔

جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعمت مکرر ہو چکا (یعلمکم کے تکرار سے تمہیں علماً اور عملاً کامل کیا) تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے، دل سے، ذکر سے، فکر سے ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی۔ اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط نہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے اس کی سہولت کے لیے یہ طریقہ بتلایا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو کہ ان کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل کر دیئے جائیں گے اور اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حیاء میں محنت اٹھاؤ کہ اس میں صبر اعلیٰ درجہ کا ہے۔ جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر نہیں اور اسکی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

سب سے پہلے ذکر پر زور دیا گیا اس سے دلوں میں وہ پاکیزگی آجاتی ہے کہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار بلا واسطہ یا وسائط ان پر اترنے لگتے ہیں اور یہ وہ علم لدنّی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرائض رسالت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اسرار الٰہیہ کا بھی پتہ دیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کے اس علم لدنّی کا پتہ دیا ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اولاً سمجھ نہ پائے تھے۔

> فوجدا عبداً من عبادنا اٰتیناہ رحمۃ من عندنا و علمناہ من لدنّا علماً (پ۱۵، الکہف ۶۵)
>
> ترجمہ: پس موسیٰ اور ان کے ساتھی نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو دی تھی ہم نے اپنے ہاں سے رحمت اور سکھلایا تھا اسے ہم نے اپنے پاس سے علم لدنّی۔

علم تکوین کی یہ جزئیات اور وقائع کونیہ کے اسرار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح نہ کھلے تھے جس طرح وہ اس علم لدنّی میں پائے گئے۔

یہ قرآن پاک میں علم لدنی کی صریح لفظوں میں خبر دی گئی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس علم کے حصول کی راہ کا اس طرح پتہ دیتے ہیں۔

ولما کان طریق تحصیل تلک المعارف منحصراً فی الالقاء والانعکاس وکان کثرۃ الذکر والمراقبۃ یفید القلب وللنفس صلاحیۃ الانعکاس من مشکوٰۃ صدر النبیﷺ بلا واسطۃ اوبوسائط عقب اللّٰہ سبحانہ بقولہ فاذکرونی.

(تفسیر مظہری جلد ص)

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل کرنے کا طریقہ بس یہی ہے کہ ایک طرف سے القاء ہو اور دوسری طرف سے انعکاس (مرشد اور مرید کے مابین یہ ربط قائم ہو) اور کثرت ذکر اور مراقبات دل کو قوت دیتے ہیں (اس کے زنگ کو دھو ڈالتے ہیں) اور نفوس میں مشکوٰۃ نبوت سے ان انوار کی عکس پذیری (اس فیضان کو قبول کرنا) وہ بلاواسطہ ہو یا اس کے آگے کئی اور وسائط ہوں، کی صلاحیت موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے کثرت سے یاد کرو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ صرف یہی نہیں اللہ رب العزت نے جہاں بھی ذکر کا حکم دیا علمکم مالم تکونوا تعلمون میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ معاً مومنین ذکر فرمایا۔

فاذا أمنتم فاذکروا اللّٰہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون

(پ۲، البقرہ ۲۳۹)

ترجمہ: سو جب تم امن پاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔

اس علم کے جاننے میں جو مشکوٰۃ نبوت سے بصورت القاء اور ظروف امت میں بطریق انعکاس اترتا آیا ہے اور اللہ رب العزت کے ذکر میں ایک مناسبت ہے۔ دلوں کا زنگ ہے جو انوار نبوت کو ان میں اترنے نہیں دیتا اور دلوں کے زنگ دھونے کا طریقہ قرآن کریم میں ذکر ہی بتایا گیا ہے، جتنا بھی ہو سکے۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب سحرگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

علم لدنی علم شرائع سے ماوراء ایک ملاء اسرار ہے

نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے علم اسرار کی چند کڑیاں آپ کے سامنے رکھی جائیں اس سے علم لدنی کی لطیف پہچان ہوسکتی ہے۔

خواب اور ظاہراً اس کے مطابق ہونے والے واقعات میں بہت لطیف رابطہ ہے انتہائی لطیف دماغ ہی اس ربط پر قابو پاسکتے ہیں۔ یہ نہ علم احکام ہے، نہ علم تذکیر، نہ یہ موضوع رسالت ہے کہ اسے آگے لے جایا جائے، نہ یہ کوئی باب تاریخ ہے کہ اسے یاد رکھنا مطلوب ہو یہ وہ خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اطلاع علی الاسرار کے طور پر دیتا ہے یہ وحی نبوت سے الگ ایک وادی اسرار ہے جس میں صرف علم لدنی والے ہی داخلہ پاتے ہیں اللہ نے حضرت یوسفؑ کو وحی نبوت کے طور پر جو علم دیا وہ آپ کو بہ پیرایہ اجتباء دیا گیا اور تعبیر رؤیا کا علم آپ کو علم لدنی کے طور پر مرحمت ہوا۔

وکذٰلک یجتبیک ربک ویعلمک من تأویل الاحادیث......

ان ربک علیم حکیم (پ۱۲، یوسف۶)

ترجمہ: اور اسی طرح تجھ کو برگزیدہ کرے گا تیرا رب اور تجھے تاویل احادیث کا علم دے گا (کہ باتیں کس طرح ٹھکانوں پر لگائی جاتی ہیں) بے شک تیرا رب خبردار ہے حکمت والا۔

جس طرح آپ کو سلطنت بطور خاص انعام کے دی گئی تعبیر خواب آپ کو علم لدنی کے طور پر عطا ہوا حضرت یوسف ان دونوں انعامات الٰہیہ کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

رب قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث

(یوسف:۱۰۱)

ترجمہ: اے میرے رب! تو نے دی مجھے کچھ حکومت اور سکھایا مجھے وہ علم جس میں باتیں کس طرح ٹھکانوں پر لائی جاتی ہیں۔

حضرت خاتم النبیینؐ کو علم لدنی مکاشفات کی راہ سے دیا گیا ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے

اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے دوکندھوں کے مابین رکھا۔ ہاتھ رکھتے ہی آپ پر آسمانوں کے دروازے کھل گئے ملاء اعلیٰ آپ کے سامنے کھل گیا آپ فرماتے ہیں:۔

فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردھا بین ثدیی فعلمت مابین السمٰوات ومافی الارض (جامع ترمذی ج:۳،ص:۱۵۵)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دوکندھوں کے مابین رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی اسی وقت میں نے آسمانوں اور زمین کے اندر کی باتیں جان لیں۔

یہ علم شرائع کا نہیں اس کا تعلق خدا کے نظام تکوین سے ہے یہیں سے یہ مسئلہ استنباط کیا گیا ہے کہ کشف والہام شریعت میں حجت نہیں۔ اس سے کئی اسرار تو بے شک کھلتے ہیں لیکن ان سے قانون ترتیب نہیں پاتا۔

حضور ﷺ نے علم تعبیر میں ایک لطیف اشارہ دیا لیکن ہم ابواب فقہ میں اسے نہیں لاسکتے۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔

ترجمہ: خواب میں اسماء سے تعبیر لو اور اس کی کنیتوں سے اشارات لو۔

اس امت کے کئی کاملین بھی علم لدنّی پا گئے

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جملہ صدیقوں کے پیشوا تھے آپ کو خود حضور اکرم ﷺ سے تعبیر خواب کی اجازت ملی تھی اور آپ حضورؐ کے سامنے اس علم لدنّی کی خبر دیتے تھے۔ حضورؐ نے بعض کی تصدیق فرمائی اور بعض میں اصلاح کی۔ ایک دفعہ فرمایا:۔

اصبت بعضاً واخطأت بعضاً (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸)

۲۔ امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) اس امت میں علم رؤیاء کے امام تسلیم کئے گئے ہیں مسلمانوں میں اس فن پر لکھی گئی کتاب "تعطیر الانام" انہی کی تعبیرات و فیوض کا علمی خزانہ ہے۔ آپ اہل بدعت کی روایات لینے سے بہت لرزاں تھے یہی، وہ لوگ ہیں جنہوں نے اولیاء اللہ کی روحانی پرواز کو سخت مکدر کر رکھا ہے

۳۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے جن شیوخ سے سلوک کی منزلیں طے کیں تذکرہ نگاروں نے ان میں حضرت خضرؑ کا ذکر بھی کیا ہے، آپ پر حضرت خضر کے علم

لدنی کی جھلک اتری تھی اور آپ پر خدا کے نظام تکوین کے بہت اسرار کھلے تھے، افسوس کہ کئی لوگوں نے نادانی میں آپ میں کئی خدائی طاقتوں کا تصرف دیکھا اور وہ شرک و زندقہ کا شکار ہوئے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے علم لدنی کی ایک بڑی عطا سے نوازا تھا۔

۴۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن پر اس امت میں علم لدنی کا دروازہ عجیب شان سے کھلا تھا۔ فتوحات مکیہ آپ کی وہ روحی فتوحات ہیں جو آپ نے کشف و الہام کی راہ سے پائیں علماء نے آپ کی کئی باتوں سے سخت اختلاف بھی کیا ہے لیکن ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے آپ کو عالم برزخ میں مقبولین کی صف میں دیکھا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے التنبیہ الطربی میں آپ کی طرف سے پوری صفائی پیش کی ہے اور آپ کو اہل اللہ میں شمار کیا ہے۔

۵۔ شاہ شمس تبریز (ھ) بھی علم لدنی کی بڑی نعمت پائے ہوئے تھے مولانا روم (۶۷۲ھ) جیسے جلیل القدر عالم آپ کے حلقہ ارادت میں تھے آپ کا یہ شعر اہل علم سے کبھی مخفی نہیں رہا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

۶۔ شیخ ابوالحسن الشاذلی (۶۵۶ھ) شاذلہ افریقہ کی ایک بستی کا نام ہے آپ وہاں کے رہنے والے تھے حزب البحر آپ کا ترتیب یافتہ وظیفہ ہے بہت سے کاملین اس کے ساحل پر آئے لیکن کم ایسے خوش نصیب ہوئے جو اسے عبور کر پائے۔ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید کہتے ہیں میں نے ابوالحسن شاذلی سے بڑھ کر کسی کو عارف باللہ نہیں دیکھا۔

۷۔ شیخ ابراہیم دسوقی (۶۷۶ھ) آپ پرندوں اور جانوروں کی بولیوں پر بہت دسترس رکھتے تھے آپ نے شریعت کے ظاہر کے مقابل ایک علم خفی کا پتہ دیا ہے جسے کئی دوسرے بزرگوں نے علم لدنی کا نام دیا ہے، آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

الشریعة اصل والحقیقة فرع فالشریعة جامعة لکل علم مشروع والحقیقة جامعة لکل علم خفی

(لواقح الانوار جلد: ۱، ص: ۱۴۴)

ترجمہ: شریعت ایک جڑ ہے اور حقیقت اس کا پھیلاؤ ہے سو شریعت ہر

علم کی جو چل نکلے جامع ہے اور حقیقت ہر علم خفی کو بھی شامل ہے۔

یہاں علم مشروع اور علم خفی دو لفظ ایک دوسرے کے متقابل ہیں

۸۔ حضرت علی الخواص برلسی (ھ) بالکل امی تھے آپ شیخ عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) کے شیخ ہیں۔ علامہ شعرانیؒ نے الیواقیت والجواہر اور الجواہر والدرر میں ان کے بعض اقوال نقل کیے ان سے ان کے گہرے علم کا پتہ چلتا ہے ان کے ہاں عالم وہی ہے جو نقلاً اور اصلاً علم نہ پائے اس پر اللہ کی طرف سے علم کے انوار اترے ہوں، اسے آپ خضری مقام کہتے تھے، یہی لوگ علم لدنّی کے حامل ہوئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

لا یسمی عندنا عالماً الا من کان علمه غیر مستفاد من نقل او صدر بان یکون خضری القام (لواقح الانوار جلد۲، ص ۱۳۷)

ترجمہ: ہمارے ہاں وہ شخص جو صرف روایات یا یاداشتوں سے علم پائے اس درجے کا عالم نہیں کہلاتا کہ اسے خضری القام مانا جائے اس راہ کا عالم وہی ہے جس پر کچھ علم لدنّی کا بھی فیض اترا ہو۔

۹۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ)

ولایت میں آپ کی پرواز بہت اونچی تھی تذکرہ نگار کی حیثیت سے آپ نے نفحات الانس میں بہت سے اولیاء کرام کی سوانح جمع کی ہیں نحو وادب میں ان کا یہ مقام ہے کہ آج بھی کوئی شخص عالم کہلانے کا حقدار نہیں سمجھا جاتا اگر اس نے شرح جامی کسی فاضل استاذ سے نہ پڑھی ہو۔ گیارہویں صدی کے علماء میں جن پر اسرار شریعت عجیب پیرائے میں کھلے ان میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) ہوئے اور بارہویں صدی کے اس صف کے علماء میں سید عبدالعزیز دباغ (ھ) شیخ احمد بن مبارک سلجماسی، شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) تیرہویں صدی کے علم لدنّی سے نوازے جانے والے ایسے بزرگوں میں حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ)، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۳۰۳ھ) بے شک اپنے اپنے وقت میں اس بحر ذخار کے گہرے شناور تھے۔

ہم یہاں اس علم پر بحث نہیں کر رہے علم لدنی اور علم شرائع میں عموم خصوص من وجہ

ہے، ہم یہاں صرف ان بعض اہل مکاشفہ کا پتہ دے رہے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس راہ سے بھی علم سے خوب نوازا تھا۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی کا ارشاد ملاحظہ ہو

فرمایا علوم دو قسم ہیں علوم معاملہ اور علوم مکاشفہ۔

علوم معاملہ جیسے تہذیب الاخلاق اور اصلاح اعمال۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصل مقصود یہی علوم ہیں اور علوم مکاشفہ جیسے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود وغیرہ نہ یہ اصل ہیں اور نہ انبیاء کی بعثت ان کے لیے ہوتی ہے ان کے لیے تو یہی غنیمت ہے کہ نصوص کے خلاف نہ ہوں ان کی تدوین محض اس لیے ہوئی کہ ایسے واردات بعض کو پیش آئے۔

(آثار خیر مولفہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری)

اللہ سے معاملہ ہو یا بندوں سے دین وشریعت کی حدیں علوم معاملہ سے ملتی ہیں۔

علوم مکاشفہ کی دنیا دوسری ہے گو نجات کا مدار ان پر نہیں وہ علم شرائع پر ہے مگر اللہ رب العزت نے بسا اوقات اپنے بندوں کو علوم مکاشفہ کے عجیب وغریب جلوے بھی دکھائے ہیں علم لدنّی کی راہوں میں چلنے والوں کا پتہ خود قرآن پاک نے بھی دیا ہے اور کتب حدیث میں بھی ایسے کئی مکاشفات ملتے ہیں سو کسی پڑھے لکھے مسلمان سے ان کا انکار ممکن نہیں۔

اللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

باب دہم

اصطلاحات تصوف

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

الفاظ اپنی اصل میں لغات پر مبنی ہوتے ہیں۔ لغات اہل زبان کے استعمال اور محاورات کا نام ہے لیکن یہی الفاظ مختلف فنون کے دائرہ میں آکر کثرت استعمال سے ایک خاص معنی پر بند ہوجاتے ہیں ان سے اصطلاحات بنتی ہیں اسی سے ہر موضوع میں کچھ اصطلاحات قائم ہوئیں۔ یہی حال تصوف کا ہے، تصوف کے اپنے گہرے حقائق ہیں اور انکی دریافت اس سے بھی زیادہ گہری ہے تاہم کسی معنی پر الفاظ کے ذریعہ ہی پہنچا جاسکتا ہے اور یہ معنی ان الفاظ کو وہ فن مہیا کرتا ہے جس میں گفتگو ہورہی ہو۔ ہم یہاں اس سلسلہ کے صرف چالیس لفظوں سے بحث کریں گے اور انکا وہ مفہوم واضح کریں گے جو اس فن نے انہیں دیا ہے انکے مطالعہ سے مطالعہ کرنے والے کے ذہن میں کچھ دوسری اصطلاحات ازخود واضح ہوتی جائیں گی اور ان الفاظ کے جان لینے سے دل میں روح تصوف اترے گی، یہ اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے اور اس سے زیادہ حسین رنگ اور کس کا ہوسکتا ہے۔ جو اس میں آگئے وہ خدا کی رنگ میں رنگے گئے۔

عجب رنگ بے رنگ ہر رنگ میں ہے

(۱) امارت اور غربت:

دنیا میں جس کے پاس دولت ہو اسے امیر کہا جاتا ہے اور جس کے پاس درہم ودینار نہیں وہ فقیر اور غریب سمجھا جاتا ہے، مگر تصوف کی زبان میں امیر وغریب کی پہچان اور طریقے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ (۱۶۲ھ) کے پاس ایک شخص ایک جبہ بطور ہدیہ لے کر آیا حضرت نے فرمایا ان کنت غنیا قبلتھا وان کنت فقیرا لم اقبلھا (البدایہ ج۱۰، ص۱۴۸) اگر تو امیر ہے تو میں تیرا ہدیہ قبول کرتا ہوں اور اگر تو غریب ہے تو تو اسکا زیادہ

مستحق ہے۔ اس نے کہا، حضرت میں امیر ہوں، آپ نے پوچھا تیرے پاس کتنی دولت ہے اس نے کہا دو ہزار۔ آپ نے پوچھا کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے یہ دو ہزار چار ہزار ہو جائیں اس نے سمجھا کہ فقیر پر قبولیت کا وقت اترا ہوا ہے ہاں کہہ دو۔ اس نے ہاں کہا اس پر آپ نے فرمایا میں تیرا ہدیہ نہیں لیتا کیونکہ تو فقیر ہے امیر تب ہوتا کہ ضرورت پورا ہونے پر تمہیں مزید دولت کی خواہش نہ ہوتی۔ اس سے امیر و غریب کے وہ معنی سامنے آئے جو محض لغت نہ کھول سکی تھی یہ معنی اس راہ کے محققین نے کھول دیا۔

(۲) تواضع وانکساری:

اسکے لغوی معنی عاجزی کرنا ہے اب جو شخص دوسروں کے سامنے نرمی سے پیش آئے۔ ملائم زبان سے بات کرے لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا متواضع ہے منکسر المزاج ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:۔

صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے ...... تواضع حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے، ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں ہاں ایسے تو بہت ہیں کہ زبان سے اپنے کو برا کہتے ہیں لیکن دل میں اپنے کو برا نہیں سمجھتے۔ اسکی پہچان یہ ہے کہ جب وہ اپنے کو برا بتلا دیں اور کہیں کہ میں تو بہت بڑا نالائق ہوں اگر کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالائق ہیں پھر دیکھئے کہ انکی کیا حالت ہوتی ہے سن کر تلملا ہی تو جائیں گے، وضع داری سے چاہے چپ رہیں مگر دل میں تو یہ آئے گا کہ اسکو کھا جائیں ہاں اگر دل میں ذرا برا نہ مانیں تو واقعی انکے اندر تواضع ہے (وعظ حیوۃ طیبہ ص:۴)

یہ اندر کی حقیقت انہی محققین کی کاوش سے بدلتی ہے پھر تواضع وانکسار میں اور جھوٹ میں ایک کھلا فرق ہے۔ بزرگ تواضع وانکسار میں بھی جھوٹ نہیں بولتے۔

تواضع قدر مشترک کے اظہار اور اپنے امتیاز سے صرف نظر کا نام ہے۔ انما انا بشر أنسى كما تنسون میں قدر مشترک کا اظہار ہے مگر یہ جھوٹ نہیں۔ پیغمبر تواضعا بھی حق ہی کہتے ہیں۔ خلاف حق بات ان کی زبان سے نکلی ہی نہیں۔

(۳) نسبت:

جب کوئی سالک کسی مجلس میں اللہ کی باتوں میں کھو جائے یہ تلاوت کی صورت میں

ہو یا تدارس کی صورت میں تو اس اشتغال بالذکر سے اسکے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے بہت سے ذاکرین ایک جگہ جمع ہوں تو ذکر میں دلچسپی، دلوں میں نشاط، ہمت کا بڑھنا اور سستی کا دور ہونا میسر آتا ہے اور ذکر کرنے والے کو اس میں لطف محسوس ہوتا ہے، یہ خدا کی طرف سے قبولیت کی ایک علامت ہے جب اسے اس میں رسوخ حاصل ہو جائے تو بدوں اس ذکر کے اسے سکون نہیں ملتا جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ صاحب نسبت ہو گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں:۔

> مشاہدہ شاہد ہے کہ اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے اور مواظبت سے اس میں رسوخ حاصل ہو جاتا ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو نسبت کہتے ہیں حدیث میں اسے سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (التکشف ص:۲۷۴)

دنیوی وراثت نسب سے ملتی ہے اور دینی وراثت نسبت سے۔ آنحضرت ﷺ نے دین ملنے کے لیے بھی وراثت کی تعبیر اختیار فرمائی آپ نے فرمایا

ان العلماء ورثة الانبیاء (رواہ ابوداؤد)

حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

> اہل طریقت میں مشہور ہے کہ نسبت باطنی رسول اللہ ﷺ سے متوارث چلی آتی ہے اس حدیث سے اس طرح اسکا اثبات ہوتا ہے کہ دوسری حدیثوں سے علم کا مصداق حقیقی علم فی القلب ثابت ہے اور اسی کو موروث عن الانبیاء فرمایا۔ (التکشف، ص ۳۳۶)

جب یہ نور دل میں داخل ہوتا ہے تو صاحب نسبت کا سینہ اسلام کے لیے کھل جاتا ہے اسکی علامات یہ ہیں (۱) اس دھوکے کے گھر (یعنی دنیا) سے دوری (۲) اور ہمیشہ رہنے والے گھر (یعنی آخرت) کی طرف توجہ اور (۳) موت کے لیے اسکے آنے سے پہلے تیاری۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدرہ للاسلام

(پ:۸، الاعراف:۱۲۶)

ترجمہ: سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس

کے سینہ کو اسلام قبول کرنے کے واسطے۔
اور اس ہدایت الٰہی کی تفسیر اسی نور باطن سے فرمائی جو اللہ کی یاد سے دل میں اترتا ہے آپ نے فرمایا:۔

ان النور اذا دخل الصدر انفسخ فقيل يا رسول الله هل لتلک من علم يعرف به قال نعم التجافی من دار الغرور والانابة الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله
(رواہ البیہقی، مشکوۃ ص: ۴۳۸)

حضرت تھانوی اس نسبت باطنی پر لکھتے ہیں:۔

اس نسبت باطنی کا نام نور اور شرح صدر بھی ہے اور علامت اسکی حدیث میں منصوص ہے ایسی علامتیں تلاشِ پیر میں معین ہوتی ہیں۔ یہ صفات شرط ہیں علت تامہ نہیں۔ (التکشف ص ۴۱۴)

جس شخص کو رہبر کامل تک رسائی ہوگئی اور اسے ذکر میں یہ رسوخ مل گیا تو وہ صاحب نسبت ہو گیا۔ جب اس نور کی ابتداء آنحضرت ﷺ سے ہے اور جس کو بھی یہ دولت ملی حضور ﷺ سے وراثۃً ملی تو صاحب نسبت وہی ہوگا جس نے وراثۃً یہ دولت پائی ہو۔ خود بنے رہنما یہ نسبت نہیں پاتے۔

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر
مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

(۴) وحدۃ الوجود:

سالک کی نظر میں وجود حقیقی صرف ایک خدا کا ہے، وہی ایک ذات ازلی ہے، باقی جو کچھ ہے وہ حادث ہے، یہ حادث وجود نہ ہونے کے برابر ہے اور سالک جب اسکے نہ ہونے کا دعوی کرتا ہے تو وہ نفی کمال کا دعوی کرتا ہے جیسے کہا جائے لافتی الا علی یا لا سیف الا ذوالفقار اسکا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی کے سوا اب تک کوئی بہادر نہیں ہوا اور ذوالفقار کے سوا اب تک کوئی تلوار نہیں چلی۔

اللہ تعالی اپنے وجود میں یکتا ہے کوئی اسکے برابر ہو اسکے قریب بھی نہیں کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام وجود کامل حقیقی ایک ہی ہے باقی جو

ہیں اسکی قدرت کے سائے ہیں، ناقص کو کامل کے سامنے لاشئی اور کالعدم کہہ دینا کوئی عیب نہیں۔ محققین اہل تصوف کے ہاں حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا وجود نہیں اس اعتبار سے وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں وہ اتحاد وجود کے قائل نہیں کہ خدا اور اسکی مخلوق میں وحدت ہے رزاق اور مرزوق میں وحدت ہے اگر انہیں ہر مخلوق میں خدا کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے وہ مخلوق کو اپنی ذات میں کچھ نہیں سمجھتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انکے ہاں خدا اور اسکی مخلوق ذاتاً متحد ہو گئے ہیں (معاذ اللہ)۔

وحدۃ الوجود کی یہ تشریح اگر عقیدے تک محدود ہو تو اسے عقیدہ توحید کہتے ہیں اور جب یہ کسی سالک کا حال بن جائے کہ وہ وجود حقیقی کے سوا ہر چیز کے وجود کو نہ ہونے کے برابر سمجھے تو وہ اللہ کی ذات میں گم ہو کر مقام فنا میں آ گیا اپنے آپ کو مٹا گیا اور ہر چیز اسکی نظر میں کالعدم ہو گئی، یہ مقام فنا ہے۔

جب اس فانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب میں جگہ دی تو یہ مقام فنا پر آنے والا سالک مقام بقا پا گیا۔ یہ حقائق وجود کی بحث نہیں وحدت شہود کی بحث ہے کہ نظر آنے والے کو وجود حقیقی ہی دکھائی دے اور باقی ہر چیز نہ ہونے کے درجے میں اسے فانی نظر آئے۔

اہل علم کے ہاں ہر مخلوق کے وجود حقیقی کی نفی شروع سے چلی آ رہی ہے جب سے تصوف کی محنت شروع ہوئی ہر سالک نے اللہ تعالیٰ کو یکتا پایا اور اس نے وحدۃ الوجود کی آواز لگائی اس میں اور جاہل صوفیوں کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے بڑا کھلا فرق ہے یہ دوسری بات کفر صریح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

(۵) وحدۃ الشہود:

یہ اصطلاح اپنی لفظی دلالت میں بالکل واضح ہے اسکا معنی ہے مشہود کا ایک ہونا کہ واقع میں تو موجودات متعدد ہیں مگر سالک کو مقام فنا میں آ کر ایک کا ہی مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کالعدم دکھائی دیتے ہیں سالک کو جب نظر کامل میسر ہوئی تو اب اسکے شہود میں ایک ہی حقیقی وجود ہے۔ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت اس معنی پر جو ہم نے عرض کئے مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت ہمارے اس معنی پر حقیقی ہے سو جب جہت حکم بدل گئی تو ان میں کوئی تعارض نہ رہا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ بیان فرماتے ہیں:۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں حقیقی نہیں صرف لفظی اختلاف ہے مگر

چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے بعض محققین نے اسکا عنوان بدل دیا۔ (التکشف ص ۱۱۴)

حضرت شیخ سعدی نے وحدۃ الشہود کا نقشہ کن لفظوں میں کھینچا ہے اسے دیکھئے:۔

مگر دیدہ باشی کہ درباغ وراغ
بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
نہ بینی کہ آں کرمک خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز وشب جز بہ صحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

ترجمہ: شاید آپ نے باغ اور صحرا میں دیکھا ہو کہ ایک کیڑا رات کو چراغ کی طرح چمکتا ہے کسی نے اسے کہا کہ رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھے کیا ہوا کہ دن کے وقت تو باہر نہیں آتا۔

تو نہیں دیکھتا کہ اس خاک کے کیڑے نے روشن دماغی سے کیا جواب دیا میں تو دن رات صحرا میں ہی ہوتا ہوں مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہوتا۔

اسکا یہ مطلب نہیں کہ سورج سامنے ہو تو میں ہوتا ہی نہیں مطلب یہ ہے کہ سورج کے سامنے میرا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

(۵) ہمت: ارادہ عبادت کی انتہائی حالت

ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ہمت کہتے ہیں مومن نے جب عبادت میں اپنی ہمت اللہ تعالیٰ پر جمالی تو وہ ذوق عبادت پا گیا اب اسے یہ ہمت اسی پر لگائی رکھنی چاہیے کسی اور طرف نہ پھیرے۔ از خود پھر جائے یا کسی دوسری طرف دھیان چلا جائے یہ صرف ہمت نہیں، وہ خود اپنی توجہ کسی دوسری طرف پھیرے یہ صرف ہمت ہے۔

انسان جب تک عبادت میں نہ ہو اپنی توجہ کسی بھی طرف پھیر سکتا ہے یہ عیب نہیں

لیکن عبادت میں وہ اول سے آخر تک اپنی توجہ مقصود حقیقی پر ہی جمائے کسی اور طرف نہ پھیرے عبادت میں صرف ہمت کسی اور طرف جائز نہیں یہ کیفیت اونچے درجے کے مؤمنین کو نماز میں ہمہ وقت حاصل رہتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ہروی منازل السائرین کی تیسری جلد کے شروع میں لکھتے ہیں:

باب الهمة الهمة مايملك الانبعاث للمقصود صرفا

ترجمہ: ہمت (بندہ مومن کا) وہ ارادہ ہے جو اسے خالصۃ مقصود پر لگائے رکھے۔

ارادہ کی ابتداء ہم ہے (ولقد همت به وهم بها) لیکن انتہا ہمت ہے۔ حافظ ابن قیم جوزی (۷۵۲ھ) مدارج السالکین میں لکھتے ہیں:۔

الهمة فعلة من الهم وهو مبدء الارادة ولكن خصوها بنهاية الارادة فالهم مبدؤها والهمة نهايتها

نماز میں حضور قلب ہمت سے ہی میسر آتا ہے جب دل ہمت کے تابع ہوگا تو انسان کا ادھر دھیان ہی نہ جائے گا جو کسی اور چیز کا مبداء ہو۔ حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں۔

ان حضور القلب سببه الهمة فان قلبك تابع لهمتك فلا يحضر فيما يهمك (احیاء العلوم ج ۱، ص ۱۶۶)

اور پھر لکھتے ہیں:

فلاحيلة ولا علاج لاحضار القلب الا بصرف الهمة الى الصلوٰة (ایضاً)

اس سے پتہ چلا کہ صرف ہمت یہ ہے کہ دل اپنے مقصود حقیقی سے ایک لحہ کیلیے بھی غائب نہ ہونے پائے۔ اس پر محنت کرنے سے حقیقی نماز میسر آتی ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۴ھ) مرزا بدیع الزمان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

وحيث طلبت الهمة من كمال الالتفات فبشرى لك ترجع سالما وغانما لكن لابد من ان تراعى شرطا واحدا وهو توحيد قبلة التوجه فان جعل قبلة التوحيد متعددة القاء

السالک نفسه الی التفرقة (المنتخبات من المکتوبات ص۳۲)

ترجمہ: اور جب تو کیفیت ہمت کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے بشارت ہو کہ تو سالم اور کامران اس مہم سے واپس لوٹے گا لیکن اس میں ایک ضروری شرط ہے اور وہ قبلہ توجہ کا ایک ہونا ہے (کہ توجہ صرف ایک ہی طرف ہو) توجہ اگر کئی پر رہے سالک نے اپنی جان کو تفرقہ میں ڈال دیا (جس سے توجہ کسی مقصود پر نہ جم سکے گی حالانکہ وہی ہمت کا تقاضا تھا)۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر و تاكد العزيمة بصورة التمنى والطلب بحيث لايخطر فى القلب خاطر سوى هذا المراد كطلب العطشان الماء

ترجمہ: ہمت کے معنی اپنے دل کو طلب اور آرزو کے ساتھ ایک مقصد پر ٹھہرانا اور اس پر عزم کو اس طرح جمانا ہے کہ دل میں اس خاص مقصد کے سوا اور کسی بات کی طرف دھیان نہ رہے جیسے پیاسے کو پیاس کے وقت بس پانی ہی کی طلب ہوتی ہے۔

پیاسا پیاس کی حالت میں کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گذرے اسکی ہمت پانی ہی پر جمی رہتی ہے اور اسکی توجہ اس میں لگی ہوتی ہے۔ اہل حق کے نزدیک مومن کی ہمت نماز میں صرف اللہ تعالیٰ پر جمی رہنی چاہیے اور وہ پوری پوری طلب وآرزو سے اس قبلہ مقصود پر اپنا دھیان جمائے رکھے۔ خیالات کتنے ہی کیوں نہ گذریں وہ دھیان جمانے کی حالت صرف خدا سے متعلق ہونی چاہیے، مومن کیلئے دل کسی اور طرف پھیرنا خواہ وہ انبیاء ہوں یا فرشتے اسکے ارادہ ہمت کے خلاف ہونا چاہیے۔ صرف ہمت سے مراد دل کو مقصود سے پھیر لینا ہے اور ہمت سے مراد اسے مقصود پر جمانا ہے۔

اہل بدعت نماز میں اللہ سے توجہ پھیرتے ہیں اور بزرگوں پر نظر جماتے ہیں۔ اس کا پتہ اس سے ملتا ہے کہ وہ دن رات حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز میں صرف ہمت نہ کرنے کی کیوں تلقین کی ہے۔ جس شخص کے متعلق پتہ چل

جائے کہ وہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے صرف ہمت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی۔

(۷) تصور شیخ:

سالک برکت صحبت شیخ کی تلاش میں تصور شیخ تک جا پہنچے ان کیفیات کو معلوم کرنے کیلیے ان جزئیات پر نظر رکھیں۔

(۱) جس طرح مجاہدات اور ریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے اسی طرح شیخ کی صحبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے گو اسکو مثل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقا نہیں ہوتا چنانچہ حضرت حنظلہؓ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر ہم تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس سے ناشی ہے۔ (التکشف ص ۲۶۵)

یعنی حضور علیہ السلام کی موجودگی میں جو اثرات ہمارے دل پر ہوتے ہیں وہ عدم موجودگی میں نہیں ہوتے۔

(۲) صحابہ کا حضور علیہ السلام کی باتوں کو نقل کرتے ہوئے آپ کا تصور باندھنا صرف آپ کی محبت کیلئے ہی نہ تھا اس میں آپ کی اس بات کا پورا ادراک بھی مطلوب دکھائی دیتا ہے، اسے تصور شیخ کا فیض کہہ دیں تو یہ کوئی امر مستبعد نہیں۔ حضرت تھانویؒ التکشف میں حدیث ۲۹۱ کے تحت لکھتے ہیں:۔

عن ابن مسعودؓ قال کانی انظر الی رسول اللہ ﷺ یحکی نبیا من الانبیاء ضربہ قومہ فادموہ (مشکوۃ ۴۴۶)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں آپ ایک نبی سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا اور خون آلود کر دیا تھا۔

غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جاوے وہ اس حدیث سے صراحۃ ثابت ہے البتہ اسکی بعض خصوصیات پر بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے کچھ مفاسد مرتب ہوتے دیکھ کر محققین اکثر اس سے منع کرنے لگے ہیں۔ (التکشف ص ۴۱۶)

(۸) رابطہ:

رابطہ ایک خاص شغل کا نام ہے جو تصور شیخ کا ہی ایک خاص پیرایہ ہے اس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اسکو ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کر دیکھا جاتا ہے۔ (التکشف ص ۳۱)

فیفرض کانه حاضر ناظر لکن تصورا فقط لااعتقادا فانه شرک ولذا یمنع منه العوام

فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ۔ جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے، اس لیے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں۔ (ایضاً)

(نوٹ) یہ رابطہ مجلس کی صورت میں ہوتا ہے اور اسکی وجہ شیخ سے غایت درجے کا تعلق پیدا کرنا ہے یہ شغل رابطہ عبادت میں نہیں عبادت میں توجہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوسکتی ہے نماز میں اسی کی نیت باندھی جاتی ہے اور جب تک نمازی نماز سے باہر نہ آجائے اسے کسی مخلوق پر وہ کتنے ہی درجے پر کیوں نہ ہو دھیان جمانے کی اجازت نہیں۔ جو چیز نماز سے باہر ہوسکتی ہے وہ نماز میں جائز نہیں۔ اللہ کے حضور یہ نمازی اور اسکا شیخ گو وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو سب اللہ کے عاجز بندے ہیں۔

(۹) حال اور مقام:

حال ثمرہ ہے عمل کا۔ سالک میں یہ کیفیت آجائے تو سمجھے کہ اسکا عمل قبولیت پا گیا۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

سالک کے قلب پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو اور اس میں اسکا کچھ اختیار نہ ہو اسکو حال کہتے ہیں اور جس مرتبہ سلوک میں اس نے پختگی واستقامت حاصل کی وہ مقام ہے۔۔۔۔۔۔ مقام سالک کے تحت ہوتا ہے اور سالک خود حال کے تحت۔ (شریعت وطریقت ص ۴۱۵)

(۱۰) خاطر اور حال:

حال ایک کیفیت ہے اور خاطر کسی شئی کا دل پر وارد ہونا ہے۔ جنت کی بعض نعمتوں کے بارے میں حدیث میں ہے **ولا خطر علی قلب بشر** ۔۔۔۔۔۔ یہ اب تک کسی انسان کے

دل پر نہیں اتری۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

قلب پر جو خطاب وارد ہوتا ہے وہ خاطر ہے اسکی چار قسمیں ہیں (۱) ایک اللہ تعالی کی طرف سے (۲) دوسرا فرشتہ کی طرف سے (۳) نفس کی طرف سے (۴) شیطان کی طرف سے۔ اول کو خاطر کہتے ہیں دوسرے کو الہام تیسرے کو ہواء نفس چوتھے کو وسواس۔ پہچان یہ ہے کہ اگر نیک بات دل میں آوے اور اسکے خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے اور اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطر حق ہے اور اگر بری بات دل میں آئے تو اگر شہوت وغضب وتکبر وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہو تو ہواجس ہے اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہے تو وہ وسواس ہے۔ (ایضاً ص ۴۱۸)

(۱۱) تلوین و تمکین:

حال ایک کیفیت ہے، سالک کے دل پر کئی حالات گذرتے ہیں حالات کی اس تبدیلی کا نام تلوین ہے۔

پھر سالک اگر استقامت سے طاعت اور ذکر میں لگا رہے تو آخر میں وہ تمکین پا جاتا ہے۔ صاحب تلوین صاحب حال ہے اور صاحب تمکین وہ جو منزل پا چکا۔ یہ واصلین کا درجہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے جن صحابہ سے خلافت کا وعدہ کیا گیا انہیں مقام تمکین کی بشارت دی گئی تھی۔

ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم (پ۱۸، النور ۵۵)

ترجمہ: اور جمادے گا انکے لیے دین انکا جو پسند کر دیا انکے لیے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

تلوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے۔ صاحب تلوین صاحب حال ہے اور صاحب تمکین حقیقت شناس ہے۔ صاحب تلوین ابھی راہ میں ہے اور صاحب تمکین واصل ہو چکا۔ (ایضاً ص ۴۱۴)

ان حالات کو محققین ہی پہچانتے ہیں۔

(۱۲) حالات:

۱۔ قبض: (۲) بسط (۳) سکر (۴) صحو:

۱۔قبض:

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو کبھی بسط، کبھی سکر ہو کبھی صحو اسکو تلوین کہتے ہیں، یہ لوازم سلوک سے ہے معتر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔(ایضاً ص ۴۱۴)

واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے حدیث سے اسکا اثبات ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ ابتدائے نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑوں کی بلندی پر سے گر کر جان دے دیں جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے کو گرانے کی غرض سے چڑھتے جبرئیل آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمد ﷺ مغموم مت ہو آپ اللہ کے رسول ہیں سچ مچ۔ اسی سے آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی ٹھہر جاتا۔ رواہ البخاری (التکشف ۴۲۲)

۲۔بسط:

قبض کے مقابل بسط کا لفظ ہے واردات کا سلسلہ رک گیا یہ قبض ہے اور واردات ہونے لگیں تو یہ بسط ہے۔حافظ شیرازی محبوب کے گندھے بالوں کو جعد سے اور کھلے بالوں کو طرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

به بوئے نافہ کآخر صبا زاں طرہ بکشائد
زتاب جعد مشکینش چہ خون افتاد دردلہا

ترجمہ: بادصبا بالآخر کھلے بالوں سے نافہ کی خوشبو کھول دیتی ہے جب یہ خوشبو گندھے بالوں میں قید تھی تو دل کس قدر خون بہا رہا تھا۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات اور برکات الٰہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک ناامید اور دل شکستہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اور ایک ظاہری مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے

کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر انداز ہونا اور التفات سے اٹھ جانا یہ بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں، سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لیے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے۔ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اس میں صورۃ یا معنیً ہلاک ہو چکے ہیں۔ (التکشف ص ۶۱)

حضرت مولانا روم اس مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو آن صلاح تست آیس دل مشو

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین تازہ باش و چین میفگن برجبین

اے سالک جب تجھے قبض درپیش ہو تو اس میں تیری ہی بھتری ہے تو مایوس نہ ہو جب قبض ہو تو اس میں بھی بسط ہی سمجھ۔ خوش رہ اور اپنے ماتھے پر شکن نہ ڈال۔

۳۔ سکر: اور ۴۔ صحو:

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

وارد غیبی کے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔ (التکشف ۲۸۱)

یہ صحو صاد سے ہے سین سے نہیں (سہو کے معنی بھول جانے کے ہیں) صحو صحیح بات پر عود کر آنا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ پر سکر کی حالت:

حضرت عمر کے دل پر وارد ہوا کہ منافق کی نماز جنازہ نہ ہونی چاہیے یہ ان امور میں سے ہے جن میں حضرت عمرؓ نے اپنے رب سے موافقت کی۔ (حکم الٰہی اترا کہ منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے) تاہم حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ نہ رہا کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں حضورؐ سے یہ بات صورۃ ادب کے خلاف تھی۔ بغض فی اللہ میں آپ پر یہ سکر کی حالت تھی۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے قولاً و فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورۃ ادب سے مستبعد ہے سو

ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے (آپ نے حضرت عمرؓ پر کوئی مؤاخذہ نہ فرمایا) پھر جب (حضرت عمرؓ) حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرات پر تعجب ہوا اور نادم ہوئے۔

حضرت جبرئیل پر سکر کی حالت:

جب فرعون ڈوبنے لگا اس وقت اسکا کلمہ پڑھنا بوجہ حالت نزع کارآمد نہ تھا تاہم اگر وہ دل سے پڑھ رہا ہو تو اسکا زبان سے پڑھنے پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ جس کے دل میں ایمان ہو اور وہ زبان سے نہ بھی کہہ سکے تو اسکے ایمان میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔ پھر حدیث مندرجہ ذیل میں حضرت جبرئیل کا اسکے گلے کو روکنا اگر بوجہ سکر نہیں تھا تو اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

لما اغرق اللّٰہ فرعون قال امنت انه لااله الا الذی امنت به بنو اسرائیل فقال جبرئیل یا محمد لو رائیتنی و انا اخذ من وحال البحر و ادسه فی فیه مخافة ان تدرکه الرحمة

(جامع ترمذی ج۲، ص۱۳۸)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود برحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے محمدؐ اگر آپ مجھ کو اس وقت دیکھتے تو تعجب فرماتے کہ میں دریا کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا اس اندیشہ سے کہ اسکو رحمت الٰہیہ نہ پالیوے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

حضرت جبرئیل کا اس کے منہ میں کیچڑ دینا بسبب غلبہ سکر کے تھا۔ اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔ (التکشف ۲۸۲)

حضرت مولانا گنگوہی پر سکر کی حالت:

حضرت مولانا گنگوہی کو اپنے منکرین سے اس درجہ کا بغض فی اللہ تھا کہ بحالت سکر فرمایا:

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں

کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت نجات موقوف ہے
میری اتباع پر۔(تذکرۃ الرشید ج۲،ص۱۷)

یہ اظہار بتقاضائے سکر تھا بات درجہ سکر کی نہ تھی اس لیے جب صحو کی حالت ہوئی آپ نے اس پر اظہار افسوس نہ فرمایا۔ سکر کے حالات کبھی امام ربانی مجدد الف ثانی پر وارد ہوئے تو اسے آپ کے مخالفین نے عیب سمجھا، انہیں ایسا نہ کرنا چاہئے تھا سکر اگر حضرت عمرؓ اور حضرت جبرئیل میں عیب نہیں تو حضرت امام ربانی کے حق میں یہ عیب کیوں شمار ہو۔ ہم مولانا احمد رضا خان کے اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے جو انہوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں دیا ہے:۔

اب اگر کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اسکو وہ جانے ہم
تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے
سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ظاہر کر دیا کہ
ہمارا سکر ہے۔(ملفوظات حصہ سوم ص ۷۶)

اس وقت ہمیں ان واقعات کی تنقیح میں نہیں جانا ہے یہاں طلبہ کو صرف سکر اور صحو کے حالات سے تعارف کرایا جا رہا ہے یہ حالات حق کی خاطر پیدا ہوئے ہوں تو یہ بغض فی اللہ کے پہلو سے ایک حالت سکر ہے اور اگر اس میں یہ حال کسی پیچیدگی یا پریشانی کی وجہ سے ہے تو پیش نظر رہے کہ اس راہ میں شطحیات بھی صادر ہوتی ہیں جنہیں اس راہ کے محققین کے سوا کوئی دوسرا سمجھ نہیں پاتا سو ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا نہ یہ کسی مسئلے کا مقیس علیہ ہو سکتی ہیں۔

(۱۳) شطح وادلال:

لغت میں شطح کے معنی یہ دئے گئے ہیں۔

واصلان حق یا بزرگوں کا بے اختیاری کی حالت میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جو
خلاف شریعت ہو۔(علمی اردو لغت ص ۹۵۳ طبع لاہور)

حضرت مولانا تھانوی اس کا اصطلاحی معنی یہ لکھتے ہیں:۔

بعض بزرگوں سے نظماً یا نثراً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا
ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو شطح
وادلال کہتے ہیں۔(التکشف ۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک اللہ کی نعمت پانے والے کے الفاظ حضور ﷺ سے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

فبینا ھو کذلک اذ ھو بھا قائمۃ عندہ فاخذ بخطامھا ثم قال من شدۃ الفرح اللھم انت عبدی وانا ربک اخطأ من شدۃ الفرح (صحیح مسلم ج۲ص ۳۵۵)

ترجمہ: سو اس حال میں تھا کہ وہ سواری اسکے سامنے کھڑی تھی پس اس نے اسکی مہار پکڑی اور خوشی کی شدت سے کہا اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ (حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ) اس نے یہ خطا کی شدت فرح کے باعث (نہ کہ بدعقیدگی کے باعث)

محدث شہیر حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ لکھتے ہیں۔

خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اسکا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اسکے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ (ترجمان السنۃ ج۲، ص۱۲۱)

حضور ﷺ نے اس جملہ کے نقل کرنے کے بعد اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کا غلط ہونا اتنا واضح تھا کہ محتاج تردید نہیں گو یہ الفاظ اس کی زبان سے جاگنے کے بعد نکلے۔

حضرت مولانا تھانوی اس حال شطح پر لکھتے ہیں۔

بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے اس حدیث میں اس حال کا معتبر ہونا اور اس پر مؤاخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے نقل کے بعد اس پر انکار نہیں فرمایا۔ (التکشف ۲۹۵)

یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ اس کی ضرورت نہ تھی اس کا غلط ہونا اجلی بدیہات سے تھا۔

اسی طرح حضرت تھانوی کے ایک مرید کی زبان سے خواب کی حالت میں بے اختیار اشرف

علی رسول اللہ نکلا، اس وقت اسے خود بھی پتہ تھا کہ یہ جملہ غلط ہے مگر بے اختیار اس کی زبان پر آ گیا تھا۔ اس قسم کی شطحیات پر ان اہل حال سے مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ جب اس نے اپنا یہ خواب حضرت تھانوی کو سنایا تو آپ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم جس کی طرف رجوع کیے ہو وہ متبع سنت ہے۔ یہ نہیں کہا کہ جو کچھ تو نے دیکھا وہ صحیح ہے وہ تو کلمہ کفر تھا اور ظاہر ہے کہ خواب اور اس کی تعبیر میں بہت دور کی مناسبت ہوتی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات شطحیات میں بھی کچھ اسرار لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور محققین اس کی تہہ تک پہنچتے ہیں تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا ظاہر جلی طور پر غلط ہوتا ہے جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے۔

شطحیات کی ہی بات نہیں بعض اوقات تعبیرات بھی کئی پہلوؤں کی محتمل ہوتی ہیں اور ظاہر معنی پیش نظر نہیں ہوتا۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جس کی توجیہ و مراد سننے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں، کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے، کبھی قصد اخفائے عوام، کبھی تشویق و ترغیب طالب کی، ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مصلحت تشویق کیلئے اول ابہاما فرمایا جس سے ایہام معنی غیر مقصود کا ہوا حتی کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عادت موہومہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح قدح نہ کرے کہ مثمر حرمان ہے۔ (التکشف ص ۲۶۳)

(۱۴) انس و ناز:

کبھی یہ ادلال انس و ناز کے دائرہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

وسط سلوک میں بعض بزرگوں پر غلبہ بسط سے ادلال کا حال وارد ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت ناز میں آ کر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو دوسرا اگر کہے تو مردود ہو جائے۔ (شریعت و طریقت ص ۹۷)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد
چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز
عیب باشد چشم نابینا و باز
پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

ترجمہ: ناز کرنے کے لیے گلاب کے پھول جیسا چہرہ چاہیے، جب تیری یہ صورت نہیں تو کسی کی بدخوئی کے گرد نہ ہو بدصورت کا ناز کرنا اور بری بات ہے، نابینا کی آنکھ کھلی ہو تو اور بھی وحشت پیدا ہوتی ہے، یوسف کے سامنے اسکا سا ناز اور حسن نہ دکھا اگر یہ حال نہیں تو سوائے نیازمندی اور آہ یعقوبی کے کچھ تجھ سے ظاہر نہ ہو۔

حضرت تھانویؒ حدیث ۱۴۱ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت لائے ہیں کہ جب ان کی برات میں قرآن کریم کی آیتیں اتریں اور حضور ﷺ خوشی خوشی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آئے تو حضرت عائشہؓ کی والدہ نے انہیں کہا قومی الی رسول اللہ (ﷺ) اٹھو اور حضور ﷺ کے پاس اظہار تشکر کے طور پر جاؤ مگر آپ اس وقت جوش میں تھیں اور آپ امید رکھتی تھیں کہ حضور ﷺ اس سے پہلے آپ کی صفائی بیان کر دیتے آپ نے اسی انداز ادلال میں کہا۔

واللہ لا اقوم الیہ ولا احمد الا ھو الذی انزل براءتی

ترجمہ: بخدا میں آپ کے پاس (بطریق ادائے شکر) نہ جاؤنگی اور میں اس پر سوائے خدا کے کسی کی حمد نہ کروں گی جس نے میری برات میں آیات اتاریں۔

یہ الفاظ بظاہر ادب رسالت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر حضرت عائشہ صدیقہ کو آپ کی بیوی ہونے کے تعلق سے بھی ایک مقام ناز بھی حاصل تھا اور آپ سے یہ الفاظ اسی ناز میں صادر ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس پر نکیر نہ فرمائی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

حضرت صدیقہ کو آپ کے اس تردد کی اطلاع تھی پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپ کو بھی شبہ رہا پس برات کے نزول سے آپ کو جوش

آ گیا اور یہ جواب ان سے صادر ہوا چونکہ حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس سے اہل شطح وادلال کا معذور ہونا ثابت ہو گیا۔

(التکشف ص ۲۸۵)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ بدر کے موقعہ پر آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو اس وعدے پر پورا یقین تھا پھر بھی آپ اللہ کے حضور بہت زاری سے پکارنے لگے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر یہ تین سو تیرہ صحابہ مارے گئے تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا یہ الفاظ اس صورت میں لائق درگذر ہو سکتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک پیرایہ ناز میں یہ عرض کر رہے ہوں۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

فاستقبل نبی اللّٰہ القبلة ثم مد یدیه فجعل یهتف بربه یقول اللهم انجز لی ماوعدتنی اللّٰهم آت ماوعدتنی اللّٰهم انک ان تهلک هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض فمازال یهتف بربه مادا یدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداء ه عن منکبیه فاتاه ابوبکر فاخذ ردائه فالقاه علی منکبیه ثم التزمه من ورائه وقال یا نبی اللّٰه کفاک مناشدتک ربک فانه سینجزک ماوعدک (صحیح مسلم ج ۲، ص ۹۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اپنے ہاتھ پھیلائے اور خدا کے حضور پکارنے لگے اے میرے اللہ میرے ساتھ اپنا کیا وعدہ پورا فرما اے اللہ مجھے دے جو تو نے مجھے دینے کا وعدہ کیا اگر تو اہل اسلام کے اس گروہ کو برباد کردے تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی بندہ نہ ہوگا آپ برابر اپنے ہاتھ پھیلائے اللہ کو پکارتے رہے یہاں تک کہ چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی، حضرت ابوبکرؓ آئے اور آپ کی چادر پکڑی اسے آپ کے کندھوں پر ڈالا اور پیچھے سے آپ کو لپٹ گئے اور کہا اے نبی اللہ (ﷺ)! ہماری طرف سے آپ کی اتنی زاری آپ کو کافی ہے۔ اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ اسے پورا کردے گا۔

حضرت تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

ادلال کا ترجمہ ناز ہے یہ ایک حال ہے جو بعض محبین کو غلبہ انس وانبساط میں پیش آتا ہے۔ کامل اور غیر کامل میں اتنا تفاوت ہے کہ کامل کا قول وفعل اس حالت میں بھی حد ادب سے متجاوز نہیں ہوتا غیر کامل سے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ (التکشف ص ۳۴۰)

حافظ شیرازی اس لاتعبد کے مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں یہ تیرا شوق ہے کہ تیری عبادت ہوتی رہے۔

سایہ معشوق گر افتاد برعاشق چہ شد
ما باو مشتاق بودیم اوبما مشتاق بود

ترجمہ: معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ جائے تو کیا ہوگا ہم اس کے مشتاق تھے وہ ہمارا مشتاق ہو رہا۔

(۱۵) جذب:

سالک کبھی جذب کی حالت میں بھی آجاتا ہے یہ عالم بالا کی ایک کشش ہے جو اسے سچائی پر برانگیختہ کرتی ہے یہ مقام سکر کے بہت قریب ہے۔ سکر کے مقابلے میں حال صحو ہے لیکن جب کوئی چیز مقابل ہے ہی نہیں تو اسکے مقابل کوئی چیز لائی جاسکتی ہے تو وہ عقل یا عدل حواس ہے۔ اسکے مقابل جذب ہے یہ اس جذب سے مختلف ہے جو مجذوب میں ہوتا ہے۔

مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد غیبی سے زائل ہو جائے، اب وہ مکلف نہیں رہا۔ انسان اس دنیا میں عقل کی وجہ سے ہی مکلف ہوا ہے عقل جاتی رہے تو اس پر سے تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتی ہیں، ہاں اس کے قریب بیٹھیں تو دل عالم آخرت کی طرف کھنچتا ہے اور اہل بصیرت اسے پہچانتے ہیں اور اسے مجنون نہیں کہا جاتا وہ مجذوب ہوتا ہے۔

مجنون اور مجذوب میں فرق:

عقل دونوں کی اٹھ چکی مجنون وہ ہے جس کی عقل اخلاق فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہوئی اور مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد غیبی کے باعث اٹھ جائے گویا خدا نے اس کو کھینچ لیا اور اپنی پابندیوں سے فارغ کر دیا۔ یہ لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں اور وارد غیبی سے

کبھی کچھ واردات بھی ان پر اترتی ہیں کبھی انکا کہا واقعات کے بالکل موافق اترتا ہے بایں ہمہ جو وہ کہتے ہیں اپنے اختیار سے نہیں کہتے یہ ان پر عالم غیب کی جھلکیاں پڑتی ہیں جو کبھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ مردان غیب تو ہو سکتے ہیں لیکن کاملین طریقت نہیں۔ طریقت وہ ہے جو شریعت کی ساتھ ساتھ چلے اور یہ لوگ شریعت کی پابندی سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔

مجذوب کی پہچان:

مجذوب دعا نہیں کرتے انہیں بطریق کشف معلوم ہو گیا کہ فلاں معاملہ اس طرح ہوگا اب انکے ہاں دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ کرنا ٹھہرے گا سو وہ اس میں نہیں پڑتے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

> دعا تو سالک سے کرانی چاہیے کہ انکی دعا کا اثر ہوتا ہے وہ خلاف انکشاف بھی دعا کر سکتے ہیں بخلاف مجذوب کے کہ انکو اسکی اجازت نہیں۔ ان کا فعل حجت نہیں۔ (شریعت وطریقت ص ۴۰۴)

اس دنیا میں روحانی ترقی اعمال سے ہے اور مجذوب (بوجہ عقل اٹھ جانے کے) اعمال سے محروم ہو گیا۔ اس کے برعکس شہداء اور انبیاء ہیں جو موت کا پل عبور کرنے کے باوجود اعمال سے محروم نہیں ہوئے اور جن اعمال کی بقاء پر انہوں نے جان دی وہ ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہے، موت نے صرف یہ فرق ڈالا کہ اب وہ ان اعمال کے مکلف نہیں۔ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:۔

> مجذوب کی خدمت اگر ہو سکے تو کر دے لیکن توجہ کا ان سے ہرگز طالب نہ ہو اور اگر ان کے حواس میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کو بھی نہ لے اگر لے لے تو اس سے لقطہ (گری ملی چیز) کا معاملہ کرے۔

(ایضاً ص ۴۰۴)

(۱۶) معذور (از تکلیفات شرعیہ):

شریعت میں وہ شخص معذور ہے جس کی عقل اُٹھ چکی اور وہ شرعیات کا مکلف نہیں رہا۔ اس کے ساتھ مختل الحواس لوگ بھی کبھی معذور سمجھے جا سکتے ہیں اور اہل سکر سے بھی کبھی درگذر سے کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا، عورت دیوانی تھی مگر اسکا دیوانہ پن مختل الحواس درجے کا تھا، حضرت علی نے کہا:

یا امیر المؤمنین لقد علمت ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المعتوہ حتی یبرأ وان ھذہ معتوھة بنی فلان لعل الذی اتاھا اتاھا وھی فی بلائھا (سنن ابوداؤد ج ۲، ص ۲۴۸)

ترجمہ: اے امیر المؤمنین آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مواخذے کا قلم تین آدمیوں سے اٹھ چکا ہے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے سے یہاں تک کہ وہ جاگ پڑے اور دیوانے سے یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے۔ اور یہ عورت تو اس قبیلے میں دیوانی جانی جاتی تھی جو شخص بھی اس کے پاس آیا سو آیا اور وہ تو اپنی مصیبت میں ہوگی۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

عقل کا مغلوب ہو جانا جیسا احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسے ہی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت اور مسلّم ہے۔ احوال نفسانیہ میں وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے سو جس طرح مجنون و معتوہ شخص شرعاً معذور ہے اسی طرح صاحب سکر اور مغلوب الحال بھی اپنے اقوال شطحیہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے۔ اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو معلوم نہیں ہوتا جس طرح جنون وعتہ بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت عمرؓ کو اشتباہ ہو گیا تھا جو حضرت علی کے قول سے زائل ہوا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص میں قرائن سے معذور ہونے کا احتمال بھی ہو تو اسکی حالت کو معذوری پر حمل کرنا بہتر ہے۔

(التکشف ۳۰۴)

(۱۷) جذب اور سلوک:

سلوک سالک کا اپنا عمل ہے اس میں اسے نوافل، اوراد و وظائف اور دیگر اعمال تصوف سے گذرنا پڑتا ہے۔ دوسرا طریق جذب کا ہے کہ طالب پر ذکر وفکر کے ذریعہ یا توجہ سے محبت کا غلبہ کیا جائے اس طریق میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور اسے پورے اعمال تصوف سے گذرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مشائخ کے ہاں تربیت کے یہ دونوں طریقے ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

> تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب اور دوسرا سلوک۔ جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر وفکر کے ذریعہ محبت الٰہی کا غلبہ کیا جائے اور اعمال زائدہ میں کم لگایا جائے اور طریق محبت کے ذریعہ اسکو مقصود تک پہنچایا جائے۔ دوسرا طریق سلوک یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جائے۔ (شریعت وطریقت ص ۴۲۶)

(۱۸) ارشاد و تکوین:

دنیا میں ہدایت پھیلانا، لوگوں کی اصلاح کرنا، دلوں کی تربیت کرنا، علم کی اشاعت کرنا یہ وہ کام ہیں جو انبیاء اور انکے نائبین کے ذریعہ چلے۔ اور ایک ہے حالات کی اصلاح کرنا، واقعات کا رخ موڑنا، رکاوٹوں کا دور کرنا، انتظام امور دنیویہ اور انکے مناسب حالات کی ترتیب دینا یہ وہ امور ہیں جن کا روحانی ہدایت سے تعلق نہیں دنیوی انتظامات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امور جن فرشتوں کے سپرد کیے انہیں قرآن نے والمدبرات امرا کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اول سلسلے کو ارشاد اور دوسرے کو تکوین کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت خضر کے کچھ انتظامی نقشوں کا ذکر ہے جو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھائے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تکوین کے جو کام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سپرد کیے کبھی یہ خدمت انسانوں سے بھی لے لی جاتی ہے۔ حضرت خضر عالم تکوین میں قدرت کا ہاتھ تھے۔ اہل ارشاد میں جو اپنے دور میں سب سے اکمل ہو صوفیہ کے ہاں اسے قطب الارشاد کہتے ہیں اور جو اہل خدمت میں سب سے اوپر ہو اسے قطب تکوین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کام فرشتوں کے ذمہ لگائے اور وہ انہیں سرانجام دیں اور یہ خدا

سے شرک نہیں تو اگر وہ یہ کام حضرت خضر سے لے لے تو یہ بھی شرک نہیں ہے۔ یہ اہل تکوین واقعات کا رخ موڑنے اور حالات کو ترتیب دینے میں اللہ کے ارادہ سے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔ اہل ارشاد کی کرامات اور طرح کی ہوتی ہیں اور اہل تکوین کی اور طرح کی۔ اہل ارشاد خدا کی محبت میں ڈھلے ہوتے ہیں اور اہل ارشاد اطاعت میں نقطہ منتہی پر ہوتے ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں ان دونوں سلسلوں (ارشاد وتکوین) کا واقع ہونا کوئی امر مستبعد معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں بلاوجہ وھمات کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔

ایک سوال:

یہ اہل تکوین فرشتوں سے مناسبت رکھتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہو وہ انسان اور بعض انتظامی امور اس کے سپرد ہوں۔

الجواب:

یہ اسی طرح ہے کہ ہو جن، مگر اسے فرشتوں میں رہنا نصیب ہوگیا ہو۔ کان من الجن ففسق عن امر ربه (پ۱۵، الکہف ۵۰) ظاہر ہے کہ ان دنوں اس کی خوراک وہی ہوتی ہوگی جو فرشتوں کی ہے نہ کہ وہ جسے فانها زاد اخوانكم من الجن میں جنات کی خوراک کہا گیا ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ والمدبرات امرا کے تحت لکھتے ہیں:۔

> اور مدبرات امرا سے کاملوں اور مکملوں کے دل مراد ہیں کہ بعد پہنچنے کے درگاہ الٰہی میں صفات الٰہی سے موصوف ہو کر خلق کی دعوت خالق کی طرف کرنے کے واسطے پھر اس طرف رجوع کرتے ہیں۔

(تفسیر عزیزی ص ۳۹ اردو ترجمہ)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوین کے کارکنوں کو پھر کرامتیں بھی وہ عطا ہوتی ہیں کہ فرشتوں سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں، یہ سب اولیاء مستورین میں شمار ہوتے ہیں۔

شیخ علاء الدولۃ السمنانی اپنی کتاب العروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں:

> ان لوگوں کو ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کی قدرت ہوتی ہے یہ حضرات لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن اسکے باوجود وہ

آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں۔ بلند آواز سے تلاوت قرآن کرتے ہیں گریہ و وجد میں آتے ہیں لیکن ان کی آواز کوئی شخص سن نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی ان کو پہچان سکتا ہے سوائے ایک شخص کے۔ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

(ماخوذ از اقتباس الانوار مولفہ ۱۱۳۰ھ۔ تالیف فارسی شیخ محمد اکرم قدوسی ص ۱۰۹ اردو ترجمہ)

(۱۹) عالم خلق اور عالم امر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دونوں جہانوں کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

الاله الخلق و الامر تبارک الله رب العالمین

(پ ۸، الاعراف ۵۴)

ترجمہ: معلوم رہے کہ خلق اور امر دونوں اسی کے حکم سے ہیں برکت والی ہے ذات اللہ کی وہ پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ مادہ سے ہیں اور سب مادیات میں سے ہیں اور پھر اس نے یہاں کچھ ایسی حقیقتیں بھی پیدا کیں جو مجردات سے ہیں اور مادی نہیں جیسے روح اور لطائف قلبیہ۔ اجسام اور مادیات عالم خلق میں سے ہیں اور ارواح اور ان کے اعمال عالم امر میں سے ہیں یہ مجردات میں سے ہیں۔

(۲۰) عالم مثال:

مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہیں اور عالم مثال انہی دو عالم کے بین بین ہے یعنی غیر مادی ہونے میں عالم امر کے مشابہ ہے اور مقداری ہونے میں عالم خلق کے مشابہ ہے عالم امر میں مقدارات نہیں اور حدود خواص مقدار سے ہیں عالم امر غیر محدود ہوا۔

(التکشف)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے قبلہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ مجھے ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھانی شروع کی اس دیوار کی جانب جنت اور دوزخ مثالی صورت

میں دکھائی گئی ہیں میں نے آج تک خیر وشر کو کبھی اس طرح سامنے نہیں دیکھا۔ حضرت تھانویؒ نے اثبات عالم مثال میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (التکشف ص ۳۸۵)

(۲۱) عالم برزخ:

یہ ایک جہاں ہے جو ہم سے پردے میں ہے برزخ عربی میں پردے کو کہتے ہیں۔ ہم بنی نوع انسان پہلے (۱) عالم ارواح میں تھے جو مجردات میں سے ہے پھر ہم اس دنیا میں آئے (۲) یہ عالم اجسام ہے اور مادیات میں سے ہے۔ ارواح یہاں موجود ہیں مگر وہ اجسام کے تحت ہیں۔ موت کے بعد ہم (۳) عالم برزخ میں جائیں گے وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور انکا ایک تعلق مادی اجسام سے بھی رہتا ہے اس کے بعد ہم (۴) عالم آخرت میں ہونگے وہاں ارواح اور اجسام برابر کی سطح پر ہونگے کوئی ایک غالب نہ ہوگا۔

ان چاروں جہانوں میں ایک ترتیب ہے۔ عالم مثال ان میں سے نہیں نہ یہ ان کی ترتیب میں ہے۔ یہ ایک مثالی جہاں ہے جو ان جہانوں کے متوازی ایک روحانی صورت میں چلا جا رہا ہے میت کی جو حیات دیکھنے والوں کو محسوس نہیں ہوتی وہ ایک برزخی حیات ہے جو تسلیم تو کی جاتی ہے مگر محسوس نہیں ہوتی۔ برزخی کا معنی ہے پردہ میں آئی ہوئی۔ پردہ کی چیزوں کو احساس کی راہ سے جاننے کی کوشش ایک حماقت ہے۔

(۲۲) تمثل:

حضرت جبرئیل امین جب حضرت مریم کے پاس انسانی صورت میں آئے تو یہ انکا ایک تمثل تھا فتمثل لھا بشرا سویا (پ۱۶، مریم ۱۶) ان کی فرشتوں کی حقیقت ان سے ختم نہ ہوئی تھی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

> کوئی ذات باوجود بقا اپنی حالت وصفت کی کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اسکو تمثل کہتے ہیں اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں۔ خواب ومکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہوگئے یہ نہ تھا کہ فرشتہ سے آدمی بن گئے ورنہ تمثل نہ ہوتا استحالہ وانقلاب ہوتا۔ قرآن مجید بھی اسکا مثبت ہے

قال اللہ تعالیٰ فتمثل لھا بشرا سویا (التکشف ص۲۵۹)

اپنی حقیقت وصفت کا باقی رہنا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایک نہیں متعدد صورتوں میں تمثل کر سکے وجود حقیقی ایک رہے گا مگر وجود مثالی کئی ہو سکتے ہیں علم جو مبصرات میں سے نہیں دودھ کی صورت میں دیکھا گیا، حیا لمبی قمیص کی صورت میں جلوہ گر ہوئی اور قرآن کریم نے حوض کوثر کی صورت میں تمثل کیا جو یہاں اس سے جرعہ نوشی کرتے ہیں وہ آخرت میں اس حوض سے سیراب ہونگے۔

(۲۳) تصرف:

مریدوں کے دل کی دنیا بدلنے کے لیے کاملین کبھی تصرف بھی کرتے ہیں حضرت ابی بن کعب نے مختلف صحابہ سے قرآن کی مختلف قراءات سنیں تو آپ کی دل میں ایک خوفناک خطرہ گذرا یہ خدا کی رحمت ہے کہ وہ وسوسوں پر گرفت نہیں فرماتے۔ حضرت ابی بن کعب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے آپ نے جب دیکھا کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ایک ضرب لگائی اور اس سے میرے دل کی دنیا بدل گئی یہ حضور ﷺ نے باذن الٰہی میرے دل پر تصرف فرمایا اور میرا ایمان بچ گیا۔ آپ فرماتے ہیں:

فلما رای رسول اللہ ﷺ ماقد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا و کانما انظر الی اللہ فرقا (صحیح مسلم ج۱، ص۲۷۳)

ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے دل پر کیا چیز چھا رہی ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوگئی کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اس کا غلبہ غایت درجہ کا استغراق ہے اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ دی ہے نظر الی اللہ سے (خدا کو دیکھنے سے) (التکشف ص۴۱۳)

مرشد کامل کا یہ تصرف مرید صادق کے دل میں حسی طور پر ظاہر ہوا یہ روحانی تصرف کی واضح ترین مثال ہے کو عمل حسی تھا۔

(۲۴) نفس (انسان کا جی):

دیکھنے میں انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے روح اور بدن لیکن حقیقت میں یہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے (۱) روح (۲) بدن (۳) جی۔ جب آپ کہتے ہیں کہ میں میٹھا کھاؤں۔ پہاڑوں کی سیر کروں تو یہ جی ہے جسے نفس کہتے ہیں، طریقت اسی نفس کی اصلاح کے درپے ہوتی ہے۔ شریعت انسان کو زندگی کی تعمیر بتلاتی ہے اور طریقت اس جی کی اصلاح کرتی ہے جو یہاں خواہشات کا منبع ہے یہ جب بھی اکسائے گا کسی برائی پر ہی لائے گا۔ قرآن کریم میں نیکی اور بدکرداری کی نسبت اسی کی طرف کی گئی ہے

ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها قد افلح من زکها وقد خاب من دسها (پ۳۰،)

ترجمہ: اور قسم ہے کہ انسان کے جی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست بنایا پھر اسے اسکی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں القاء کئے۔ وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گناہوں میں دے دیا۔

نفس کی پہلی حالت نفس امارہ کی ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:

ان النفس لأمّارة بالسوء الا مارحم ربی (پ۱۳، یوسف ۵۳)

ترجمہ: بیشک نفس تو (ہر ایک کا) بری بات ہی بتلاتا ہے بجز اسکے جس پر میرے رب نے رحم کیا (اس کو نفس کے حملے سے بچالیا)

نفس لوامہ کا بیان:

نفس کی دوسری حالت یہ ہے کہ جب اس سے گناہوں کا صدور ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس نے اپنے نفس کو ملامت کرلیا وہ توبہ کے کنارے آ پہنچا۔

لا اقسم بیوم القیٰمة ولا اقسم بالنفس اللوّامة (پ۲۹، القیٰمة)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے جی کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔

نفس مطمئنہ کا بیان:

نفس کی تیسری حالت نفس مطمئنہ کی ہے نفس مطمئنہ کی خدا کے ہاں حضوری اس

شان سے ہوتی ہے۔

یاأیتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی. (پ۳۰،الفجر)

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ (اطمینان والی روح) اپنے پروردگار کی طرف چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

سو نفس انسانی کے یہ تین درجے ہیں۔ (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ۔

(۲۵) ہاتف (غیبی آوازیں)

اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں جہاں اور بہت سے اسرار پیدا کررکھے ہیں اور انہیں کبھی کبھی اور کہیں کہیں ظاہر بھی فرمادیتے ہیں وہاں کچھ غیبی آوازیں بھی ہیں جو کبھی کبھی اور کہیں کہیں سنی بھی گئیں اور سننے والے اسکے سوا کچھ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے کسی سمت سے یا گھر کے کسی گوشے سے یہ آواز سنی ہے۔ اسے عام طور پر ہاتف کی آواز کہا جاتا ہے، یہ کبھی جاگتے بھی سنی گئی۔ نوم ویقظہ کی درمیانی کیفیت میں بھی اسے کہیں کہیں سنا گیا ہے۔

حافظ تقی الدین بن عبدالقادر التمیمی الداری (۱۰۰۵ھ) الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ میں آنحضرت ﷺ کو غسل دینے کی بحث میں لکھتے ہیں:

ثم ان الناس سمعوا من باب الحجرة لاتغسلوه فانه طاهر مطهر ثم سمعوا بعد ذلک اغسلوه فان هذا ابلیس وانا الخضر وعزاهم فقال فی اللّٰہ عزاء من کل مصیبة وخلفا من کل هالک ودرکا من کل نائت فباللّٰہ فثقوا فان المصاب من حرم الثواب واختلفوا فی غسله هل یکون فی ثیابه اویجرد عنها؟ فوضع اللّٰہ علیهم النوم فقال قائل لایدری من هو اغسلوه فی ثیابه فانتبهوا وفعلوا ذلک

(الطبقات السنیہ ج۱،ص۴۶)

ترجمہ: پھر لوگوں نے باب الحجرہ سے یہ آواز سنی تم آپ کو غسل نہ دو آپ پاک اور پورے پاک ہیں۔ پھر دوسری آواز سنی کہ تم آپ کو غسل

مبارک دو یہ ابلیس ہے (جو کہہ رہا تھا کہ تم آپ کو غسل نہ دو) اور میں خضر ہوں اور آپ نے صحابہ سے تعزیت کی اور کہا اللہ کے ہاں ہر مصیبت کے لیے ایک عزاداری ہے اور ہر ہلاکت کے بعد اس کے اثرات ہیں اور جو نقصان ہوا اس کے بعد کچھ پانا ہے سو خدا پر اعتماد کرو۔ مصیبت زدہ وہی ہے جو کچھ اس کے بدلے میں نہ پا سکے۔

پھر صحابہ میں اس پر اختلاف ہوا کہ آپ کو غسل کیسے دیا جائے آپ کے کپڑوں میں ہی یا انہیں اتارا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر ایک اونگھ سی وارد کر دی ایک کہنے والے نے آواز دی، یہ کسی نے نہ جانا کہ وہ کون ہے کہ آپ کو آپ کے کپڑوں میں ہی غسل دو سو صحابہ اس پر متنبہ ہو گئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیبی آوازیں دونوں قسم کی ہو سکتی ہیں شیطانی بھی اور رحمانی بھی۔ شیطان بھی لوگوں کو اپنی بات خود کہتا ہے اور روحانی بات فرشتے کرتے ہیں یا حضرت خضر۔ تاہم یہ بات اسلام میں متفق علیہ ہے کہ غیبی آوازیں اسرار الٰہیہ میں سے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کہتی ہیں:۔

لما ارادوا غسل النبی ﷺ قالوا واللّٰہ ماندری انجرد رسول اللّٰہ ﷺ من ثیابه کما نجرد موتانا ام نغسله وعلیه ثیابه فلما اختلفوا القی اللّٰہ علیهم النوم حتی مامنهم رجل الا وذقنه فی صدره ثم کلمهم مکلم من ناحیة البیت لایدرون من هو ان اغسلوا النبی ﷺ وعلیه ثیابه فقاموا الی رسول اللّٰہ ﷺ فغسلوه وعلیه قمیصه یصبون الماء فوق القمیص ید لکونه بالقمیص دون ایدیهم (سنن ابی داؤد ج۲، ص۹۲)

ترجمہ: جب صحابہ نے حضور ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم حضور ﷺ کے کپڑے اتاریں جیسا کہ ہم اپنی میتوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا ہم آپ کو آپ کے کپڑوں میں ہی غسل دیں، جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی اب ہر ایک اپنی ٹھوڑی سینہ پر جھکائے محو خواب تھا، پھر گھر

کے ایک گوشے سے کسی نے کہا اور وہ نہ جانتے تھے کہ وہ کون ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے کپڑوں میں ہی غسل دو۔ سو صحابہ حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور آپ کو کپڑوں میں ہی غسل دیا وہ قمیص کے اوپر پانی ڈالتے رہے اور اپنے ہاتھوں کی بجائے بدن مبارک کو قمیص سے ہی ملتے رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہاتف کی آواز تھی۔ آپؒ لکھتے ہیں:۔

ہاتف غیبی کا کسی بزرگ سے ہم کلام ہونا یہ بھی ایک حال محمود ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ ایسے مضمون پر عمل کرنے کے بارے میں تمام اکابر کا قاطبۃ اس پر اتفاق ہے کہ اگر وہ خلاف شرع نہ ہوتو قابل عمل ہے جیسا کہ یہاں بھی یہی ہوا کہ مع القمیص غسل دینے کی نہی کی کوئی دلیل نہ تھی سو اس پر عمل کرلیا گیا۔ اس کلام سے اختلاف رفع ہو گیا اور اجماع صحابہ خود حجت شرعیہ ہے۔ (التکشف ص ۳۸۹)

یہ اجماع کس بات پر ہوا؟ اس پر کہ یہ غیبی آواز بھی اسرار الٰہیہ میں سے ہے اور جس طرح الہام لائق عمل ہے اس طرح ہاتف غیبی کی آواز پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے (بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو) پھر صحابہ اس بات کے درپے نہ ہوئے کہ جانیں کہ یہ آواز دینے والا کون ہے۔ طبقات کی روایت میں تو بیشک اس کی تصریح ہے لیکن ابوداؤد کی روایت میں اس کی وضاحت نہیں۔ صحابہ نے ان روحانی امور کا ہمیشہ اقرار کیا ہے اور کئی اولیاء اللہ کے وقائع حیات میں بھی اس کے عام تذکرے ملے کہ انہوں نے غیبی آوازیں سنیں۔

جب حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے ارادہ قتل سے آرہے تھے آپ نے رستے میں ایک بچھڑے کے پیٹ سے ایک آواز سنی:

یا آل ذریح امر نجیح رجل یصیح بلسان فصیح یدعوالی شهادة ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله

ترجمہ: اے آل ذریح کامیابی کی بات ہے ایک شخص فصاحت بھری زبان سے پکار رہا ہے وہ دعوت دے رہا ہے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ بات مجھے اپنے بارے میں کہی گئی معلوم ہوئی۔ آپ کہتے ہیں:

فقلت فی نفسی ان ھذا الامر مایراد بہ الا أنا

(فتح الباری ج۱۵، ص۲۵)

بچھڑے کے پیٹ سے یہ آواز دینے والا کون تھا؟ یہ ہاتف کی ایک آواز تھی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایک رات ایک شخص کو ایک گھر سے آواز دیتے دیکھا۔ حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں:

لفظ ابن عمر عند البیھقی لقد رای عمر رجلا. قال انی ذات لیلة بدار اذ سمعت صائحا یقول یا جلیج خبر نجیح رجل فصیح یقول لااله الا الله (ایضاً ص۲۴)

صحیح بخاری میں ہے:

فتقلدت سیفی اریده فمررت علی عجل وھم یریدون ان یذبحوه فقمت انظر الیھم فاذا صائح یصیح من جوف العجل فبینا انا نائم عند آلھتھم اذ جاء رجل بعجل فذبحه فصرخ به صارخ لم اسمع صارخا قط اشد صوتا منه یقول یاجلیج (صحیح بخاری ج۱، ص۵۴۶)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا عمل ذبح عجل کے ساتھ دکھایا گیا۔ عجل تاریخ یہود میں وہ بچھڑا ہے جو سونے سے بنا کر قوم کو مغالطہ دینے کیلئے گھڑا گیا، اس میں اس راز کا افشاء ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے ذبح عجل کی گھڑی آ پہنچی۔ اب یہود پر ذلت مسلط کی جانے والی ہے۔

یہ غیبی آوازیں ہیں جنہیں ہاتف کی آواز کہا جاتا ہے اس میں فرشتہ بول رہا ہوتا ہے یا کوئی انسان یا جن یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں تاہم حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام حکمت میں انسانوں کو کئی دفعہ غیب کی آوازیں دی گئیں اور وہ انہوں نے سنیں۔

عالم بالا میں ہاتف غیبی کی آواز:

فیصلے کے دن جب جنتیوں کے لیے جنت کا اور دوزخیوں کے لیے دوزخ کا فیصلہ

ہو جائے گا اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، جنت والے دوزخ والوں کو آواز دیں گے، کیا تم نے خدائی وعدہ پورا پالیا ہے؟ وہاں غیبی آواز آئے گی:۔

فاذن مؤذن بینھم ان لعنة اللّٰہ علی الظالمین (پ۸، الاعراف ۴۴)

ترجمہ: سو آواز دینے والا اس وقت آواز دے گا کہ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

یہ ہاتف کی آواز ایک فرشتے کی آواز ہوگی۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ خدا کی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے۔

(فوائد القرآن ص ۲۰۸)

(۲۶) طی الارض (زمین کا لپیٹ دیا جانا)

اللہ تعالیٰ کی دی قدرت سے بعض اوقات زمین اہل اللہ کے لیے سمیٹ یا لپیٹ دی جاتی ہے اور اسکے شواہد قرآن کریم میں بھی ملتے ہیں یہ سب فعل خداوندی سے ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف برخیا کا تخت بلقیس کو ملک سبا سے چشم زدن میں لے آنا اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ زمین ان کے لیے لپیٹ دی گئی اور انہوں نے تخت بلقیس کو وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دیا اور یہ سب علم الکتاب کی رو سے تھا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک (پ۱۹، النمل ۴۰)

ترجمہ: بولا وہ جس کے پاس علم الکتاب تھا کہ میں اسے تیرے پاس لے آتا ہوں قبل اسکے کہ آپ کی پلک جھپکے۔

حضرت خاتم النبین ﷺ کیلئے جب زمین سمیٹ دی گئی تو آپ نے چشم زدن میں اسکے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا

(صحیح مسلم ج۲، ص ۳۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پوری زمین میرے لیے ایک جگہ کردی میں نے
اسکے مشارق ومغارب سب دیکھ لیے۔

یہ نہیں فرمایا کہ زمین وہیں کی وہیں رہی میری نظر وہاں جا پہنچی۔ نظر کی حدیں وہیں
رہیں جو پہلے تھیں زمین ہی ایک جگہ آپ کے لیے معجزۃً سمیٹ دی گئی۔

معراج کی رات آپ کیلئے وقت سمیٹ دیا گیا اور آپ برق رفتاری کی ساتھ مسجد حرام
سے بیت المقدس پہنچے جہاں آپ کی نظر پڑتی تھی وہاں براق کا قدم پڑتا تھا۔ اس سے بھی پتہ
چلتا ہے کہ نظر اطہر کی اپنی حدیں تھیں۔ یہ نہیں کہ دور تک کے مقامات کو ایک ہی دفعہ دیکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص سفر پر روانہ ہو رہا تھا وہ آنحضرت ﷺ کی
خدمت اقدس میں آیا اور اس نے آپ سے کچھ نصیحتیں چاہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں
اللہ سے ہر حال میں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور جب بھی بلندی پر چڑھو تو اللہ کی بڑائی بیان
کرنا ﴿اوصیک بتقوی اللہ والتکبیر علی کل شرف﴾ بلندی پر چڑھنے سے اپنی
بڑائی کا وہم گذرتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اس وقت اللہ اکبر کہو اور اقرار کرو کہ بڑائی اسی ایک
کے لیے ہے۔ جب وہ شخص رخصت ہوا تو آپ نے اسکے لیے دعا فرمائی۔

اللھم ازوله الارض وھون علیه السفر (مسند احمد ج ۳، ص ۲۱۴)

ترجمہ: اے اللہ اس کے لیے زمین لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان فرما۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ کے بندوں کیلئے زمین لپیٹی بھی جاسکتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا فرمائی:

اللھم اطوعنه البعید وھون علیه السفر (ایضاً ج ۳، ص ۲۲۷)

ترجمہ: اے اللہ دور کا فاصلہ اس کے لیے لپیٹ کر رکھ دے اور سفر اس
پر آسان فرما۔

یہاں لفظ 'لہ' غور طلب ہے۔ آنحضرت کے بعد کسی درجہ کے نبی کا پیدا ہونا ممکن
نہیں۔ نبوت ہر اعتبار سے آپ پر ختم ہو چکی۔ سو 'لہ' کے عموم میں آنے والے حضور اکرم ﷺ
کی امت کے اولیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ اس دعا میں آنحضرت ﷺ نے یہ بات واضح فرما دی
کہ اس امت کے اولیاء کے لیے بھی یہ مرتبہ ممکن ہے۔ امام احمد نے حضور ﷺ کی یہ دعا نقل
فرمائی ہے۔

اللھم اطو لنا الارض وھون علینا السفر (مسند احمد ج۳ ص۴۲۸)

حضرت مولانا تھانویؒ نے امام مالکؒ سے آنحضرت ﷺ کی یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے:۔

اللھم ازو لنا الارض (اے اللہ تو ہمارے لیے زمین کو لپیٹ دے)

حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

بہت حکایات میں اولیاء اللہ کی یہ کرامت منقول ہے کہ زمانہ قصیر میں مسافت طویل قطع کرلی بعض متقشفین اس کو مستبعد سمجھ کر انکار کر بیٹھتے ہیں مگر صوفیہ اور علماء محققین اسکو ممکن اور واقع کہتے ہیں اس حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے کیونکہ طی الارض کے مراتب مختلف ہیں اور اس حدیث میں اسے کسی مرتبہ کی ساتھ محدود و مقید نہیں کیا گیا نہ اور کوئی دلیل تقیید وتحدید کی ہے پس مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اور علی الاطلاق طی الارض ممکن رہے گا۔ (التکشف ص۳۱۴)

آنحضرت ﷺ کے لیے تو معجزۃً زمین سمیٹ دی گئی۔ اولیاء کرام کے لیے بھی طی الارض کو کرامۃً تسلیم کیا گیا ہے۔ جب علامہ زعفرانی نے لکھا کہ:

ومن قال طی مسافة یجوز لولی جھل

(کذا فی الدر المختار ج۳، ص۴۲۵)

ترجمہ: اور جس نے کہا اولیاء اللہ کے لیے بھی زمین کا طی مسافت جائز ہے وہ بڑا جاہل ہے۔

تو علامہ ابن عابدین الشامی نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ آپ امام غزالیؒ کے استاذ امام الحرمین (۴۷۸ھ) سے نقل کرتے ہیں:

المرضی عندنا تجوز جملة خوارق العادات فی معرض الکرامات (ایضاً ص۴۲۶)

ترجمہ: پسندیدہ بات ہمارے ہاں یہی ہے کہ کرامات کے طور پر بھی عادت زمانہ ٹوٹ سکتی ہے۔

اور علامہ شامی نے علامہ نسفی کے اس بیان پر بحث کو ختم کیا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ نسفی وہ بزرگ ہیں جن کا فتویٰ جنات میں بھی چلتا تھا۔ اس سے فقہ حنفی کی وسعت قبولیت کا

بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک غیبی قبولیت ہے جس کے اسرار و حکم اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ بہرحال علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں:

نقض العادة على سبيل الكرامة لاهل الولاية جائز عند اهل السنة (ایضا)

ترجمہ: عادت کائنات کا اہل اللہ کے لیے کرامۃً ٹوٹ جانا اہل السنۃ کے نزدیک مانا گیا ہے۔

علامہ شامی نے امام نسفی کی یہ بات شرح وہبانیہ سے نقل کی ہے اس میں امام نسفی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے رأس الاولیاء تھے۔

النسفي هذا هو الامام نجم الدين عمر مفتي الانس والجن راس الاولياء في عصره

طی الزمان کی ایک اور روایت

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال زمین میں چالیس برس رہے گا۔ ایک سال ایک مہینہ کے برابر ہوگا اور مہینہ ہفتہ کے برابر اور دن ایسا ہوگا جیسے آگ سے لکڑیاں جل اٹھتی ہیں۔ (رواہ فی شرح السنۃ) لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ **وسائر ایامه** کایامکم۔ اس حدیث میں دنوں کے سکڑنے کی پوری صراحت ہے یہ طی الارض نہیں طی زمان ہے وقت کا پھیلنا (بسط) اور سکڑنا (طی) دونوں برحق ہیں۔ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ایک روایت سے جسے امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے، استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مسئلہ طی الزمان اس پر تو دلالت حدیث کی ظاہر ہے اور طی و بسط کے امکان میں کچھ تفاوت نہیں پس بسط بھی اسی طرح ہوسکتا ہے۔

(التکشف ۴۳۶)

یہ حقائق اسرار الٰہیہ میں سے ہیں ان میں اللہ کی قدرت اور اہل ولایت کی عزت پر یہ واقعات کھلے برہان ہیں۔

(۲۷) ظہور تجلی

اہل سلوک کو کبھی اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات سے بھی نوازتے ہیں یہ اسکی ایک تجلی کا

ظہور ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں اسکی تجلی کا ظہور ہوتا ہے اور اس سے آواز بھی کبھی آتی ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ جو لوگ ان مراتب احسان کو سمجھ نہیں پاتے وہ ایسی روایات پر نہایت بے دردی سے ہنس دیتے ہیں۔ قرآن سنت کی روشنی میں ایسا ہونا ہرگز ناممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اتانی اللیلة ربی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورة

(جامع ترمذی ج۲، ص۱۵۵)

ترجمہ: آج رات میرے پاس میرا رب آیا وہ نہایت حسین صورت میں تھا۔

معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح آنا یا کبھی پہلے آسمان دنیا پر اترنا عرش سے اتر کر ہوتا ہے یا استویٰ علی العرش کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی یہ نزول بھی ہوتا رہتا ہے اور اس سے عرش سے دوری نہیں ہوتی!۔

جیسے اللہ کی ذات بے مثال ہے ویسے اسکا آنا بھی بے مثال ہے وہ کس طرح ظہور فرماتا ہے، اسے اہل احسان بھی شاید نہ جان پائیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بصورت خواب ہو۔ اللیلہ اس پر قرینہ ہے اسے اسکے ظاہری معنوں پر محمول کرنا درست نہیں۔ حضرت مولانا تھانوی اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

تجلی اور اتحاد کو معنی عرفی اور لغوی پر محمول کرنا جائز نہیں جیسا عوام جہلاء اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں۔ (التکشف ۳۷۱)

کبھی یہ ظہور تجلی کی صورت میں نہیں کسی مخلوق کے اندر اترنے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اترنا بلا حلول ہے جیسے کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کبھی کسی کسی طالب میں اتر کر اس سے اپنی محبت طلب کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی بندے سے فرمائیں گے میں بیمار ہوا تھا تو میری عیادت کے لیے کیوں نہیں آیا؟

مرضت فلم تعدنی فیقول یارب کیف اعودک وانت رب العالمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده اما علمت انک لو عدته لوجدتنی عنده (صحیح مسلم ج۲، ص۳۱۸)

ترجمہ: میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی وہ کہے گا میں تیری عیادت کیسے کرتا تو رب العالمین ہے سب جہانوں کو پالنے والا ہے اللہ تعالی کہیں گے تجھے پتہ نہیں کہ میرا بندہ فلاں شخص بیمار ہوا تھا تو نے اسکی عیادت نہ کی کیا تجھے پتہ نہیں تھا کہ اگر تو اسکی عیادت کرتا تو تو مجھے وہاں موجود پاتا۔

وہ بندہ خدا جو مریض تھا وہ حق کا مظہر تھا اس میں حق ظاہر ہوا یہ اتحاد نہیں نہ حلول ہے یہاں ظہور باری تعالی بصورت مجاز ہے۔ حضرت علی نے اس پیرائے میں فرمایا، المسکین رسول اللہ۔ یہ سوالی اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔

ع بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:

ایسی تعبیریں مجازی ہوتی ہیں انہیں حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کیے جائیں۔ (التکشف ص ۳۷۲)

آپ نے مظہریت خلق اور ظاہریت حق کی بحث کلید مثنوی میں تفصیل سے کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اگر کسی کو کسی مخلوق میں کوئی وصف کمال نظر آئے گا تو وہ درحقیقت حق تعالی کے کمال کی ہی تجلی ہوگی اور اصل محبوب وہی ٹھہرے گا جسکے کمالات لازوال ہیں۔ (دیکھئے التکشف ص ۹۷)

(۲۸) ظہور صفات:

دنیا کا یہ سارا نظام اللہ تعالی کے اسماء کا ہی ایک ظہور ہے۔

علی حسب الاسماء تجری امورهم
وحکمة وصف الذات فی الحکم اجرت

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالی کی خاص خاص صفات مناسبہ نے جو معشارک بین الواجب والممکن ہیں خاص خاص خلق میں ظہور فرمایا ہے مثلا صفت محیی (وہ زندہ کرنے والا ہے) نے پانی میں (وجعلنا من الماء

کل شیئ حی) اور صفت قابض نے نار میں اور اکثر صفات نے انسان میں، اس مظہریت میں صرف صفات مناسبہ کی تخصیص کی گئی ہے۔

حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس امت کے بارے میں بتلا دیا تھا۔

یا عیسی انی باعث من بعدک امة اذا اصابهم مایحبون حمدوا اللّٰه...... وفیه قال اللّٰه تعالیٰ اعطیهم من حلمی وعلمی رواه البیهقی (مشکوٰۃ ص ۱۵۳)

ترجمہ: اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک ایسی امت بھیجنے والا ہوں کہ جب ان کو کوئی ایسی بات پہنچے گی جو ان کو پسند ہو گی تو وہ اللہ کی حمد بیان کریں گے۔ اور اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کو اپنے صفت حلم اور علم سے نوازوں گا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کاملین کو اپنی بعض صفات جو متشارک بین الواجب والممکن ہیں سے نوازا ہے اور یہ اسکی صفات کا ظہور ہے۔

اللہ تعالیٰ رؤف رحیم ہیں اور یہ اس کی صفات ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کی مخلوق ہیں اور آپ کو بھی رؤف رحیم فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (پ ۱۱، التوبہ ۱۲۸)

آنحضرت ﷺ کا رؤف رحیم ہونا اس کی صفات کاملہ کا ظہور ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں اس مخلوق میں آ گئی ہیں اور اب یہ مخلوق ان صفات کے حامل ہو گئی جیسا کہ بعض غالی مبتدعین کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض وہ صفات جو متشارک بین الواجب والممکن ہیں اس سے اپنے بعض مقبولین کو نوازا ہے اور یہ اسکی ان صفات کا ظہور ہے۔

(۲۹) استغراق:

راہ سلوک میں چلنے والے کبھی ہمہ تن حسن مطلق کے مشاہدہ میں کھو جاتے ہیں پھر انہیں کسی اور کا دھیان نہیں رہتا خود حضرت خاتم النبیین ﷺ پر جب یہ حالت طاری ہوتی تو حضرت جبرئیل امین جیسے مقرب بھی آپ کے حضور جگہ نہ پا سکتے تھے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب اونبی مرسل

(مرقات شرح مشکوۃ ج ا ص ۵۷)

ترجمہ: مجھے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ملتا ہے کہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل بھی میرے ہاں باریابی نہیں پاسکتا۔

مولانا حالی فرماتے ہیں کہ حضور کے لیے بموقعہ معراج ایک مقام ایسا بھی آیا کہ جہاں جبرئیل امین کہہ اٹھے:۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اولیاء کرام پر بھی بعض ایسے لمحات آتے ہیں کہ وہ ہمہ تن ذات باری کے جمال جہاں آرا میں گم، ہر ماسوی سے بے خبر، حسن مطلق کے جلوؤں میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ایسے حال میں انکی زبان سے کوئی کلمہ خلاف ظاہر بھی نکلے تو وہ لائق تاویل ہوگا ظاہر معنی پر محمول نہ ہوگا۔

آنحضرت نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو آپ معًا اس مقام پر آگئے گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی توجہ یا تصرف سے آپ کا مقام استغراق میں آنا تھا۔ آپؓ فرماتے ہیں:

فلما رای رسول اللہ ﷺ ماقد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا و کانما انظر الی اللہ فرقا (صحیح مسلم ج ا ص ۲۷۳)

ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے دل پر کیا چیز چھارہی ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوگئی کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اسکا غلبہ غایت درجہ کا استغراق ہے اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ گویا خدا کو دیکھ رہے تھے) اسے تشبیہ دی ہے نظر الی اللہ سے (خدا کو

دیکھنے سے) اور ظاہر ہے کہ اگر (واقعی) نظر الی اللہ کا وقوع اس عالم میں ہوتا تو ہوش وحواس بجا نہ رہتے۔(التکشف ص ۴۱۳)

(۴۰) حیرت:

راہ سلوک کے مسافر کبھی وادی حیرت میں بھی جا گھرتے ہیں۔ حافظ شیرازی اس مقام سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں:۔

شب تاریک بیم موج گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکساراں ساحلہا
ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

ترجمہ: ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج (اٹھنے) کا خوف ہو اور کشتی بھنور میں پوری گھری ہو، ہمارے اس حال کی ان لوگوں کو کیا خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں۔
جلدی کامیاب ہونے کے تقاضے پر میرا یہ حال ہوا کہ میں رسوا ہو گیا اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ اس کے لیے مجمع کیا جائے محفلیں قائم کی جائیں۔
حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے ایک گونہ عذر معترضین کی اور ملامت گروں کی۔ مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقب باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اسکے اقوال وافعال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ اعتراض خود دلیل اسکی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گذری پس انکے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے۔ رہے عارف اور واقف لوگ وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اسکی دستگیری کرتے ہیں۔(التکشف ص ۶۳)

جو لوگ ابھی تک وادی حیرت میں نہیں گھرے وہ اسکی حقیقت کیسے جان سکتے ہیں۔
ہاں جن بزرگوں کو ان وادیوں میں نہ صرف یہ کہ خود سفر کرنے کا موقع ملا بلکہ انہیں ایک بڑی تعداد کی رہنمائی کا شرف بھی حاصل رہا وہ کیا کہتے ہیں اسے سنیں۔

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۲ھ) بعض عارفین سے نقل کرتے ہیں۔

لو علم الملوک وابناء الملوک مانحن فیه لجادلونا علیه بالسیوف (الوابل الصیب ص)

ترجمہ: اگر بادشاہوں اور شاہزادوں کو اس چیز کا پتہ چل جائے جو ہمارے پاس ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کیلئے ہم پر تلواریں لے کر چڑھ دوڑیں۔

اذا لم تر الهلال فسلم ...... لاناس راؤه بالابصار

اور ہم ان کے حق میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

اے موج بلا ان کو بھی ذرا دوچار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ کنارے ساحل کے طوفان کا نظارہ کرتے ہیں

(۳۱) محفوظیت:

جس طرح انبیاء کرام شانِ معصومیت دیئے گئے۔ ارادہ گناہ ان تک رسائی نہیں پاتا، صحابہ کرام آپ کے بعد مقام محفوظیت رکھتے ہیں وہ خیر امت ٹھہرائے گئے اور ان کا امر معروف مانا گیا اور انکی نہی منکر ٹھہری۔ حضور ﷺ کے بعد یہ اقوام عالم کے لیے پیشوا ہوئے اور خدا نے ان کے ایمان کی شہادت دی۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر و تؤمنون بالله (پ۴، آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے آگے لائے گئے تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم منکر سے روکتے ہو اور تم بیشک اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اس بات کی کھلی شہادت موجود ہے کہ یہ خیر امت حقیقۃً ایمان کی دولت پائے ہوئے تھے۔ یہ انکا ایمان کا کوئی ظاہری اقرار نہ تھا، حقیقت ایمان انہیں مل چکی تھی، وہ جو کہتے وہ واقعی معروف تھا اور جس چیز سے صحابہ روکیں وہ واقعی برائی رہی۔

اسی طرح اس امت میں اور کئی علماء کرام اور اولیاء کرام بھی ہوئے جو شان محفوظیت پاگئے۔ شارع کا مقصود اس پوری زمین کو گناہوں سے پاک کرنے کا تھا اور شارع علیہ السلام اپنے اس مقصد میں واقعی کامیاب ہوئے۔ حافظ ابن ہمام سکندری لکھتے ہیں:

لان مطلوب الشارع اخلاء الارض من المعاصی والفواحش
(ردالمحتار ج ۳ ص ۱۹۸)

ترجمہ: شارع علیہ السلام کا مقصد اس پوری زمین کو گناہوں اور بے حیائیوں سے پاک کرنا ہے۔

اس زمین پر اگر کوئی طبقہ مقام محفوظیت پر نہ آپائے تو شارع کی بعثت بے مقصد ہو جاتی ہے۔ فرشتے اور پیغمبر تو اسی لیے معصوم رہے کہ خدا نے ان کی عصمت کی ذمہ داری لے لی سو ان کے سوا اگر کوئی بھی گناہوں سے محفوظ نہ رہ سکے تو مشن رسالت سراسر ناکام ہوتا ہے۔ کچھ لوگ تو ہوں جو باوجودیکہ پیغمبر نہیں مگر گناہوں سے محفوظ رہے ہوں اور وہ دوسروں کے لیے نمونہ ہوں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی نیند کو بھی عبادت بتلایا اور حضور نے اس میں کوئی ترمیم نہ فرمائی، آپ کے بیان کی اپنی خاموشی سے تصدیق کر دی۔ حضرت معاذ کے الفاظ یہ ہیں:۔

ارجو فی نومتی ماارجو فی قومتی (صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۲۱)

ترجمہ: میں اپنے سونے میں بھی ایسا ہی ثواب پاتا ہوں جیسا اپنی شب بیداری میں۔

حضرت امام نوویؒ اس پر لکھتے ہیں

انی انام بنیة القوة واجماع النفس للعبادة وتنشیطها للطاعة فارجوا فی ذلک الاجر کما أرجو فی قومتی ای صلوتی

ترجمہ: میں اس لیے سوتا ہوں کہ عبادت پر قوت پاسکوں اور جی کو اس پر جما سکوں۔ دل عبادت پر تازہ دم رہے سو میں اس پر اجر کی امید رکھتا ہوں جیسا کہ میں اپنی نماز پر اجر کی امید لگائے ہوئے ہوں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

جب معرفت صحیح ہوجاتی ہے اور اسی سے امور عادیہ بھی صادر عن المصلحت ہونے لگتے ہیں تو وہ امور عادیہ بھی عبادت وموجب اجر اور قرب الٰہی ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے افعال مباحہ اسی قسم کے مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ (التکشف ۳۵)

حدیث میں قرب نوافل کے فائزین کے بارے میں تصریح ہے کہ ان کے کان آنکھ ہاتھ اور پاؤں سب خدا کی رضا میں ڈھل جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔

لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصره به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها (رواہ البخاری)

یہ اس امت کے اولیاء کاملین کا مقام محفوظیت ہے پھر ان کے بھی اپنے درجات ہیں۔

(۳۲) رضا:

سالک پر قبض کی حالت ہو یا بسط کی، گھٹن وارد ہو یا انشراح، اللہ کے حضور وہ اس کے وارد کردہ ہر حال پر راضی رہے بندہ سے مطلوب ہر وقت یہ رضا ہے۔ مولانا رومؒ کہتے ہیں:۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین
تازہ باش وچیں میفکن برجبین

ترجمہ: جب گھٹن وارد ہو تو اس میں بھی بسط وانشراح کی کیفیت محسوس کر۔ ہر دم خوش رہ کسی حالت پر ماتھے پر شکن نہ آنے دے۔

یہ سالک کی مقامات سلوک کی ایک منزل ہے یہاں وہ مقام رضا پا گیا۔ دنیوی امور میں بھی قرآن وسنت کی روشنی میں رضا بالقضاء اس سے مطلوب ہے۔ اسے اس پہلو سے صابرین میں جگہ ملتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للّٰه وانا الیه راجعون (پ۲، البقرہ ۱۵۶)

ترجمہ: اور آپ صابرین کو بشارت دے دیں جب انہیں کوئی مصیبت

آئے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہی تو ہیں اور بیشک ہم سب نے
اسی کی طرف جانا ہے۔

(۳۳) وظائف:

سالک سلوک کی مشکل راہوں کو ذکر اللہ سے عبور کرتا ہے مشائخ اسے تسبیحات بتلاتے ہیں یہ سالک کے وظائف ہیں بعض ظاہر بین اس کثرت ذکر کو بھی تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

حضرت صفیہ سبحان اللہ سے اللہ کا ذکر کر رہی تھیں اور ان کے سامنے چار ہزار کھجور کی گٹھلیوں کا ڈھیر تھا جن پر وہ سبحان اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں۔

عن صفية ان رسول اللهﷺ دخل عليها وبين يديها اربعة آلاف نواة تسبح بهن (رواہ ابوداؤد کما فی التیسیر)

حضرت ابوہریرہؓ کا سونے سے پہلے کیا معمول تھا اسے آپ کے پوتے حضرت نعیم سے سنئے۔ وہ کہتے ہیں:۔

انه كان له خيط فيه الفا عقدة فلاينام حتى يسبح به

(البدایہ ج ۸، ص ۱۱۲ حلیہ ص ۳۶۸۔ صفوۃ ۳۵۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں دو ہزار گرہیں لگی ہوئی تھیں آپ سونے سے پہلے ان پر تسبیح پڑھتے اور پھر سوتے تھے۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے پاس ایک تھیلی تھی جو کھجور کی گٹھلیوں سے بھری ہوئی تھی آپ ان پر سبحان اللہ کا ورد فرماتے تھے جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو آپ کا خادم دوبارہ ان گٹھلیوں کو تھیلی میں ڈال دیتا اور آپ پھر ان پر تسبیحات کا ورد کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد ج ۲، ص ۵۴۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

اکثر ذاکرین کا معمول ہے تسبیح پر اوراد اذکار پڑھنے کا۔ یہ حدیث اس کی اصل ہے کیونکہ گٹھلیوں اور دانوں میں کوئی فرق نہیں اور تاگا

محض اجتماع کی غرض سے ہے حدیث میں بھی گٹھلیوں کا مجمع ہونا خود ثابت ہے۔ (التکشف ۴۲۷)

بڑی گنتی کے لیے انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا مشکل ہو جاتا ہے سو اسلام میں دانوں اور گٹھلیوں سے بڑی گنتی کے اوراد بآسانی پورے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ دین فطرت ہے اور ہر فطری ضرورت کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

(۳۴) علم اسرار:

شریعت مکمل ہوچکی اور اس کے سب اصول وفروع مدون ہو چکے، حوادث پیش آمدہ سب انہی کے تحت حل ہوتے ہیں دین میں اب کسی نئی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس شریعت کے احکام میں بہت سے اسرار لپٹے ہیں جو ہر عالم دین کو معلوم نہیں ہوتے اور نہ ان کا جاننا ہر کسی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اہل نسبت حضرات کے لیے اپنے بہت سے اسرار کھول دیتا ہے اور ان کی لذت سے سلوک کی منزلیں لمحوں میں طے ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اذا رأیتم العبد یعطی زهدا فی الدنیا وقلة منطق فاقتربوا منه فانه یلقی الحکمة (مشکوٰۃ ص ۴۳۸)

ترجمہ: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی روحانی دولت ملی ہے تو اس سے نزدیک رہا کرو (اس کی طرف رجوع کرو) کیونکہ اس پر اسرار اتارے جاتے ہیں (اسے حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے)

یہ علم لدنی ہے جو اس نسبت میں آنے والوں کو اللہ تعالیٰ سے بطور عنایت ملتا ہے۔ سالکین اصلاح باطن کے لیے کاملین کے پاس مدتیں گذارتے ہیں تب کہیں حکمت کے یہ چشمے ان کے قلب سے جاری ہو کر انکے زبان وقلم تک پہنچتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من اخلص لله اربعین صباحا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه

وعلی لسانه (اخرجہ رزین)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس دن خالص کرے اس کے دل سے اور اس کی زبان پر حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں۔

اس امت میں قدماء میں امام طحاوی (۳۲۱ھ) اور علامہ خطابی (۳۸۸ھ) پھر امام غزالی (۵۰۵ھ) شیخ اکبر (۶۳۸ھ) مولانا روم (۶۷۲ھ) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ) اور امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) اور ان کے خلیفہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے وقت میں اس فن کے امام گذرے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

> بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو بعض علوم وہ عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں کبھی اس کو علم وہبی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم اسرار کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق و حقائق منقول ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے حدیث ابن عباس ایسے علوم کے تحقق اور اعتبار کی اصل ہے۔ (التکشف ۴۰۰)

آپ لکھتے ہیں:

> علم اسرار غیر منقولہ اس کو علم لدنی اور علم وہبی بھی کہتے ہیں جس کا عطا ہونا اہل اللہ کو بہ کثرت و تواتر منقول ہے اور ان حضرات کی کتب بھی ان علوم کی مدون و محفوظ ہیں۔ (ایضاً ص ۴۱۴)

(۳۵) توسل:

توسل سے مراد بندے کا اللہ تعالیٰ سے کسی واسطہ اور ذریعہ سے مانگنا ہے۔ بہترین واسطہ عمل ہے۔

یاایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیه الوسلیة (پ۶، المائدہ ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ۔

یادرکھیے عمل کی طرح اشخاص بھی وسیلہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ان کو

وسیلہ بنانے کے بغیر خود ان کو وسیلہ بنا رکھا ہے سو اب بندوں کا بھی ان کو وسیلہ بنانا ناجائز نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم (مشکوٰۃ ص ۴۴۹)

ترجمہ: بیشک تمہارے کمزوروں کا صدقہ تمہیں رزق ملتا ہے اور مدد دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزوروں اور عاجزوں کا وسیلہ لایا جائے تو اس کی عاجز نوازی ان وسیلہ لانے والوں پر بھی رحمت ہو کر برتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی وجاہت کا صدقہ مانگا نہیں جاسکتا۔ آنحضرت ﷺ فقرائے مہاجرین کے توسل سے اللہ سے رحمت مانگتے تھے۔

امیہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔

انه کان یستفتح بصعالیک المهاجرین

(رواہ فی شرح السنۃ مشکوٰۃ ۴۴۹)

ترجمہ: بیشک آنحضرت ﷺ بتوسل فقراء مہاجرین اللہ سے فتح مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں جس طرح ان ضعفاء اور مساکین کو بطور وسیلہ لایا جاسکتا ہے اسی طرح اسکی محبت کے سائے میں رہنے والے اسکے مقبولین کو بھی وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ بندوں کے ہاں انبیاء اولیاء کی بہت عظمت ہے مگر اللہ کے ہاں انکی محبوبیت بندوں کے ہاں انکی عظمت سے بہت اونچی ہے سو مومن جب حضور کو اپنا وسیلہ بنائے تو انہیں اللہ کی محبت کے سائے میں سمجھ کر ان سے توسل کرے۔ اللہ پر کسی کی وجاہت اور عظمت نہیں چلتی مقبولین بارگاہ الٰہی کو انکی محبوبیت کے واسطہ سے وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ اے اللہ اپنے ان محبوبین کے واسطہ سے ہماری حاجات پوری فرما۔

حضرت عبداللہ بن دینارؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ابوطالب کا یہ شعر پڑھتے سنا جس میں وہ حضور ﷺ کے چہرے کا صدقہ اللہ تعالیٰ سے بارش مانگتے تھے اور ساتھ ساتھ اس چہرہ انور پر بھی نظر کرتے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگی جاتی رہی ہے اور اس پر کسی جہت سے منع وارد نہیں کی گئی۔

استسقاء میں توسل کی حقیقت:

صحابہ کا بارش طلبی میں حضور کو وسیلہ بنانا اس معنی میں تھا کہ وہ آپ کے پاس آ کر آپ کو بارش کے لیے دعا کا کہیں۔ صحابہ آپ سے سوال کرتے اور آپ دعا فرماتے امام بخاری نے اس پر یہ باب باندھا ہے۔

باب سوال الناس الامام للاستسقاء اذا قحطوا

ترجمہ: لوگوں کا امام سے قحط ہو جانے پر بارش کی دعا کے لیے کہنا۔

آنحضرت ﷺ کے دور تک تو یہ بات چل سکتی تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد اس طرح دعا کرانے کے لیے کسی زندہ شخص کی حاضری اور اللہ کے حضور اس سے بارش طلبی کی دعا ضروری تھی چنانچہ حضرت عمرؓ اس کے لیے حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو لے آئے اور انہوں نے حضرت عمر کے بعد اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بارش کی دعا کی۔

حضرت عمر نے قحط کے دنوں جب حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو حضرت عباسؓ نے نہایت عاجزی اور زاری سے اللہ کے حضور گڑگڑا کر امت کے لیے پانی طلب کیا یہ آپ کی عاجزی اور زاری تھی جس پر اللہ نے رحمت فرمائی اور بارش برسائی۔ اس کی غایت یہ نہ تھی کہ فوت شدہ سے توسل جائز نہیں بلکہ یہ ہے کہ فوت شدہ کو دعا کے لیے کھڑا نہ کیا جا سکتا تھا حضرت عباسؓ کو حضور ﷺ کی نسبت سے اس کے لیے کھڑا کیا گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضور کی دعا پر بارش برسائی اب حضرت عباسؓ کی دعا پر بارش اتار دی۔ شارح بخاری حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وفی حدیث ابی صالح فلما صعد عمر ومعه العباس المنبر قال اللهم انا توجهنا الیک بعم نبیک وصنو ابیه فاسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین ثم قال قل یا ابا الفضل فقال العباس اللّٰهم لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبة وقد توجه بی القوم الیک لمکانی من نبیک وهذه ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا بالتوبة فاسقنا الغیث فارخت

السماء شآبیب مثل الجبال حتی اخصبت الارض وعاش الناس (عینی شرح صحیح البخاری ج ۷، ص ۳۳)

ترجمہ: اور حدیث ابی صالح میں ہے حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے حضرت عمر نے کہا اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں ہمیں بارش سے سیراب فرما اور ہمیں مایوس نہ کرنا۔ پھر آپ نے کہا اے عباس آپ کہیں، حضرت عباسؓ نے کہا کوئی بلا نہیں آتی مگر یہ کہ گناہ اسے لاتا ہے اور وہ نہیں جاتی مگر توبہ سے، اے اللہ! قوم نے میرے واسطہ سے تیری طرف توجہ کی ہے میرے اس رشتہ کی وجہ سے جو مجھے حضور ﷺ کے ساتھ ہے یہ ہمارے ہاتھ گناہوں کے اقرار سے تیری طرف اٹھے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کی ندامت سے پیش ہیں سو ہمیں بارش سے سیراب فرما۔ سو آسمان نے پہاڑوں کی طرح بارش اتاری یہاں تک کہ سب زمین سرسبز ہوگئی اور لوگ زندہ ہوئے۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ اس موقع پر وسیلہ کا یہ پیرایہ نہ تھا کہ اے اللہ ہم پر حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش اتار بلکہ بارش کے لیے دعا خود حضرت عباسؓ سے کرائی تھی۔ سو اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ فوت شدہ کے وسیلہ سے خدا سے کچھ نہیں مانگا جاسکتا۔ یہاں حضور کا وسیلہ صرف اسلئے نہ کیا گیا کہ آپ کو یہاں دعا کرنے کیلئے کہا نہ جاسکتا تھا۔ اور آپ یہاں آکر دعا نہ فرما سکتے تھے۔

ہاں اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر آپ سے بارش طلبی کے لیے دعا کہتا کہ حضور خدا سے بارش کے لیے دعا فرمادیں تو حضرت عمرؓ اسے کبھی منع نہ کرتے۔ ایسا ایک دفعہ ہوا بھی اور حضور ﷺ نے عالم برزخ میں بارش کی دعا فرمائی اور اس کے لیے حضرت عمرؓ کو بشارت کا پیغام دیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بارش طلبی کے لیے حضور سے اب بھی توسل کیا جاسکتا ہے گو حضور ﷺ یہاں آکر دعا نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ وہیں سے آپ کی دعا کے توسل سے یہاں بارش اتار دیں گے۔ اس واقعہ کو امام بیہقی نے سند صحیح متصل سے روایت کیا ہے۔

عن ابی صالح عن مالک قال اصاب الناس قحط فی زمن

عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یارسول اللّٰہ استسق اللّٰہ لامتک فانھم قد ھلکوا فاتاہ رسول اللّٰہ ﷺ فی المنام فقال ایت عمر فاقراہ منی السلام واخبرھم انھم مسقون وقل لہ علیک بالکیس الکیس فاتی الرجل عمر فاخبر عمر فقال یارب ماآلوا الا ما عجزت عنہ. وھذا اسناد صحیح (البدایہ ج۷، ص۹۲)

ترجمہ: حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص نے حضور کی قبر پر حاضر ہوکر عرض کی حضور اپنی امت کے لیے اللہ سے بارش مانگیں کیونکہ لوگ ہلاک ہورہے ہیں حضور خواب میں ملے اور کہا تم عمر کے پاس جاؤ میرا اسے سلام کہو اور مسلمانوں کو بشارت دو کہ ان پر بارش ہوگی اور عمر کو کہنا کہ سمجھ دار لوگوں کو آگے رکھیں وہ آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپ کو اس کی اطلاع دی آپ نے کہا اے میرے رب میں ہرگز کوئی کمی نہ کروں گا مگر وہیں جہاں میں عاجز رہوں۔

کیا حضور اپنی قبر پر سنتے ہیں:

ہاں یہاں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ کیا حضور ﷺ اپنی قبر پر حاضر ہونے والے کی بات سنتے ہیں، اسکا صحیح جواب وہ ہے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے دیا ہے:۔

کسی قبر کے پاس جا کر کہے اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوزین سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کے سماع میں کسی کا خلاف نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

(۳۶) حصار:

کسی جگہ پر ایسا تصرف کرنا کہ وہ جگہ بدروحوں سے محفوظ رہے اور کوئی چھپی یا کھلی مخلوق وہاں داخل نہ ہونے پائے یہ عمل حصار کہلاتا ہے۔ کچھ اسماء یا آیات ایسی ہیں کہ انہیں

پڑھ کر اگر کوئی اپنے گردو پیش لکیر لگا لے تو اللہ تعالیٰ ان کلمات میں اثر پیدا فرمادیتے ہیں اور وہ شخص الٰہی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

اہل طریقت کو یہ علم اسماء یا علم اثر آیات اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں۔ بواسطہ نبوت ملیں یا بذریعہ الہام ملیں یا اپنے مشائخ سے سینہ بہ سینہ ملیں۔ یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات صرف انبیاء پر ہی کھولتا ہے وہ یہ قوت تصرف کبھی اہل ولایت کو بھی عطا کرتا ہے پھر ایسے وظائف واسماء کیلئے کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں جنہیں اہل طریقت ہی سمجھ پاتے ہیں جو ان شرطوں سے بے پرواہوا وہ اس درجہ کرامت سے نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے دی دولت بھی چھین لیتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک ایسے شخص کا حال اس طرح مذکور ہے:۔

واتل علیهم نباء الذی اتیناه ایاتنا فانسلخ منها

(پ۹، الاعراف ۱۷۵)

ترجمہ: آپ ان پر اس شخص کو ذکر کریں جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں مگر وہ ان سے نکل گیا۔

دیکھئے یہاں صریح لفظوں میں اتیناہ ایاتنا کے الفاظ مذکور ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے سوا اہل ولایت کو بھی اپنے اسماء یا آیات تلقین فرماتا ہے اور پھر ان پر اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جس شخص نے کہا تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کے سامنے چشم زدن میں حاضر کرتا ہوں وہ بھی نبی نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق بھی فرمایا قال الذی عندہ علم من الکتاب (پ۱۹، النمل ۴۰) اس کے پاس ایک مخفی علم تھا۔ یہ بزرگ حضرت آصف بن برخیا تھے۔

حصار کی عملی صورت:

آنحضرت ﷺ نے بھی ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے گرد ایک خط دائرہ کی طرح کھینچا اور آپ کو نصیحت فرمائی کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا۔

عن ابن مسعود قال صلی رسول اللہ ﷺ العشاء ثم انصرف فاخذ بیدی حتی خرج الی بطحاء مکة وقال

فاجلسنی وخط علی خطا وقال لاتبرجن من خطک فانه سینتھی الیک رجال فلا تکلمھم فانھم لن یکلموک ثم مضی رسول اللهﷺ حیث اراد فبینا انا جالس فی خطی اذ اتانی رجال کانھم الزط (جامع ترمذی ج۲،ص۱۰۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، فارغ ہوئے تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بطحاء مکہ کی طرف لے گئے، آپ نے مجھے بٹھایا اور میرے گرد ایک لکیر کھینچی اور مجھے کہا کہ اس لکیر کے باہر نہ نکلنا تمہارے پاس کچھ لوگ آ کر رک جائیں گے ان سے ہمکلام نہ ہونا وہ بھی تمہارے ساتھ بات نہ کریں گے پھر حضورﷺ جہاں چاہا چلے گئے میں اس خط شدہ دائرہ میں بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئے وہ دیکھنے میں جاٹ معلوم ہوتے تھے۔

دیکھئے رجال الغیب بھی ان فضاؤں اور خلاؤں میں پھرتے ہیں وہ کبھی نظر بھی آجاتے ہیں تاہم وہ ایک مخفی مخلوق ہیں۔

۳ آنحضرتﷺ جب آپ کو حصار دے کر بٹھا گئے اور خود آگے گئے انہیں یوں معلوم ہوا کہ آپ اچانک غائب ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ واقعی آپ کے ساتھ نہ تھے جب حضورﷺ واپس لوٹے اور پھر اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر ان جنات کی بستیوں میں پہنچے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیشک آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا۔

هل شهد احد منکم مع رسول اللهﷺ لیلة الجن فقال لا ولکنا کنا مع رسول اللهﷺ ذات لیلة ففقدناه فالتمسناه فی الاودیة والشعاب فقلنا استطیراو اغتیل قال فبتنا بشر لیلة بات بها قوم فلما اصبحنا اذا هو جاء من قبل حراء قال فقلنا یارسول الله فقدناک فطلبناک فلم نجدک... فقال اتانی داعی الجن فذهبت معه (صحیح مسلم ج۱،ص۱۸۴)

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں ہاں ایک رات ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم نے آپ کو اچانک گم پایا پھر ہم نے وادیوں اور گھاٹیوں میں آپ کی تلاش کی ہم نے کہا آپ کو کوئی اڑا کر لے گیا ہے یا کسی نے آپ کو چھپے قتل کر دیا ہے وہ رات ہم نے بہت تکلیف دہ احساس میں کاٹی جب صبح ہوئی ہم نے دیکھا کہ آپ حراء کی طرف سے آ رہے ہیں ہم نے کہا کہ ہم نے آپ کو گم پایا اور تلاش کیا آپ ہمیں نہ ملے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا ایک سردار آیا تھا میں اسکے ساتھ گیا تھا۔

اس روایت میں آپ کا اس رات حضور کے ساتھ ہونا اور نہ ہونا دونوں باتیں موجود ہیں۔ امام بیہقی نے اس قصہ کو اس طرح روایت کیا ہے۔

عن علقمة قال قلت لعبد اللّٰہ بن مسعود هل صحب رسول اللّٰہ ﷺ ليلة الجن منكم احد فقال ماصحب منا احد ولكن فقدناه ذات ليلة بمكة فقلنا اغتيل استطير مافعل؟ قال فبتنا بشر ليلة بات بها قوم فلما كان فى وجه الصبح او قال فى السحر اذا يجىء من قبل حراء فقلنا يارسول اللّٰہ ﷺ فذكروا الذى كانوا فيه فقال انه اتانى داعى الجن فاتيتهم فقرات عليهم قال فانطلق فارانا آثارهم و آثار نيرانهم

(دلائل النبوۃ ج۲، ص۲۲۹)

اس سے پتہ چلا کہ جنات کی رہائش کے آثار اور انکے چولھوں کے نشانات یہاں عام سطح پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے اس رات چلنے کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فلم يحضر منهم احد غيرى فانطلقنا حتى اذا كنا باعلى مكة خط لى برجله خطا ثم امرنى ان اجلس فيه ثم انطلق حتى قام فافتتح القرآن فغشيه اسودة كثيرة حالت بينى

وبينه حتى ماسمع صوته ثم انطلقوا فطفقوا يقطعون مثل قطع السحاب ذاهبين حتى بقى منهم رهط وفزع رسول اللهﷺ مع الفجر فانطلق فبرز ثم اتانى فقال مافعل الرهط فقلت هم اولئك يا رسول الله (ایضاً ج۲، ص ۲۳۰)

ترجمہ: صحابہ میں سے میرے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ چلا ہم چلے گئے یہاں تک کہ ہم مکہ کی بالائی وادی میں پہنچے آپ نے اپنے پاؤں مبارک سے میرے لیے ایک دائرہ کھینچا پھر مجھے اس کے اندر بیٹھنے کا حکم دیا اور آپ چلتے گئے آپ نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے سرداروں نے آپ کو گھیر لیا اور وہ میرے اور آپ کے مابین حائل ہو گئے ہیں حتی کہ میں حضورﷺ کی آواز بھی سن نہ پاتا تھا پھر وہ بادل کے ٹکڑوں کی طرح ٹوٹتے چلے گئے اور ان میں سے کوئی قبیلہ باقی نہ رہا۔ فجر ہوئی اور حضور گھبرائے ہوئے تھے آپ چلے اور ظاہر ہو گئے پھر آپ میرے پاس آئے اور کہا وہ قبیلے کہاں گئے میں نے کہا یا رسول اللہ وہ ہیں۔

غالباً یہ وہی لوگ تھے جن کے بارے میں حضورﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کہا تھا کہ ان سے ہمکلام نہ ہونا۔

ہم اس وقت جنات کے حالات اور انکی پروازوں پر بحث نہیں کر رہے ہیں یہاں ہم درویشوں کے عمل حصار پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں کلام الٰہی کی تاثیر اور آیات قرآن کے کچھ اسرار کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرتﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد جو خط کھینچا یا اپنے قدم مبارک سے لکیر لگائی یہی وہ حصار ہے جس سے اہل اللہ اپنے ارادتمندوں سے آنے والے شر کو روکتے ہیں اور جنات اور شیطان ان دائروں میں گھس نہیں پاتے۔ امام بخاری نے بھی مناقب انصار کے تحت باب ذکر الجن باندھا ہے۔

(۳۷) رقص:

یہ وجد کی ایک بگڑی ہوئی صورت کا نام ہے درویش جب وجد پر قابو نہیں پاسکتا تو

ایک کیف میں ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسکی قطعاً گنجائش نہیں نہ اسے اصطلاحات تصوف میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ مگر افسوس کہ ترکی کے بعض درویشوں نے اسے زبردستی تصوف میں لا داخل کیا ہے سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس پر فقہاء کا فیصلہ نقل کر دیں۔ درمختار میں ہے:۔

ومن یستحل الرقص قالوا بکفره ولاسیما بالدف یلهو ویزمر

ترجمہ: اور جو شخص رقص کو جائز سمجھے فقہاء نے اسے کفر قرار دیا ہے خصوصاً جبکہ دف اور مزمار کے ساتھ ہو۔

علامہ شامی قالوا بکفرہ کے تحت لکھتے ہیں:

المراد به التمائل والخفض والرفع بحرکات موزونة کما یفعله بعض من ینتسب الی التصوف وقد نقل فی البزازیة عن القرطبی اجماع الائمة علی حرمة هذا الغناء وضرب القضیب والرقص قال ورایت فتوی شیخ الاسلام جلال الملة والدین الکرمانی ان مستحل هذا الرقص کافر وتمامه فی شرح الرهبانیة ونقل فی نور العین عن التمهید انه فاسق لا کافر ثم قال التحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلا ذکره فی عوارف المعارف واحیاء العلوم (ردالمختار ج ۳، ص ۴۲۵)

ترجمہ: اس سے مراد موزوں حرکات سے تھرکنا اور جھکنا اور اٹھنا ہے جیسا کہ بعض لوگ جو تصوف سے انتساب رکھتے ہیں کرتے ہیں فتاویٰ بزازیہ میں علامہ قرطبی کے حوالے سے اس گانے چمٹا بجانے اور اس رقص کی حرمت پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور میں نے شیخ الاسلام حضرت علامہ کرمانی کا یہ فتویٰ بھی دیکھا ہے کہ اس رقص کو جائز قرار دینے والا کافر ہے نور العین میں تمہید سے منقول ہے کہ وہ فاسق ہے کافر نہیں پھر لکھا ہے کہ رقص وسماع کے مسئلہ میں وہ تحقیق جس پر ہر طرح کی نزاع ختم ہو جائے وہ تفصیل چاہتی ہے اسے عوارف المعارف میں اور احیاء

العلوم میں نقل کیا گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے فیوض روحانی اس طرح غالب رہے ہیں کہ یہاں اہل تصوف میں رقص و سرود کی بدعات نہ آ سکیں۔ رہیں ملنگوں کی کاروائیاں تو انہیں بریلیوں نے بھی کبھی اپنے کھاتے میں نہیں رکھا ان خرافات میں وہی لوگ اترے جو تصوف سے کوئی حقیقی نسبت نہ رکھتے تھے برائے نام ایک انتساب کے قائل تھے لیکن افسوس کہ بیسویں صدی میں صوفی ازم پھر سے ایک تحریک جدید کی صورت میں آ رہا ہے جس میں غیر مسلم بھی سر ہلاتے دھڑا دھڑ شامل ہو رہے ہیں یہاں مانچسٹر میں ہمیں کئی ایسے انگریز ملے جنہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر مجالس ذکر میں برابر بیٹھتے رہے اور اللہ اللہ کے اسلامی کلمات سے اپنے زعم میں خدا کو یاد کرتے تھے۔ صوفی ازم کی اس نئی تحریک میں بہت سے مسلمانوں کے بھی کھو جانے کا اندیشہ ہے خصوصا ان لوگوں کا جو جاہل پیروں کے جال میں جکڑے ہوتے ہیں اور سلاسل اربعہ کے بزرگوں کی ہوا تک انہیں نہیں لگی ہوتی، علماء حق کے خلاف ان کا یہ پراپیگنڈہ عام ہے کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتے، گستاخ ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

رقص کو درویشی کی ایک منزل سمجھنا اور اس نشے کی تلاش میں در در بھٹکنا سعید الفطرت انسانوں کی طلب کبھی نہیں رہی۔ یہ الفاظ نہیں کہ انہیں مجاز پر محمول کیا جائے یہ حرکات ہیں جو کبھی کسی دوسرے محمل پر نہیں آتیں۔ سجدہ تعظیمی کی حرمت نے ہر ایسی حرکت کی جڑ نکال دی ہے جس میں نیت پر بحث کی ضرورت ہو۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

> بعض جہلاء صوفیہ نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کے ساتھ گانا سنتے ہیں۔ حدیث سے دونوں طریق کی مذمت ظاہر ہے۔

(التکشف ص: ۳۷۶)

(۳۸) اباحت:

یہ لفظ بمقابلہ شریعت ہے۔ شریعت کا معنی ہے قانونیت۔ اور اباحت کا معنی ہے لاقانونیت۔ اباحت کے قائلین اپنے آپ کو قانون سے بالا سمجھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ ہم سے

شریعت کی پابندی اٹھ چکی ہیں اسلام میں مجذوب کے سوا کوئی نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اعمال کی ریٹائرمنٹ مل چکی ہو اور ظاہر ہے کہ مجذوب سے اسکے ہوش وحواس لیے جا چکے ہوتے ہیں۔

اباحیہ فرقے کے لوگ بقائمی ہوش وحواس پابندی شریعت کا انکار کرتے ہیں وہ ایسا درویشی اور فقیری کے سایہ میں کرتے ہیں۔ اسلامی تصوف میں نظریہ اباحت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اہل تصوف اہل طریقت ہیں اور طریقت شریعت کے مقابلے کی چیز نہیں۔ اباحت اس کے مقابلے کا عنوان ہے۔ محققین کے نزدیک یہ دعوی اباحت کفر ہے۔

اباحیہ کے دلائل:

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ بندہ جب اپنے اعمال میں کمال کو پالے تو اب وہ جو چاہے کرے اسے کھلی چھٹی ہے۔ بدر میں جو لوگ شامل ہوئے انہیں بشارت دے دی گئی:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۶۱۲ صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۰۲)

اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنة

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۵۶۷)

ترجمہ: اب تم جو چاہو کرو میں بیشک تمہیں بخش چکا۔ جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی۔

(۲) حضرت عثمان نے جب غزوہ تبوک کے لیے تین سو اونٹ مال تجارت سے لدے پیش کیے تو آنحضرت ﷺ نے منبر سے اترتے ارشاد فرمایا۔

ماعلی عثمان ماعمل بعد ھذہ ماعلی عثمان ماعمل بعد ھذہ (جامع ترمذی ج ۲، ص ۲۱۱)

ترجمہ: اب عثمان پر کوئی ڈر نہیں جو وہ عمل کرے اس کے بعد، عثمان پر کوئی پکڑ نہیں جو وہ عمل کرے اسکے بعد۔

الجواب:

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اہل بدر کے مکلف ہونے اور عام اباحت نہ

ہونے پر اس طرح استدلال کرتے ہیں۔
یہ حدیث (جس میں کہا گیا ہے اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم) ان پر صریح رد کرتی ہے کیونکہ لفظ غفرت سے جس کے معنی ہیں گناہ کا بخش دیا جانا خود معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز افعال سے ان کو گناہ تو ہوتا ہے مگر غایت کرم سے وعدہ مغفرت کا فرمایا گیا۔ سو جب وہ فعل گناہ ہوا تو جائز کیسے ہو گیا البتہ اگر احللت لکم (میں نے انہیں تمہارے لیے حلال کیا) یا ابحت لکم ہوتا تو بیشک استدلال کی گنجائش تھی اور اگر وعدہ مغفرت پر کسی کو دھوکہ ہو تو اہل بدر پر دوسرے کو قیاس کرنا مع الفارق ہے کیونکہ مقیس علیہ کے بارے میں نص ہے اور مقیس میں نص نہیں۔ فاین ھذا من ذاک۔ فرقہ اباحیہ کا یہ اعتقاد کفر ہے۔
(التکشف ص ۳۵۰)

سو واضح ہوا کہ اسلام میں شریعت کی پابندی ہر ایک کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے جو صوفی اور ملنگ نظریہ اباحت کے قائل ہیں وہ گمراہی اور الحاد میں گھرے ہیں۔

(۳۹) بروز وکمون:

یہ دو اصطلاحیں بیشتر تناسخ کی بحث میں زیر بحث آتی ہیں ہم پہلے بروز پر کچھ گفتگو کریں گے اسکے ضمن میں تناسخ پر بھی بحث ہو جائے گی۔

عربی میں بروز یبرز کے معنی نکلنے اور ظہور کرنے کے ہیں۔ بروز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو طاقت دی ہے کہ وہ دوسرے ابدان میں ظاہر ہو کر ان کے اپنے احساس کو سلا دیں اور خود اس دوسرے بدن سے لوگوں سے ہمکلام ہوں۔ یہ جن کسی دوسرے مردہ جسم میں داخل نہیں ہوتے دوسرے زندہ بدن میں آتے ہیں اور اس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بعض کاملین کی ارواح کو بھی یہ طاقت بخش دیں تو اس میں تعجب نہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک انسان کا دوسرے انسان میں بروز ہوگا۔

جنات کا یا ارواح کا ان دوسرے ابدان میں ظہور یہ ان کا بروز ہے جو اس بدن میں

ظاہر ہوا ہے اب اس بدن سے وہ جن ہی بول رہا ہے نہ کہ وہ شخص اول۔ اس کی روح اس وقت کہاں ہوتی ہے؟ یہ ایک دوسرا موضوع ہے۔

عام انسانی ارواح اور ان کے ابدان کا جو تعلق ہے ان میں ایک جہت تعلق حیات کی بھی ہے اس بدن میں زندگی اس روح کے تعلق سے رہتی ہے لیکن کوئی جن یا کسی کامل کی روح کسی بدن میں بروز کرے تو اس روح اور اس بدن میں علاقہ حیات کا نہیں ہوتا اپنا کمال پہنچانے کا ہوتا ہے تناسخ میں روح کا تعلق اس دوسرے بدن سے حیات کا مانا جاتا ہے اور وہ دائمی ہوتا ہے جب تک کہ وہ بدن مردہ نہ ہو پائے۔

بروز کے مقابل کمون ہے بروز روح کا دوسرے بدن میں اپنے کمالات لے کر آنا ہے اور کمون ان کمالات کا پھر سے اسے اسی پہلے بدن میں سمٹ آنا ہے، یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ وہ پہلا بدن مردہ نہ ہوا ہو بخلاف تناسخ کے کہ یہ تبھی ہوتا ہے کہ پہلا بدن روح سے خالی اور مردہ ہو چکا ہو۔

اس تفصیل سے بروز وکمون اور تناسخ کے کچھ فرق آپ کے سامنے آگئے ہونگے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ بروز میں روح کا تعلق اپنے اصلی وجود سے تعلق رکھے ہوئے ایک نئے بدن سے ہی نہیں ہوتا بیک وقت کئی ابدان سے بھی ہوسکتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک خط میں جو آپ نے حضرت خواجہ محمد تقیؒ کی طرف صادر فرمایا لکھتے ہیں:۔

> جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوکر عجیب وغریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی انکو کیا حاجت ہے۔ اس قسم کی ہیں وہ بعض حکایات جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوجاتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں یہاں بھی انکے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہوکر مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ (مکتوبات دفتر ۲، مکتوب نمبر ۵۸ ص ۱۶۹)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے تناسخ سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے کہ اس کے لیے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور وہ اپنے درجات تک واصل ہو جائیں، جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اسکے وجود میں بروز کرے یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہوگئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز عام ذکر نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلاء و فتنہ میں نہیں ڈالتے۔

> فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں۔ کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اسی کے کہ اس میں بروز کرے اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات کے ساتھ اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تا کہ مرید ناقص نقص سے کمال تک آ جائے۔ (ایضاً ص ۱۷۰)

آپ آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں:

> بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اسکے لیے گویا اسی دنیا میں حشر ثابت ہو گیا یا شاید نقل روح کا قائل قبر کے عذاب و ثواب کا قائل نہیں اور حشر و نشر کا معتقد نہیں۔ افسوس صد افسوس اس قسم کے مکار اور جھوٹے لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۷۱)

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بدن اول اس جہاں سے فارغ ہونے کے بعد برزخ میں

نہیں جاتا، برزخی احوال کسی اور بدن پر وارد ہوتے ہیں اور عذاب قبر کسی طرح اس بدن سے متعلق نہیں ہوتا حضرت امام ربانی کی نگاہ میں وہ عذاب قبر کے قائل نہیں بایں طور وہ ہرگز اہل سنت میں شمار ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے انہیں صریح لفظوں میں گمراہ کہا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب ظلی بروزی نبی ہونے کا دعوی کیا تھا تو اس کی مراد بھی یہ تھی کہ آنحضرت ؐ کی روحانیت مجھ میں نفوذ کرگئی ہے۔ جس طرح جن کسی انسان میں آکر اس کی نہیں اپنی بولی بولتا ہے جب کہتا ہے کہ میں نبی ہوں یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں یہ آواز حضور ؐ کی روحانیت کی ہے اور میں تو انکا صرف بروز ہوں اس دعوے کے باعث قادیانی یہ کہتے سنے گئے کہ:

محمد ہی اتر آئے ہیں ہم میں
اور نہیں پہلے سے بڑھ کر اپنی شان میں

ظل اور بروز کسی پر ہمیشہ کے لیے نہیں رہتا۔ مرزا غلام احمد اپنی موت تک اپنے ان دعاوی پر قائم رہا سو اسے کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ اس کے اندر سے کوئی اور حقیقت بول رہی ہے۔

(۴۰) حلول:

کسی دوسرے کا وجود مستقل طور پر کسی میں اترنا یہ حلول ہے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ خدا اپنے مقبول بندوں (جیسے رام۔ کرشن برھما) میں اترا اور وہ ان میں حلول کرگیا اب یہ اوتار خدائی صفات اور اسکی قدرتوں کے مظہر ہیں اور جب لوگوں کو نفع نقصان دینا انہی کے اختیار میں دیا گیا تو ضرور تھا کہ انسان انہی کے آگے جھکے اور انہی کی عبادت کرے۔

بعض غالی ملنگ منصور بن حلاج کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب خدا اس میں اترا تو اس نے انا الحق کا نعرہ لگایا کہ میں خدا ہوں۔ تو یہ کہنے والا خدا ہی تھا نہ کہ منصور۔

خدا کا کسی پر اترنا، کسی پر اس کی تجلی تو ہوسکتا ہے لیکن یہ حلول نہیں ہوسکتا۔ حلول یہ ہے کہ اس پر اترنے والا اسی میں مل کر رہ جائے اس میں ان دونوں میں اتحاد ہوجاتا ہے اور یہ صورت یہاں نہیں۔

صوفیہ کرام وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے نہیں، اور دونوں میں بنیادی فرق ہے۔

وحدت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر چیز کالعدم ہے، نہ ہونے کی برابر ہے، وجود حقیقی صرف اسی ایک کا ہے، وحدت الوجود میں یہی آواز سنائی دے رہی ہے، یہ تمثیلی پیرایہ ہے۔ حدیث قدسی میں خود ارشاد باری ہے کہ میں اسکی زبان بن جاتا ہوں جس زبان سے وہ بولتا ہے۔ تمثیل کو حقیقت سمجھنا نادان کا کام ہے۔

حلول میں دو وجودوں کا ماننا ضروری ہے ایک وہ جو حل ہو، دوسرا وہ جس میں وہ حل ہو۔ سوان دونوں (وحدت اور حلول) میں جوہری فرق پایا گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

> ڈحلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں وہ حلول کرے) دونوں موجود ہوتے ہیں پھر ان میں ایک نوع کا اتحاد ہوجاتا ہے جبکہ یہ حضرات (صوفیہ کرام) عالم کے وجود کو ذات حق کے وجود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ (بوادر النوادر ص)

سو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں وحدت اعتباری تو پائی جاتی ہے لیکن اُسے اتحاد نہیں سمجھا گیا۔ عقیدہ حلول میں اتحاد ہوتا ہے اور اہل تصوف اسکے ہرگز قائل نہیں ہیں یہ کفر ہے خالق و مخلوق کو ایک سمجھنا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

> تصوف کے الفاظ اور اسکی اصطلاحات میں جب اتنی نزاکت ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے کفر و اسلام کی فاصلے قائم ہوجاتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مسلمان قرآن و حدیث کے سیدھے اور سادہ پیرائے میں ہی چلیں اور تصوف کی ان ہلاکتوں میں نہ پڑیں۔

الجواب:

قرآن کریم میں بھی تو ایسی نزاکتیں کچھ کم نہیں ہیں۔ قرآن میں محکم آیتیں تو بیشک سیدھی اور سادہ ہیں عام فہم ہیں لیکن متشابہات وہ آیتیں ہیں جنکی تفسیر اور کیفیات پر بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح متشابہات الحدیث ہیں جب وہاں تمثیل کے پیرائے میں وہ باتیں کہی گئیں جو ظاہر لفظوں میں کفر ہیں۔ تو کیا وہی پیرایہ ان مقامات تصوف میں اختیار نہیں کیا جاسکتا اور اگر اسکو چھوڑنے میں سلامتی ہے تو کیا پھر عام لوگ متشابہات قرآن اور

متشابہات حدیث کو بھی چھوڑنے کے مطالبہ پر نہ آجائیں گے؟

نہایت افسوس ہے کہ ابھی ایک نادان نے وحدت الوجود کی بحث میں ہندو جوگیوں، عیسائی راہبوں اور مسلمان صوفیوں کو ایک ہی لائن میں لا کھڑا کیا ہے اور پھر مولانا روم کو بھی اسی صف میں کھڑا دکھایا ہے، وہ لکھتا ہے:

> ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندو صوفی، عیسائی صوفی اور مسلمان صوفی کے بیانات کو ذہن میں رکھ کر پھر آگے کا سفر اختیار کیا جائے۔

(مجلّہ الدعوہ لاہور، نومبر ۱۹۹۷ء)

اس نادان کو اتنا بھی علم نہیں کہ صوفی کا لفظ کبھی بھی ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کیلئے نہیں بولا گیا، محدثین نے ان کو احبار و رہبان کہہ کر پکارا ہے۔ محدثین قرآن وسنت کے سایہ میں چلنے والے ان سالکین کو ہمیشہ صوفی کہہ کر ذکر کرتے رہے ہیں۔ غور کیجیے کس طرح صوفی کا لفظ جو محدثین کے ہاں اہل زہد کے لیے کثرت سے استعمال ہوا ہے کس بے دردی سے اسے ہندوؤں اور عیسائیوں کو دے دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اس وقت اس پر بحث نہیں کر رہے ہیں کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) نے قرآن وحدیث کو سمجھنے میں کہاں کہاں ٹھوکریں کھائیں ہیں اور اسلام کے کتنے جلی عنوانوں کا نادانی میں خون کیا ہے۔ ہم نے اس وقت صرف چند اصطلاحات تصوف کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صوفیہ کرام کے ہاں جو اصطلاحات رائج ہیں وہ کبھی اپنے ظاہر پر ہوتی ہیں اور کبھی وہ تفصیل کی محتاج ہوتی ہیں۔ ان اصطلاحات کو سمجھنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ اس سے وہی واقف ہوتے ہیں جنہوں نے اس راہ کو سمجھنے کی کبھی دیانت داری سے کوشش کی ہو وہی ان الفاظ کے معانی کو سمجھ سکتے ہیں۔ کسی لفظ کو سامنے رکھ کر لغات سے اسکے معانی تلاش کرنا اور پھر صوفیہ کرام پر برسنا اہل دانش کا کام نہیں ہے۔ فقہ اور تصوف وہ حقیقتیں ہیں کہ انکا علمی پہلو سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔

محدثین کے اہل تصوف ہونے کی کچھ شہادتیں

۱۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں کئی محدثین کے صوفی ہونے کی تصریح کی ہے۔

ابوبکر محمد بن داؤد نیشاپوری (۳۴۲ھ) کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

نامور حافظ حدیث مشہور زاہد اور حجت ہیں شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ (تذکرہ ۳ ص ۶۱۸)

۲۔ ابوسعید محمد بن علی النقاش اصفہانی حنبلی (۴۱۴ھ) کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

تادم واپسیں اعلاء حدیث میں مصروف رہے اور منصب جلالت پر قائم رہتے ہوئے حدیث روایت کرتے رہے۔ روایت کرتے وقت صداقت اور دیانت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ میں نے ان کی کتاب طبقات الصوفیہ دیکھی ہے (تذکرہ ۳ ص ۷۱۲)

۳۔ حافظ ذہبی بعض جلیل القدر حفاظ حدیث کو اس طرح صوفی کہہ کر ذکر کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ کوئی اجنبی لفظ نہ تھا اہل حدیث (باصطلاح قدیم) اور اہل تصوف میں ان دونوں کوئی نسبت تضاد نہ تھی۔ ذہبی لکھتے ہیں:۔

ابو محمد عبدالعزیز کتانی تمیمی صوفی (۴۶۶ھ)............

(تذکرہ جلد ۳ ص ۷۸۱)

اب اگلی صدی کے ایک اور نامور حافظ حدیث کا بھی لقب شیخ الصوفیہ ملاحظہ فرمائیں:۔

۴۔ شیخ الصوفیہ ابوالفتح محمد بن عبدالرحمن خطیب الکشمیہنی (۵۴۸ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

(یہ صوفی بزرگ) حافظ ابوالخیر محمد بن عمران روزی سے صحیح بخاری کے آخری راوی ہیں "مرو" میں فوت ہوئے۔ (تذکرہ ۴ ص ۸۸۴)

۵۔ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی الشیبانی (۵۰۷ھ)

صفوۃ التصوف کے مصنف ہیں............ (تذکرہ جلد ۴ ص ۸۳۴)

یہ کتاب کا نام خود بتا رہا ہے کہ یہ حضرات محدثین تصوف کو دین کی ایک مستقل لائن سمجھتے تھے اور اس میں سے ہو کر نکھرنا ان کی صفائی باطن کا ایک نشان سمجھا جاتا تھا۔

اب ایک اور نامور حافظ حدیث سے بھی تعارف کریں۔

۶۔ابو یعقوب یوسف بن احمد (۵۸۵ھ)

بغداد کے ایک بلند پایہ حافظ حدیث تھے......شیخ الصوفیہ تھے۔

(تذکرہ جلد ۴ ص ۹۱۶)

صوفیہ کرام میں جو خلافت کا سلسلہ چلتا ہے اور مریدین سلوک کی منزل طے کر خرقہ خلافت لیتے ہیں محدثین ان ناموں سے ہرگز ناواقف نہ تھے۔

۷۔ابو عبداللہ محمد بن ابی الحسین یونینی بعلبکی حنبلی (۶۵۸ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ شیخ عبداللہ بطائحی سے خرقہ تصوف زیب تن فرمایا۔ (تذکرہ جلد ۴ ص ۹۷۷)

دو اور اصطلاحات بھی مطالعہ کیجیے۔

(۴۱) محاسبہ

یہ سالک کا خود اپنے اعمال کا حساب کرنا ہے اس کے لیے اپنے حالات کے مطابق کوئی وقت بھی تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

راہ سلوک کا مسافر ہر روز بعد از نماز عشاء سوتے وقت اپنے دن بھر کے اعمال کا جائزہ لے۔ان میں جو کام اللہ رب العزت کی اطاعت اور عبادت میں کیے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے توفیق دی جو یہ کام اس سے ہو پائے۔اور جو کام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہوئے یا اس سے تعمیل احکام میں کچھ کوتاہی سرزد ہوئی ان پر یہ سالک ندامت کا اظہار کرے۔ پہلے درجہ میں محاسبہ یہی ہے تاہم سالک جوں جوں آگے بڑھے گا اس کا دور محاسبہ وسیع تر ہوتا جائے گا۔یہ نہیں کہ وہ کبھی اس عمل محاسبہ سے فارغ ہو جائے لیکن سالک کو جو ابھی زیر علاج ہے ان رذائل سے نکلنا بھی اشد ضروری ہے سو ان رذائل اخلاق میں بھی وہ اپنا محاسبہ کرے تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید کے صراط مستقیم کی دوسری فصل کی دوسری ہدایت میں دس افادے انہی دس رذائل اخلاق پر ہیں اور گیارھواں افادہ محاسبہ پر ہے، آپ فرماتے ہیں:۔

جب انسان یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور کا ملاحظہ کرتا رہے گا تو امید واثق

ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کا گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر لیجیے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنے آپ کو جانچے مثلاً خانقاہ پر پہنچنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا کسی امیر کو نہایت دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھ کر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں۔

پھر آگے جا کر فرماتے ہیں:۔

اس طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال اپنا اپنا ہے۔

(صراط مستقیم ص ۱۴۰)

حساب کا اصل دن یوم الحساب ہے لیکن اس وقت کی ناکامی کا وہاں کچھ علاج نہ ہو سکے گا یہ دنیا دار العمل ہے اگر لوگ یہیں اپنا حساب شروع کر دیں تو ناکامی کی صورت میں عمل کا گیئر بدلا جاسکتا ہے اس لئے بزرگان طریقت اس پر زور دیتے ہیں کہ پیشتر اس کے کہ حساب کی گھڑی آپہنچے اور پھر تم کچھ نہ کر سکو یہیں اپنا حساب کر لو۔

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

ترجمہ: اپنا حساب کر لو پیشتر اس کے کہ تم حساب کیے جاؤ۔

(۴۲) مراقبہ

جب سالک اپنے آپ کو گرد و پیش کی تمام چیزوں اور لوگوں سے فارغ کر لے ان سے دھیان اٹھا کر کچھ وقت کے لیے گردن جھکا لے تو اس گردن جھکانے کو مراقبہ کہتے ہیں رقبہ عربی زبان میں گردن کو کہتے ہیں اور مراقب نگہبان کو۔ جب سالک اپنے خیال کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر خدا کی طرف لگا دے کہ میں اب اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کئے ہوئے ہوں تو یہ مراقبہ ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں مجدد ماۃ سیزدھم۔ حضرت سید احمد شہید نے تیسرے باب کی پہلی فصل کی دوسری ہدایت میں پہلے افادہ میں مراقبہ وحدانیت اور دوسرے افادہ میں مراقبہ

صمدیت کو بیان کیا ہے۔ پھر چوتھے باب کے چوتھے افادہ، افادہ نمبر۴ میں مراقبہ عظمت اور پانچویں افادے میں مراقبہ الوہیت کو بیان کیا ہے اور آخر میں چھٹے افادے میں انکشاف وجہ اللہ پر بات ختم کردی ہے بات اپنی انتہا کو جا پہنچی۔

پھر آپ نے اشغال چشتیہ میں چار طرح کے ذکر کے بعد پانچویں افادہ میں مراقبہ کی نہایت نفیس تفصیل کی ہے یہ مراقبہ وحدانیت، مراقبہ صمدیت، مراقبہ عظمت اور مراقبہ الوہیت کے علاوہ اللہ کی ذات میں فنا ہوکر اس کو پالینے کا مراقبہ ہے ان مراقبات سے گزرنے والا محسوس کرتا ہے کہ میں سلوک وعرفان کی ان وادیوں میں سیر کررہا ہوں جن کی پہلے کاملین اہل عرفان خبریں دیتے چلے آئے ہیں۔ ہاں سالک کے لیے اس راہ میں سب سے مفید مراقبہ موت ہے اس میں تصورات کے وہ نقشے نہیں جو حضرت سید احمد شہید نے دریائے معرفت میں اتر کر شفاف موتیوں کی طرح سامنے کردیئے ہیں۔

مراقبہ موت حضرت مولانا مسیح اللہ خاںؒ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

نزع کی حالت (کا تصور باندھنا)، قبر میں سوال وجواب (کا تصور کرنا) میدان حشر، حساب وکتاب، حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پل صراط سے گزرنا۔ ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا۔ استغفار یہ ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفراللہ العظیم
الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ

(شریعت وتصوف ص۲۸)

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے مراقبہ موت کو بڑے جاذب پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ وہ کشکول مجذوب میں ص۳۲۰ پر چھپ چکا ہے مراقبہ موت میں اسے بھی اجتماعی طور پر پڑھ لیا جائے تو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا نہایت عمدہ علاج ہے۔

اصطلاحات تصوف جو ہم نے یہاں ایک باب کی صورت میں ہدیہ قارئین کی ہیں یہ سب استقرائی ہیں جو اہل تصوف کے حلقوں میں عام استعمال ہوتی ہیں۔ اس کثرت استعمال نے انہیں اصطلاح بنا دیا ہے۔ راقم الحروف کو انہیں ایک مستقل باب کی صورت میں پیش کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب التکشف

ہے جس کے بارے میں محقق العصر مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ وہ ہستی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے التشرف کی ضخیم جلد میں بالتفصیل اور حقیقۃ الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے۔

(آثار الاحسان جلد ا، ص ۴۴۴)

حضرت تھانویؒ کے ذہن میں یہ داعیہ کیسے اٹھا کہ تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی جائے؟ یہ اس لیے کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد تھے اور مجدد اپنے دعویٰ سے نہیں اپنے کلام سے پہنچانا جاتا ہے کہ حضرت تھانویؒ کی کتاب التکشف سے راقم الحروف کو حوصلہ ہوا کہ اصطلاحات تصوف کو ایک استقرائی پیرائے میں ہدیہ قارئین کرے اور یہ راقم کی سعادت ہے کہ اسے ہر اصطلاح کی بیان التکشف میں مل گیا۔

اس سے اس یقین میں اور اضافہ ہوا کہ آپ واقعی اس صدی کے مجدد ہیں اور تیرھویں اور چودھویں صدی میں تصوف کے خلاف جو مشقیں ہوئیں آپ کی ان تالیفات اور آپ کے مواعظ و اضافات سے ان کا پورے طور پر ازالہ ہو جاتا ہے۔

اہل تصوف نے بہت سی باتیں اپنے تجربات سے کی ہیں اور انہیں دین نہیں جانا کہ ان پر بدعات کا شبہ ہونے لگے جن حضرات نے اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لیے یہ تجربات کیے اور ان میں کسی مقام پر کتاب و سنت کی روشنی مدہم ہوتے نہ پائی انہوں نے انہیں بدعات نہ سمجھا کیونکہ بدعت وہی ہے جس سے کوئی راہ سنت مجروح ہوتی ہو۔

اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہمارے بھائی کی رجال تصوف کی ان اصلاحی خدمات پر نظر کریں جن کی وجہ سے پورا برصغیر پاک و ہند صدیوں ایک قلم و اسلامی بنا اور اب باوجود یکہ اس میں ایک خطہ ایک سامان سلطنت بن چکا ہندوستان پھر بھی ایک مستند سلطنت نہیں بنا۔ نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس کا موجب وہی رجال تصوف جن کو عام الفاظ میں درویشان طریقت کہا جاتا ہے۔

تخلیق انسانی میں سب سے اونچا درجہ رجال کا ہے۔ جن کا فطرف انسانی اب تک انکار نہیں کر سکی۔ قرآن کریم میں جب انسان کو اپنی حقیقت جاننے کا سبق دیا گیا تو اوپر کے

درجے میں مردوں کو ہی رکھا۔ زیادہ اولیاء کرام مردوں میں ہی ہوئے۔ عورتوں میں بہت کم خواتین اپنے مقام ولایت میں معروف ہوئیں۔ قرآن کریم میں ہے:

اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفة ثم سوٰک رجلا (پ۱۵، الکہف ۳۷)

رجل مرد کو کہتے ہیں۔ اس عنوان سے ہم اگلا باب رجال تصوف ہدیہ قارئین کر رہے ہیں اس کے مطالعہ سے بہت سے وہ شبہات کافور ہو جاتے ہیں کہ طریقت شریعت کے بالمقابل کوئی دوسری راہ ہے۔

باب یازدہم

رجال تصوف
پاک و ہند کے ائمہ تصوف

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
خصوصاً علیٰ سید الرسل و خاتم الانبیاء أما بعد!

قرآن کریم میں اہل ولایت کے ایمان افروز تذکرے

یوں تو دنیائے اسلام میں ہر جگہ کئی کئی اولیائے کرام گزرے جنہوں نے اپنے روحانی فیض سے کئی اجڑے ویرانوں کو آباد کیا لیکن ہمارے قریب کے حلقوں میں برصغیر پاک وہند برما و آسام اور افغانستان و ایران میں اہل طریقت کے تذکرے بہت عام رہے ہیں۔ ایران کے اس دور میں جب وہاں سنی اکثریت تھی ہزاروں اللہ والے پیدا ہوئے اور ان کے اثرات ہندوستان تک پہنچتے رہے۔

قرآن کریم صرف شریعت Divine Law کی ہی کتاب نہیں اس میں نفس و روح، سلوک واحسان اور ولایت وطریقت کے بھی بہت سے مسائل بیان ہوئے ہیں۔قرآن کریم سلوک واحسان کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ایسے باخدا درویشوں کا بھی پتہ دیتا ہے جن کی زندگیاں اس دنیا میں ہی اس پیرایہ میں ڈھل گئیں کہ شریعت اور طبیعت ان کے لیے ایک ہوگئیں۔جن لوگوں کے لیے شریعت طبیعت بن جائے تو دیکھا جائے تو وہ طریقت کی راہ ہی سے اس منزل میں کامیاب اترے ہیں۔ہم یہاں چند وہ آیات بھی لکھے دیتے ہیں جن میں اہل ولایت کے ایمان افروز تذکرے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم شریعت کی ہی ایک کتاب نہیں اس کا دوسرا کنارہ طریقت بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔شریعت کے احکام کی تعمیل

کے صلے اور جلوے پورے طور پر تو آخرت میں ملیں گے لیکن اہل طریقت پر بسا اوقات دنیا میں بھی ان کی قلبی واردات کے پردے کھول دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے تذکرے ان کے مقام احسان کی قرآنی شہادتیں ہیں:۔

یہ دنیا غم و خوف میں گھری اپنی بقا کی جدوجہد میں دن رات مصروف ہے اور اس کے گرد کھلے اور چھپے دشمنوں کے اتنے کانٹے بچھے ہوئے ہیں کہ ساکنان زمین کا امن وسکون بالکل کھویا ہوا ملتا ہے۔ مگر جو لوگ ایمان و یقین سے وادی طریقت میں اتر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام خوف اٹھا دیئے اور ان کے دلوں کے لطائف کھول دیئے۔

(۱)... اَلآ انّ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ:۱۱، یونس:۶۲)

ترجمہ: یادرکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کسی چیز کا ڈر ہوتا ہے نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔

یہ حالت صرف چند اونچے درجہ کے اہل طریقت کی ہی نہیں، ایمان والوں کی حالت بھی یہی ہونی چاہئے۔ قرآن پاک میں بہت سے نیک عمل لوگوں کو بھی غم و خوف سے بچے رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ وہ صفات عالیہ ہیں کہ جن کا پانے والا ولایت الٰہیہ کے ثمرات سے نوازا جاتا ہے۔

(۲)... من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر و عمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ:۶، المائدہ:۶۹)

ترجمہ: جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور کیے اس نے نیک کام ان پر آئندہ کا کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ اپنے کسی پہلے گناہ سے غمگین ہوں گے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کے ساتھ اعمال صالحہ پر ہی ولایت کی راہیں کھلتی ہیں، یہ کتاب وسنت کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔

(۳)... فمن اتقی وأصلح فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ:۸، الاعراف:۳۵)

ترجمہ: جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔

(۴)... و ينجى الله الذين اتقوا بمفازتهم لا يمسهم السوء ولا هم يحزنون. (پ:۲۴، الزمر:۶۱)

ترجمہ: اور بچائے گا اللہ ان کو جو ڈرتے رہے ان کے بچاؤ کی جگہ، نہ چھوئے گی انہیں کوئی برائی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۵)... ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون. (پ:۲۶، الاحقاف:۱۳)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر انہوں نے اس پر استقامت دکھائی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کبھی غمگین ہونگے۔

یہ مضمون کہ اس دنیا میں رہنے والے کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہیں جنہیں نہ سابق کا کوئی غم ہے نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، ان پانچ آیات میں ہی نہیں، یہ مضمون بیسیوں آیات میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس دین میں شریعت اور طریقت کے کنارے ساتھ ساتھ چلے ہیں اور شریعت و طریقت کے مابین حقائق و معانی کا ایسا ادراک ہے جسے سلوک و احسان کہتے ہیں۔ یہ ایک انکشاف ہے جس کے لیے خدا نے شریعت کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں رکھی۔ راہ طریقت کے مسافر اسی راہ میں چلتے ہیں اور اسی راہ سے وہ خدا کو دیکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اہل طریقت کے ان درویشوں کے تذکرے بھی مطالعہ کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا بارہا ذکر کیا ہے۔

(۱)... الذين امنوا و لم يلبسوا ايمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون. (پ:۷، الانعام:۸۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے گدلا نہ کیا وہی ہیں جن کو اس دن امن ہوگا اور وہ ہیں راہ پائے ہوئے۔

لهم الأمن وهم مهتدون کی بشارت یہی ہے کہ، لا خوف عليهم ولا هم يحزنون، انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم لاحق ہوگا۔

(۲)... أمّن هو قانت آناء الليل ساجداً و قائماً يحذر الأخرة و يرجو رحمة ربه. (پ:۲۳، الزمر:۹)

ترجمہ: بھلا ایک وہ جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں

سجدے کرتا ہے اور قیام کرتا ہے آخرت کے ڈر سے۔ اور امید رکھے ہوئے ہے اپنے رب کی رحمت کی۔

(۳)... انهم کانوا یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغباً و رهباً و کانوا لنا خاشعین. (پ:۱۷، الانبیاء:۹۰)

ترجمہ: یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور ڈر دونوں میں، اور ہمارے سامنے عاجزی سے جھکنے والے رہے۔

(۴)... تریٰ أعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشّاهدین. (پ:٦، المائدہ:۸۳)

ترجمہ: تو دیکھے گا ان کی آنکھیں بہہ رہی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ وہ حق کو پہچان چکے وہ کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم ایمان لاچکے تو لکھ ہم کو ماننے والوں میں۔

(۵)... وأعینهم تفیض من الدمع حزناً الا یجدوا ما ینفقون (پ:۱۰، التوبہ:۹۲)

ترجمہ: اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہیں اس غم میں کہ وہ اس قدر مال کیوں نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرسکیں۔

(٦)... لا تجد قوماً یؤمنون باللّٰه والیوم الأخر یوادّون من حادّ اللّٰه ورسوله ولو کانوا اٰباء هم أو أبناء هم أو اخوانهم (پ:۲۸، المجادلہ:۲۲)

ترجمہ: تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے گو وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کی اولاد ہوں یا ان کے بھائی۔

(۷)... رجال صدقوا ما عاهدوا اللّٰه علیه فمنهم من قضیٰ نحبه و منهم من ینتظر. (پ:۲۱، الاحزاب:۲۳)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے سچ کر دکھایا عہد جو انہوں نے اللہ سے باندھا تھا، پھر ان میں کوئی تو پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ابھی انتظار

میں ہے کہ کب وہ اسے پورا کر دکھائے۔

(۸)... یحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس الحافا (پ:۳، البقرہ:۲۷۳)

ترجمہ: جاہل انہیں مال دار سمجھتے ہیں ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے، تو پہچانتا ہے انہیں ان کے چہروں سے، نہیں سوال کرتے وہ لوگوں سے ان سے چمٹ کر۔

(۹)... و يؤثرون علىٰ أنفسهم ولو كان بهم خصاصة

(پ:۲۸، الحشر:۹)

ترجمہ: وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی حاجت کیوں نہ ہو۔

(۱۰)... ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه

(پ:۲، البقرہ:۲۰۷)

ترجمہ: اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بیچ دیا اپنی جانوں کو اللہ کی رضا پانے کے لیے۔

یہ قرآن کریم میں اہل ولایت کے تذکرے ہیں۔ یہی نہیں سینکڑوں آیات ان اہل باطن کی اس طرح خبر دے رہی ہیں اور یہ پیغمبروں کے تذکروں میں پیغمبروں پر ایمان لانے والے صاف باطن لوگوں کے تذکرے بھی ہیں۔ ان آیات پر سلسلہ وار نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں توحید و معاد کے بعد سب سے زیادہ آیات احسان و سلوک کے باب میں ہی وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اپنی قدرت کے اعلیٰ نمونے ظاہر کیے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان گذرے واقعات کی خبر دو اور ان کی یاد دلاؤ اور اللہ تعالیٰ نے خود بھی ایسے بے شمار واقعات ذکر کیے ہیں جن سے لوگ رشد و صلاح کی طرف آئیں اور ان کے دل اللہ کے حضور فوراً جھک جائیں۔ ایسے وقائع تاریخ کو قرآن کریم ایام اللہ کہتا ہے اور اس پر زور دیتا ہے کہ ان ایام کی یاد اندھیروں سے نکال کر نور میں لاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

أخرج قومک من الظلمات الى النور و ذكرهم بأيام اللّٰه.

(پ:۱۳، ابراہیم:۵)

ترجمہ: آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال لائیں اور انہیں اللہ کے گذرے دنوں کی یاد دلائیں۔

وہ کون سے دن ہیں وہی؟ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کوئی خاص نمونہ ظاہر فرمایا۔

اسلام میں تذکیر کے تین ہی موضوع ہیں:۔

ا۔تذکیر بآیات اللہ، ۲۔تذکیر باایام اللہ، ۳۔تذکیر بما بعد الموت۔

قرآن کریم میں صرف انبیاء کرام کے روحانی تذکرے ہی نہیں صدیقین، شہدائے کرام اور اولیاء صالحین سب کو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ کہا گیا ہے اور لوگوں کو ان کی پیروی میں چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔

واتبع سبیل من أناب الی (پ:۲۱، لقمان:۱۴)

ترجمہ: اے مخاطب! اس کی پیروی کرو جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔

سورۃ الفاتحہ کی دعا بھی یہی ہے:۔

اھدنا الصراط المستقیم. صراط الذین أنعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا وہ نہ تھے جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ جو راہ گم کر بیٹھے۔

یہ سب راہ سلوک کے پیمانے ہیں، حق میں چلنے اور ڈھلنے والا ہر خوف اور غم سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت خضر، حضرت لقمان، ہابیل اور اصحاب کہف کے تذکرے ہیں، یہ سب اولیاء کرام تھے۔ حضرت خضر کو پیغمبر بھی کہا گیا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت ودّ، حضرت سواع، حضرت یغوث، یعوق اور نسر کا بھی پارہ ۲۹ سورہ نوح آیت ۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ دور قدیم کے صالحین تھے ان کے نام انہوں نے کچھ بتوں کو دے کر انہیں اپنا معبود بنا لیا تھا۔ یہ ان مشرکین کا انہیں معبود بنانا از راہ کفر الحاد تھا۔

قرآن کریم میں اس سے پہلی آیت میں ہے ومکروا مکراً کباراً کہ انہوں نے بہت ہی بڑا مکر کیا کہ اولیاء اللہ کی تعظیم کے مکر سے ان کے نام بتوں پر اتار دیئے اور ان کی پرستش شروع کر دی۔ اہل بدعت مسلمانوں نے بتوں کی بجائے ان کی قبروں کو ان کی یادگار بنالیا ہے اور قبروں پر سجدے عبادت کے نام سے نہ سہی تعظیم کے نام سے کرتے ہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں دنیا میں بت پرستی کی ابتدا قبر پرستی سے ہی ہوئی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ان أصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد

(ردالمختار جلد:ا،ص:...)

ترجمہ: بت پرستی کی بنیاد بزرگوں کی قبروں پر سجدہ کرنے سے ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے احادیث میں بھی کئی دفعہ پہلے گزرے اہل ولایت کا ذکر فرمایا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین کا ذکر کرنا اور ان کی اتباع میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی آرزو کرنا اور اللہ تعالیٰ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتارنا کتاب وسنت کا ایک مستقل موضوع ہے اور ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہل ولایت پہلے ادوار میں بھی بہت ہوئے ہیں۔

یہ حضرات اولیاء کرام ہیں جو امت کے لیے اس دعوت کا موضوع بنے، اس وقت بھی دعوت کا سارا کام حیاۃ الصحابہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ حکایات صحابہ تبلیغی نصاب کا ایک اہم جزو ہے۔ صحابہ کے بعد اولیاء کرام اور ائمہ تصوف کے ایمان افروز تذکرے اس امت میں عام رہے ہیں۔ یہ وہ روشن ضمیر صاحب باطن لوگ تھے کہ جہاں بیٹھ گئے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں انہوں نے اللہ کی محبت اتار دی۔ برصغیر پاک و ہند میں اولیاء کرام کی روحانی محنتوں، دن رات کی عبادتوں اور عملی ریاضتوں سے وہ نظری اور فکری تبدیلیاں وجود میں آئیں کہ انہوں نے برصغیر کے جغرافیہ تک کو بدل دیا ہے۔

علماء کرام اور صوفیہ کرام میں کبھی نسبت تبائن نہیں رہی۔

مذہب کی ظاہری شکل شریعت سے بنتی ہے اور اس پر چلنے والوں کی دل کی آنکھیں طریقت سے کھلتی ہیں، شریعت اسلام کا ڈھانچہ ہے تو طریقت اس کی روح ہے، جب شریعت اور طریقت میں تباین پیدا ہونے لگے تو سمجھ لیجیے کہ ہم دین کی پٹڑی سے نیچے اتر گئے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک مقام پر اس حال کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

جب شریعت اپنی روح یعنی جذبہ خدا شناسی سے محروم ہوجائے تو اس کا وجود وعدم برابر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب طریقت شریعت کے قواعد وضوابط کو بالائے طاق رکھ دے تو وہ ایک تیز رفتار سواری کے مانند ہوجاتی ہے جس کے بریک فیل ہوں۔ اس صورت حال کا نتیجہ ظاہر ہے یہ فکر ونظر سے جاہلیت کا ایک کھلا تصادم ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم فاتحین اسلام کی نشر واشاعت کے لیے نہ آئے تھے، وہ یہاں کی تاریک وادیوں میں صرف ایک اپنے نظر وفکر کا تعارف بھی چاہتے تھے ان کا مقصد یہاں کے لوگوں کو ظالم حکمرانوں کے تشدد سے نکال کر لوگوں کو انسانوں کے بنیادی حقوق کا احساس دلانا تھا اور اس کی اساس انہوں نے انسان دوستی پر رکھی۔ ان کا یہ مقصد کبھی نہ رہا کہ یہاں بزورِ حکومت اسلام لایا جائے۔ ان کے ساتھ آنے والے علماء بھی اس کے لیے نہ بڑھے، یہ چند وہ نفوس تھے جو لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پیدا کردیتے تھے۔ یہی یہاں اسلام کی اشاعت کا نقطۂ آغاز تھا اور برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا پہلا تعارف انہی صوفیہ کرام سے ہوا اور یہاں اسلامی معاشرے کی بنیاد پڑگئی۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں کبھی نسبت تبائن نہیں رہی۔ سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کچھ ان اہل ولایت کا تذکرہ کریں جن کی روحانی قوت ولایت اور کرامات کے تذکرے مختلف علاقوں میں تواتر سے اہل عقیدت کی گفتگو کا موضوع بنے چلے آرہے ہیں۔

اولیاء کرام کے مختلف ادوار کے تاریخی تذکرے

چوتھی صدی کے آخر میں نیشاپور کے شیخ محمد بن حسین سلمی (۴۱۲ھ) نے طبقات الصوفیہ لکھی۔ جس طرح فقہاء نے طبقات الحنفیہ، طبقات الشافعیہ وغیرہ لکھیں تصوف پر یہ پہلی دستاویز یک جا ملی ہے۔

پھر شیخ فریدالدین العطار (۶۲۰ھ) نے تذکرۃ الاولیاء لکھی۔ اس میں ستانوے ۹۷ صوفیہ کرام کا تذکرہ ہے۔ بہت عمدہ مجموعہ ہے، خصوصاً اس پہلو سے کہ شیخ عطار خود ایک بڑے صاحب مقام بزرگ تھے۔ پھر حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۷ھ) نے نفحات الانس لکھی، اس میں چھ سو چودہ ۶۱۴ صوفیہ کرام کا تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) نے اخبار الاخیار لکھی۔ آپ نے اس کا آغاز سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کیا ہے۔ اس موضوع پر خواجہ امیر خوسرو نے جو حضرت شاہ نظام الدین

اولیاء (۷۳۵ھ) کے مرید تھے سیر الاولیاء لکھی۔

حضرت شیخ عبدالحق نے زاد المتقین بھی تالیف فرمائی۔ شیخ جمالی (۹۳۵ھ) نے سیر العارفین کا آغاز سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت شیخ معین الدین اجمیری سے کیا ہے اور پھر عارفین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔

انوار العارفین مولانا محمد حسین مراد آبادی (مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۸۷۶ء) اور انوار العاشقین حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ) بھی انہی اہل ولایت کے تذکرے ہیں۔

عہد حاضر میں ان اہل ولایت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور کئی اہل علم حضرات نے بھی اس موضوع پر تاریخی تذکرے لکھے ہیں:۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے ۱۹۹۵ء میں چار سو صفحات میں بیس اولیاء کرام کی البم بزم اولیاء ترتیب دی، اسے ادارہ ادبستان نے تذکرہ اولیائے کرام کے نام سے شائع کیا ہے۔ سید صاحب حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور آپ کے والد دار المصنفین کے بھی ممبر رہے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث مولانا مفتی ولی حسنؒ نے بھی تذکرہ اولیاء پاک و ہند میں انہی بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔

اہل طریقت کے تذکرہ نگار مورخین کی طرز پر چلے۔

بعض نادان لوگ تاریخی تذکروں میں بھی محدثین کی سی احتیاط چاہتے ہیں، یہ درست نہیں اور یہ خود محدثین کے اپنے اصول روایت کے بھی خلاف ہے۔ روایت حدیث سے شریعت قائم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں حلال و حرام کے فاصلے ہوں گے وہاں پوری احتیاط کی ضرورت ہوگی اور جہاں صرف تاریخی واقعات قلمبند کیے جائیں وہاں معیار تاریخ کا ہوتا ہے محدثین کا سا نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) جو امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے استاد ہیں، خود فرماتے ہیں کہ ہم جب حلال و حرام کے مسائل روایت کریں تو نقد روایت میں (روایت پرکھنے میں) سختی سے کام لیتے ہیں اور جہاں ہم اعمال کی فضیلت بیان کریں تو قبول روایت میں ہم نرمی برتتے ہیں۔ اسی طرح عقائد کے اثبات میں بھی ہمیں قرآن یا حدیث

متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر عقائد کی بھی دو قسمیں ہیں، عقائد قطعیہ میں بے شک معیار یہی ہے لیکن عقاید ظنیہ صرف احادیث سے بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ فضائل رجال اور فضائل اعمال میں معیار اور ہے۔ اولیاء کرام کے تذکروں میں بعض اوقات اتنی بات بھی کافی ہوتی ہے کہ بیان کرنے والا ان اہل علم میں سے ہے جن کے علم و تقویٰ پر دوسرے اہل علم عموی اعتماد رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کی کرامات میں کوئی ایسے وقائع نہ ہوں جو اپنی نوع میں انبیاء کے معجزات صحابہ کرامؓ کی کرامات اور دیگر اہل ولایت کے خرق عادت امور میں نوعاً موجود نہ ہوں، جو کرامت اصول شرع میں سے کسی سے نہ ٹکرائے اسے قبول کرنے میں ہمارا کسی سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ سلوک و عرفان کی وادیوں میں چلنے کا شوق رکھنے والوں کے لیے ہم یہاں برصغیر پاک و ہند کے کچھ ایسے ائمہ ولایت کا ذکر بھی کئے دیتے ہیں جو اپنے وقت میں مرجع خلائق تھے اور آج بھی ان کے مزارات مراکز فیض و روحانیت ہیں۔

ائمہ تصوف از برصغیر پاک و ہند

برصغیر پاک و ہند میں جن اولیاء کرام نے زیادہ شہرت پائی اور ان کے مزارات مختلف شہروں میں خواص و عوام کا مرجع زیارت بنے ہوئے ہیں ہم یہاں زیادہ تر انہیں کا تذکرہ کریں گے۔ ان حضرات میں سر فہرست حضرت علی ہجویریؒ ہیں۔ آپ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب اولیاء اللہ میں ابھی چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی کی نسبتیں قائم نہ ہوئی تھیں۔ ان دنوں اہل ولایت حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰)، حضرت بایزید بسطامیؒ (۲۶۱ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۲۴۵ھ) اور ابو الحسن الخرقانی (۴۴۴ھ) اور اس سے پہلے دور کے افراد عالیہ کے ناموں سے پہچانے جاتے تھے کہ کون کس کے طریقے کے مطابق چلا آتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ، حضرت جنید کے طریق پر تھے اور وہی یہاں ہمارا نقطۂ آغاز ہیں۔

قطب ولایت حضرت علی ہجویری (۴۶۵ھ)

آپ حضرت امام حسنؓ کے بیٹے زید شہید کی اولاد میں سے ہیں۔ افغانستان کے صوبہ غزنہ کے رہنے والے تھے، ہجویر اس کے ایک گاؤں کا نام تھا، جلابہ بھی وہیں ایک دوسرا

گاؤں ہے۔آپ ان دونوں جگہوں میں رہے اور پھر لاہور چلے آئے، سو آپ غزنوی، ہجویری، جلابی اور لاہوری چار نسبتوں سے معروف ہوئے۔

آپ سے پہلے شیخ حسین زنجانی جو آپ ہی کے شیخ کے خلیفہ تھے لاہور آ چکے تھے۔ جس دن وہ فوت ہوئے اسی دن قطب البلاد لاہور میں اس قطب ولایت کی آمد ہوئی۔آپ صرف ایک دفعہ اپنے شیخ کے پاس واپس گئے اور پھر یہاں ایسے آئے کہ یہیں کے ہو رہے۔ جہاں یہ سطور لکھی جا رہی ہیں (سنت نگر لاہور میں) اس کے قریب ہی حضرت کا مزار پر انوار ہے جو مرجع خواص و عوام ہے۔آپ کے اساتذہ علم میں شیخ ابوالعباس بن محمد الاشقانی، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری، شیخ ابوالقاسم بن علی گورمانی اور خواجہ ابواحمد المظفر ابوسعید فضل اللہ زیادہ معروف ہیں۔آپ کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی تھے جو بلند پایہ عالم دین بھی تھے اور حضرت جنید کے طریقہ پر صاحب ولایت بزرگ تھے۔

آپ نے شام، عراق، فارس اور ترکستان میں سیاحت کی، ان ممالک میں وہاں کے علماء کرام فقراء اور درویشوں سے ملتے رہے۔

آپ کی روحانی منزلت کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ شاہان طریقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (۶۳۲ھ) اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ (۶۶۴ھ) نے ان کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ سے عظیم روحانی فیض پایا۔کاملین کے روحانی کمالات ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور ان کی برکات سے ان کے زائرین کو بھی حصہ ملتا ہے۔

اسی روحانی نسبت سے عوام آپ کو داتا گنج بخش کہتے ہیں جو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اسے یاد آخرت کی دولت مل جاتی ہے۔زائرین آج بھی ان کے مزار پر اپنے میں ایک عجیب سکون اور برکت محسوس کرتے ہیں۔حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۲ مئی ۱۹۳۸ء کو آپ کے مزار پر گئے اور توجہ فرمائی بعد از فراغت فرمایا:-

> بہت بڑے شخص ہیں، عجیب رعب ہے بعد وفات بھی سلطنت کر رہے ہیں۔(سفرنامہ لاہور)

سلطنت سے مراد یہ ہے کہ آپ کا روحانی فیض صرف آپ کے روضہ پر نہیں دور دور تک پھیلا ہے۔یہ عجب روحانی سلطنت ہے جو اللہ والوں کو عالم برزخ میں ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیوی رزق کے خزانے اور مادی حاجات کی برآوری دنیوی اسباب

اور محنتوں سے وابستہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہی سے نظام عالم کو وابستہ کیا ہے۔ رزق اور اولاد دنیوی دولت ہیں اور والدین کے لیے فتنہ بھی۔ سو اللہ نے ان کی تقسیم محض اپنے ہاتھوں میں رکھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

أهم يقسمون رحمة ربک نحن قسمنا بينهم معيشتهم فی الحيوة الدنيا (پ: ۲۵، الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کر رہے ہیں؟ ہم نے ان میں اس دنیوی زندگی میں ان کی روزی بانٹ رکھی ہے۔

رزق اور اولاد ان دنیوی اسباب سے آگے بڑھ کر صرف خدا سے ہی مانگے جا سکتے ہیں، کسی بزرگ سے صرف دعا کی گزارش کی جا سکتی ہے وہ بھی صرف دعا کر سکتے ہیں.... دے نہیں سکتے، زندگی کی ان ضرورتوں میں داتا صرف ایک خدا ہی ہے۔ گولڑہ کے پیر صاحب اللہ تعالیٰ کے حضور برابر یہی اقرار کرتے رہے ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کے عقیدے کا اب بھی سنگِ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

کس سے مانگیں کہاں جائیں کس سے کہیں
تیرے بندوں کا تیرے سوا کون ہے
سب کا داتا ہے تو سب کو دیتا ہے تو
تو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے

صوفیہ کرام میں آپ کو حضرت علی ہجویریؒ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ گنج بخش فیض عالم بھی کہہ دیتے ہیں لیکن داتا کے لفظ میں عوام کی اتنی فکری رسائی نہیں کہ وہ اپنے عقیدہ توحید کا تحفظ کر سکیں۔ سو ایسے الفاظ سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کیا جائے۔ کسی کامل کی زبان سے سنیں تو اسے روحانی فیض کا ملنا سمجھیں، جس کا پہلا اثر یہ ہے کہ ان کی زیارت سے فکر آخرت پیدا ہو، انہیں اسی معنی میں گنج بخش کہا گیا ہے جس طرح پاک پتن کے بزرگ بابا فریدالدین کو گنج شکرؒ کہا گیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی راہ تربیت

آپ کی تعلیمات آپ کی کتاب کشف المحجوب میں نہایت واضح طور پر دی گئی ہیں۔ آپ نے اس میں سالک کے دل سے نو پردے بڑی حکمت سے اٹھائے ہیں۔ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ طریقت شریعت سے متصادم کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ ہم نے اس کتاب میں جابجا ان کے ارشادات سے استفادہ کیا ہے۔ کشف المحجوب کے سوا آپ کی اور بھی چند تالیفات ہیں۔

کشف المحجوب میں تربیت سالک کی عجیب تاثیر پائی جاتی ہے۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اگر کسی طالب کو مرشد کامل کی رسائی نہ ملے تو وہ کشف المحجوب کے مطالعہ سے ہی وادی سلوک میں کچھ حاصل کر لے گا بشرطیکہ اس کے مطالعہ کی اس میں استعداد موجود ہو۔

ملا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ) کشف المحجوب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> کشف المحجوب فن تصوف کی معتبر کتابوں میں سے ہے، حضرت علی ہجویریؒ نے تصوف کے تمام لطائف اور حقائق کو اس میں جمع کر دیا ہے۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جابجا کشف المحجوب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ دارالشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

> یہ کتاب ایک مرشد کامل ہے اور فارسی میں کوئی کتاب تصوف پر اس سے بہتر نہیں ملتی۔

حضرت علی ہجویریؒ کی روحانی تعلیمات

(۱)... طریقت شریعت کے خلاف کوئی اور راہ نہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

> ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ اور گمراہی ہے۔ علم باطن کو حقیقت کہا جاتا ہے اور علم ظاہر کو شریعت کہتے ہیں اور ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

(شرح) یہ اسی طرح ہے جیسے اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں اور ایمان بغیر اسلام کے کافی نہیں۔ جب یہ دونوں ایک جگہ مذکور ہوں تو بے شک ان میں کچھ فرق ہے لیکن جب یہ الفاظ اکیلے اکیلے کہیں آئیں تو ان میں فرق نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ جسے ہم مسلمان کہیں اسے مومن بھی تسلیم کیا جائے گا اور جو مومن نہیں اسے ہم مسلمان بھی نہ کہیں گے۔

(۲)...فقر کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

ایک فقیر کا کمال یہ ہے اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے برابر نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

غنٰی کے بارے میں فرمایا کہ غنٰی فقر سے افضل ہے کیونکہ غنٰی خدا کی صفت ہے اور فقر کی نسبت اس کی جانب (گو وہ کسی تاویل سے ہو) جائز نہیں۔

تصوف کے متعلق فرمایا کہ اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ صوفی جو اپنی ذات کو فنا جان کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوام اور بقا حاصل کرتا ہے۔

۲۔ متصوف جو ظاہر میں صوفیہ کے اطوار رکھتا ہے مگر اندر سے وہ اس راہ کا سالک نہیں۔

۳۔ مستصوف جو صوفیہ کی راہ پر مجاہدہ اور ریاضت سے گامزن ہے مگر ابھی صوفی نہیں بنا۔

آپ حضرت حسن نوریؒ سے تصوف کی تعریف اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

تصوف تمام حظوظ انسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا اور نفسانی آفتوں سے آزاد ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو۔

آپ حضرت حصریؒ سے تصوف کی تعریف یہ نقل کرتے ہیں:۔

تصوف دل اور بھید کی صفائی ہے اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔
فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے۔ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی سو دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔

(۳)...حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں مقام معرفت

آپ کے نزدیک معرفت صرف خدا کی پہچان کا نام نہیں، اتنی معرفت تو اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے جو اپنے آپ کو پہچان لے اور خالق اور مخلوق کے فرق سے اپنے خالق کو جان لے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه میں اسی معرفت کا بیان ہے۔ آپ کے نزدیک معرفت پسندیدہ وہ ہے جس میں طاقت ہو، وہ طاقت بھی اس درجہ کی ہو کہ خدا سے اس کا شوق

محبت جاگ اٹھے اس شوق و محبت کی علامت محبوب کی اطاعت اور اس کی طرف بڑھنے کا عمل ہے۔ سالک کی اللہ سے محبت جتنی بڑھتی جائے گی وہ اتنا فرمان الٰہی کی تعظیم اور شوق عمل میں بڑھتا جائے گا۔

(۴)... حضرت علی ہجویریؒ کے مقامات تصوف

حضرت علی ہجویریؒ حضرت جنید بغدادی کے طریقے پر تصوف کی آٹھ بنیادیں بتلاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا خصوصی تعلق ایک پیغمبر سے رہتا ہے۔ (۱) سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، (۲) رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہو، (۳) صبر حضرت ایوب کا ہو، (۴) اشارات حضرت زکریا کے ہوں، (۵) غربت حضرت یحیٰی کی ہو، (۶) سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، (۷) لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو اور (۸) فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

آپ نے اس راہ کے مسافروں کے لیے اور بھی کئی روشن سبق ترتیب فرمائے ہیں مگر اس مختصر میں ہم انہی آٹھ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۵)... حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں علم شریعت

آپ کے نزدیک علم شریعت کے تین ارکان ہیں:۔

۱۔ کتاب، ۲۔ سنت، ۳۔ اجماع

اور علم باطن کے بھی تین ارکان ہیں:۔

۱۔ اللہ کی ذات کا علم، ۲۔ اس کی صفات کا علم، ۳۔ اس کے کاموں کا علم۔

کوئی جس پر بھی عمل کی رغبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے کسب پر اس فعل کی تخلیق فرما دیتا ہے۔

(۶)... حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں ایمان کے بعد سب سے بڑا عمل

آپ کے ہاں ایمان کے بعد سب سے بڑا عمل طہارت ہے اور وہ بھی دونوں قسم کی، وہ طہارت ظاہر اور طہارت باطن ہے۔ جس طرح طہارت ظاہر یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے صاف رہے، طہارت باطن یہ ہے کہ اعمال قلبیہ میں وہ ریا (دکھاوے کا عمل) حسد اور بغض اور ناشکری سے پاک رہے۔ یہ طہارت باطنی ہے۔

آپ کے حالات میں آپ کے نکاح اور اولاد کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ افسوس یہ ہے کہ تاریخ آپ کے خلفاء کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کی بجائے آپ کا عام فیض زیادہ رہا ہے اور یہی خزانہ تھا جو آپ کے دربار میں لٹتا رہا نہ کہ آپ لوگوں کی مادی حاجات کے پورا کرنے میں لگے رہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

بحر طریقت کے چار چشمے...... تصوف کے سلاسل اربعہ

چشتی سلسلے کا آغاز ہی ہندوستان سے ہوا۔ قادری اور سہروردی سلسلے یہاں برصغیر پاک و ہند میں بغداد سے آئے۔ نقشبندی حضرات افغانستان کی راہ سے وارد دیار ہند ہوئے۔ دوسرے ہزار سال میں ان کی مرکزیت ہند میں تھی۔ ہم یہاں پہلے چشتی سلسلے کا تعارف کرائے دیتے ہیں۔

ہندوستان کے چشتی سلسلے کا منبع فیض...... حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (۶۰۷ھ)

برصغیر پاک و ہند میں آپ کا نام نامی اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے شیخ ہیں اور یہاں کے بیش تر اولیاء اللہ کے سرخیل ہیں۔ آپ نے خواجہ معین الدین کے متعلق خود بھی فرمایا:۔

معین الدینؒ خدا کے محبوب بندے ہیں اور مجھے ان پر فخر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اپنے اس قابل فخر خلیفہ کو اپنے سے آگے کے ایک مقام پر دیکھا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ پھر عراق چلے گئے اور وہاں قصبہ ہارون میں اقامت فرمائی۔ آپ کے شیخ طریقت خواجہ حاجی شریف زندانی تھے، آپ نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو جب خرقہ درویشی پہنایا تو یہ نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت خواجہ ہارونی کے شیخ کی روحانی تلقین

ان چار باتوں پر سختی سے عمل کرو

۱۔ دنیا کے لوازمات سے گریز اور پرہیز

۲۔ترک حرص وطمع

۳۔خواہشات نفسانی سے گریز

۴۔شب بیداری اور ذکر اللہ

اور پھر یہ بھی ایک اضافہ فرمایا:۔

۵۔خلق خدا سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرو۔

صوفیہ کرام میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو ملٰئکۃ کی صف کے لوگ تھے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے۔

۱۔نازعات، ۲۔ناشطات، ۳۔سابحات،

۴۔سابقات، ۵۔مدبرات۔

اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بھی بعض کو مدبرات کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں۔اس صف کے صوفیہ کرام اللہ کی ذات میں اس قدر فنا ہوتے ہیں کہ نکاح کا تصور تک ان کے ذہن میں نہیں گزرتا۔خلافت کبریٰ بے شک ان کے سپرد نہیں کی جاتی لیکن کرامات ان پر اس طرح اتاری جاتی ہیں کہ لوگ انہیں فرشتے ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ان میں اللہ کی محبت کی گرمی اس قدر تیز ہوتی ہے کہ کبھی ایک نظر میں ظلمات میں گھرے انسانوں کو کندن بنا دیتے ہیں۔آپ کی نظر کیمیا اثر تھی جس پر پڑتی وہ سلوک وتصوف میں نہایت اونچی پرواز میں اڑتا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں دنیا سے مراد خدا سے غفلت میں رہنا ہے۔ترک دنیا میں سنت کے مطابق گھر بار کی نفی مراد نہیں ہوتی، یہ اس دنیا کا ترک ہے جسے یہ حضرات دنیا کہتے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نیست نقرہ و فرزند و زن

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی کرامات

طیی الارض کی کرامت یہ ہے کہ آنکھ جھپکنے میں زمین کا ایک فاصلہ طے ہو جائے ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین آپ کے ہم سفر تھے۔دجلہ کو عبور کرنا تھا مگر کشتی نہ مل سکی۔ آپ نے خواجہ صاحب سے کہا ذرا آنکھیں بند کرو۔انہوں نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو دجلہ کے اس پار پایا۔یہ آپ کا سورہ فاتحہ پانچ دفعہ پڑھنے کا ایک عمل تھا۔یہ اسی طرح ہے جیسے کہ

ایک شخص ملکہ بلقیس کا تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آیا تھا۔قرآن حکیم میں ہے:۔

وقال الذی عندہ علم من الکتاب أنا اٰتیک بہ قبل أن یرتد الیک طرفک (پ:۱۹،النمل:۴۰)

ترجمہ: اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا میں (تخت) آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ آنکھ جھپکیں۔

معلوم ہوا طی الارض کی کرامت بے اصل نہیں، قرآن کریم میں ایسی منزلوں کا پل بھر میں تہ ہونا ملتا ہے۔حضورﷺ نے بھی معراج کی رات طویل مسافتیں لمحوں میں طے کیں۔آپ کی کرامات میں تذکرہ نگاروں نے ایک چالیس سالہ گمشدہ لڑکے کی بازیابی بھی ذکر کی ہے۔والدہ نے اپنے لڑکے کی اس طویل گمشدگی کا ذکر کیا آپ نے مراقبہ فرمایا اور حاضرین سے سورہ فاتحہ پڑھنے کو کہا، آپ مجیب الدعوات تھے، اسی دن وہ چالیس سالہ لڑکا اپنے گھر آگیا۔آپ کی اور کئی کرامات بھی مشہور ہیں۔کرامت فضل خداوندی سے ظہور کرتی ہے لیکن اس میں عزت اس بزرگ کی ہوتی ہے جس نے اللہ رب العزت کے ہاں اپنی بات کہہ دی۔

آیئے اب اس عظیم سلسلے کا کچھ ذکر کریں جو آپ کے دم قدم سے برصغیر پاک و ہند میں پھیلا۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی سلسلے کے سرخیل ٹھہرے۔

ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے ائمہ تصوف

خواجگان چشت کا چشمہ ولایت

(۱) حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ (۶۳۴ھ)

آپ امام علی رضا (۲۰۳ھ) کی اولاد میں سے ہیں۔امام ابو القاسم علی بن موسیٰ رضا ائمہ اہل بیت میں آٹھویں امام ہیں۔حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے والد کا نام غیاث الدین تھا۔تاریخ فرشتہ میں ہے آپ کستان میں پیدا ہوئے لیکن اکبر نامہ میں ہے کہ آپ سیستان میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے آپ کو سجزی کہا جاتا ہے۔آپ کو سنجری کہنا غلط ہے۔

آپ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو خود عنایت ایزدی نے اپنی طرف بلایا۔ آپ اپنے باغ میں تھے کہ ایک مجذوب ابراہیم قلندر وہاں آنکلے، آپ نے ان کی خدمت میں انگور پیش کیے انہوں نے کھجور کا ایک ٹکڑا چبا کر ان کے منہ میں دیا اس سے آپ کے دل میں انوار الٰہی اترے اور آپ اسی وقت اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے سمرقند پہنچے، وہاں قرآن کریم حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل کی۔ وہاں سے آپ نکلے تو عراق پہنچے عراق کے قصبہ ہارون میں ٹھہرے اور وہاں حضرت عثمان ہارونی کی بیعت کی اور تقریباً بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ (سیر الاولیاء)

دیگر اکابر طریقت جن کی آپ نے مجلس پائی

۱۔ خواجہ نجم الدین کبری آپ ان کی خدمت میں اڑھائی سال رہے۔

۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی خدمت میں بھی آپ نے حاضری دی۔

۳۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) آپ نے ان کی صحبت بھی پائی۔

۴۔ خواجہ اوحد الدین کرمانی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی نے بھی آپ کو خلافت دی۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت سے حضرت شیخ معین الدین اجمیری کی ذات گرامی مجمع انوار الٰہی بن گئی تھی۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی اور ہر جگہ مختلف اہل علم اور اہل ولایت حضرات سے ملتے رہے۔ شیخ صدرالدین سیوستانی سے بھی ملے اور ان سے گزارش کی دعا کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لے جاؤں۔ استر آباد میں شیخ ناصر الدین استر آبادی سے بھی فیض پایا۔ شیخ حضرت بایزید بسطامی کی اولاد میں سے تھے اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

آپ کی آخرت کی فکر کا ایک رقت آمیز منظر

آپ قبر اور موت کی تکالیف کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپنے لگتے اور اس طرح روتے جیسے کسی چشمے سے پانی جاری ہو۔ آپ کے یہ ارشادات یاد رکھنے کے لائق ہیں:۔

۱۔ اے عزیز! جس کو موت آنے والی ہو اور اس کا حریف فرشتۂ موت ہو اس کو سونے، پہننے اور خوش ہونے سے کیا کام!۔

۲۔ اے عزیز! اگر تجھے ان لوگوں کا حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھڑی میں ہیں جس

میں بچھو بھرے ہوں اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح پگھل جاؤ گے جیسے نمک پانی میں۔

۳۔ اے عزیز! دنیا میں بندہ کو اس قدر مشغول نہ ہونا چاہئے کہ حق سے غافل ہو جائے۔

اور فرمایا:۔

میں ایک دن ایک بزرگ کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا تھا ایک مردہ کو عذاب ہو رہا تھا، اس بزرگ کو جب اس کی حالت معلوم ہوئی تو زور سے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی روح پرواز کر گئی۔ اس دن سے مجھ پر قبر کی ہیبت طاری ہے۔

۴۔ کرمان میں آپ نے ایک بزرگ کو یہ کہتے سنا، اے درویش ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان گیا ہم دونوں ایک قبر کے پاس ٹھہرے رہے، میرے اس ساتھی (شیخ اوحد کرمانی) سے ایک حرکت سرزد ہوئی اور مجھے ہنسی آ گئی اچانک میرے کان میں آواز آئی، ملک الموت جس کے پیچھے لگا ہوا ہو اور زیر خاک سانپوں اور بچھوؤں کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا تعلق؟

سلوک کی منزلیں طے کر کے وطن واپسی

آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے اور پھر چند ماہ بعد سفر حج پر گئے، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور روضہ منورہ کے پاس کئی دن تک مراقبہ میں رہے۔ ایک دن آپ نے روضہ رسول سے یہ آواز سنی۔

اے معین الدین! تو ہمارے دین کا معین و مددگار ہے، ولایت ہند ہم نے تجھے عطا کی ہے وہاں جا کر اجمیر میں ڈیرہ لگا وہاں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ترے وہاں کے قیام سے بے دینی دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ پھر آپ نے خواب میں ہندوستان کی مشرق سے مغرب تک سیر کی اور آپ نے اس میں اجمیر کو بھی دیکھا جہاں پہنچنے کا آپ کو حکم ملا تھا۔

حضرت خواجہ کی ہندوستان میں آمد

حضرت خواجہ کو حضورؐ کی طرف سے جو ہندوستان آنے کا اشارہ ہوا تو اس کے لیے ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالت کو جاننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر ہم حضرت خواجہ کے اصلاحی کاموں کو جان نہیں سکتے۔ آپ ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ آپ سے روحانیت کا جو سلسلہ چلا اس کی صدائے بازگشت برصغیر پاک و ہند کی ہر ولایت اور ہر گوشے میں کسی نہ کسی

درجے میں اب تک موجود ہے۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی کیا خدمات سرانجام دیں اس کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ شاہانِ تصوف نے شاہان سلطنت کی عظمت کو مات کر دیا تھا۔

۱۔ چھوت چھات کی تمیز نے انسانی زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے لیے خاص کر رکھی تھیں اور ہندوستاں کی کثیر آبادی جانوروں کی سی زندگی میں دھکیل دی گئی تھی۔ پنڈتوں کے چراغ جلتے تھے اور کسی اچھوت کے کان میں ویدوں کا کوئی کلمہ پڑ جائے تو اس کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ زندگی عام انسان کے لیے ایک بوجھ ہو چکی تھی۔

۲۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے مسلم فاتحین ہندوستان آ چکے تھے لیکن وہ ابھی تک یہاں اسلام کی دعوت نہ دے پائے تھے۔ مسلمانوں کا محض ایک سیاسی تعارف تھا اور ہندوؤں میں ابھی کہیں اسلام کی روشنی نہ اتری تھی۔ ہندو جوگیوں نے اپنے شعبدوں اور عملیات سے خلق خدا کو بڑے بڑے مغالطے دے رکھے تھے۔ انسان دوستی کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔

۳۔ ہندو بڑا خدا تو ایک ایشور کو ہی مانتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ ایشور بتوں اور پتھروں میں اتر کر ملتا ہے اور خدا کے یہ اوتار عطائی طور پر خدائی قوتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ دنیا کے سارے دائرے اب ان دیوتاؤں کے سپرد ہیں اور اب وہی ہیں جن کے ہاتھ میں نظام کائنات کی باگ ڈور ہے۔

ان دنوں اجمیر راجپوتوں کا ایک مضبوط مرکز تھا اور یہ ہندوؤں کا گڑھ تھا۔ یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ کے بہت پختہ تھے۔ علم کی کوئی روشنی ان کے ہاں کام نہ کر سکتی تھی۔ ان کی اصلاح کی ایک ہی راہ تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے خدا کی محبت کی گرمی ان کے دلوں میں اتار دی جائے۔

ان حالات میں ہندوستان میں ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو درویشوں کے لباس میں یہاں اترے، ذکر الٰہی کی ایسی ضربیں لگائے کہ خدا کی محبت کی گرمی اس طرح اولاد آدم کے کانوں میں اترے کہ وہ عہد الست کی یاد تازہ کر پائیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اجمیر کے حالات ذکر کیے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین نے اسی اجمیر میں ڈیرہ لگایا اور تصوف کی راہ سے لاکھوں ہندو گرویدہ اسلام بنا دیئے۔ ان دنوں اجمیر اور دہلی میں راجہ پتھورا کی حکومت تھی۔ آپ کے ہندو جوگیوں سے بھی مقابلے ہوئے۔ مگر حق ہمیشہ غالب رہا۔ راجہ پتھورا کے متعدد ملازمین بھی صف اسلام میں داخل ہوئے اور مشہور جوگی

جے پال بھی آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور وہ طریقت میں آپ کی خلافت سے سرفراز ہوا۔

ہم آپ کے اس تاریخی تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس معرکہ خیر وشر میں ان حلقہائے تصوف میں اگر کوئی ایسی بات ملے جو ظاہر فقہ سے ٹکرائے تو اسے ایک وقتی علاج پر محمول کیا جائے، عقیدۃً یہ حضرات ہرگز ظاہر شریعت کے خلاف کچھ نہ کرتے تھے۔ مناسب ہو گا کہ ہم یہاں کچھ وہ پس منظر بھی ذکر کردیں کہ حضرت خواجہ اپنے آپ کو کس طرح تیار کر کے ولایت اجمیر میں اترے تھے۔ آپ نے کچھ وقت ملتان میں بھی لگایا تھا۔

حضرت خواجہ اجمیری ہندوستان کے مختلف بلاد میں

آپ نے ہندوستان میں پہلے لاہور قیام کیا اور حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی کی، کئی ماہ وہاں مراقب رہے۔ ازاں بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ پنجاب میں لاہور کے بعد ملتان اہل طریقت کا دوسرا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ملتان رہ کر آپ نے ہندوؤں کی زبانوں اوران کی مختلف بولیوں سے بھی کچھ شناسائی پیدا کی۔ ایک روایت میں ہے:۔

من تعلم لسان قوم أمن شرّهم

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی زبان سیکھ لی وہ ان کے شر اور داؤ پیچ سے امن میں آگیا۔

یعنی اب وہ ان کے ہاتھوں میں نہ آسکے گا اور وہ اسے کسی غلط چکر میں نہ گھیر سکیں گے، وہ ان کے پیرایہ سخن کو سمجھ چکا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجمیر جانے سے پہلے ہی یہ عزم کئے ہوئے تھے کہ وہاں ہندوؤں میں گھس کر ان کی جہالت کو دور کرنا ہے، انہیں شرک سے ہٹانا اور اسلام کی پاکیزہ زندگی میں لانا ہے۔

آپ کی رائے یہی تھی کہ کسی جگہ سے اندھیرا ڈنڈے کے زور سے ختم نہیں کیا جاسکتا، اسلام نہ پہلے کہیں زور سے پھیلا ہے اور نہ اب کہیں ایسی کوشش ہوسکتی ہے نہ یہ قرآن کریم کی رو سے جائز ہے۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (پ:۳، البقرہ:۲۵۶)

کسی کو جبر سے دین میں نہیں لایا جاسکتا۔ دین میں لانے کا یہی طریقہ ہے کہ حق و

رشد اور گمراہی اور بھٹکنے میں تبین لایا جائے ان میں اختلاف نہ رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی یہی تدبیر تھی کہ علم و معرفت کی روشنی سے ہندوؤں کے رواج و مذہب کی کمزوریاں خود بخود نمایاں ہو جائیں گی، یہاں اسلام پھیلنے کی واحد شکل یہی ہے۔ پھر خدا کی محبت کی گرمی جب ان کے دلوں میں پہنچا دی جائے تو پھر کوئی سعید روح اس کا انکار نہ کر سکے گی۔

آپ نے ملتان میں اپنے اس عزم و فکر کی تدبیر کی۔ ملتان کی مٹی میں جذب و محبت اور زبان میں کشش اور نرمی ہے اور اپنے اس مشن کی اجمیر میں تکمیل کی۔ آپ ملتان سے دہلی آئے اور دہلی سے ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے۔ راجہ پتھورا اور اس کے حکام نے اپنی درباری تدبیروں سے اور وہاں کے ہندوؤں اور جوگیوں نے اپنے سحر و عملیات سے آپ کا بہت مقابلہ کیا مگر سچائی کا سورج آخر چڑھ کر رہا اور آپ اپنی روحانی قوت اور کشف و کرامات سے اس معرکہ خیر و شر میں خوب غالب رہے۔ خواجہ صاحب کہتے تھے راجہ پتھورا انہیں نکالنے کے درپے ہے لیکن ہم نے اسے نکال دیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں، خواجہ صاحب نے فرمایا:۔

پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم (اخبار الاخیار)

خواجہ صاحب کے اجمیر فروکش ہونے کے ۲۵ سال بعد سلطان شہاب الدین غوری نے اجمیر پر دو حملے کئے اور راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے اجمیر سے نکال دیا گیا۔

حضرت خواجہ صاحب کا جذب و شوق

حضرت خواجہ صاحب ہندوستان آنے والے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندو جوگیوں کا برسر عام مقابلہ کیا۔ آپ پر ہمیشہ جذب و شوق کی کیفیت وارد رہی۔ خدا کی محبت دلوں میں بھڑکانے کے لیے آپ نے سماع سے بھی کام لیا۔ آپ نے اپنے اس درویشانہ عمل میں کبھی مفتی کی صورت اختیار نہ کی اور بطور علاج ہر وہ طریقہ استعمال کیا جس سے آپ ہزاروں ہندوؤں کو اپنے دائرہ عقیدت میں کھینچ لائے۔ چراغ دہلی حضرت خواجہ نصیر الدین فرماتے ہیں:۔

شیخ الاسلام خواجہ معین الدین الحق قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا ہے کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اولیاء کرام کی روحانی صف میں آپ قطب ولایت کے مقام پر تھے، خواجہ قطب

الدین بختیار کاکیؒ آپ کو ان عظمت بھرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں:۔

ملک المشائخ سلطان السالکین منہاج المتقین قطب الاولیاء شمس الفقراء (دلیل العارفین ص:۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) آپ کو سرحلقہ کبار لکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ آپ سے سبقت لے گئے لیکن صوفیہ کرام کا ایک پورا حلقہ انہی کے گرد جمع ہوا ہے۔ حضرت علی ہجویری اپنے دائرہ ولایت میں حضرت جنید بغدادی کے طریق پر تھے لیکن حضرت خواجہ صاحب سے چشتیہ کا ایک پورا سلسلہ قائم ہوا، اس لئے آپ سرحلقہ مشائخ کبار کہلائے۔ آپ کے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی بھی اپنے دائرہ ولایت میں ان فرشتوں کے قریب ہوتے رہے جو مدبرات امرا کے کارکن ہوئے ہیں۔ انہوں نے نکاح نہ کیا لیکن حضرت خواجہ صاحب نے دو نکاح کئے (۱) سید وجیہ الدین مشہدی کی بیٹی سے، (۲) ایک ہندو راجہ کی بیٹی سے جو اسلام میں آگئی تھیں۔ اس پہلو سے آپ اس شان جامعیت پر آئے کہ رب العزت نے آپ سے ایک پورا سلسلہ چلایا سو ہندوستان کے اہل تصوف میں آپ واقعی سرخیل سلسلہ مشائخ ہیں۔

قطب الاقطاب حجۃ الاولیاء مہبط انوار مخزن المعرفت پردہ بردار اسرار غیبی چہرہ کشائے صور لاریبی (سیر الاقطاب ص:۱۰۳)

آپ کی اپنی کوئی تالیف نہیں ہندوستان میں بحر تصوف میں کشف المحجوب کی کشتی ہی تیرتی رہی۔ حضرت خواجہ کی طرف جو تین کتابیں منسوب ہیں وہ حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں جو آپ نے مختلف صحبتوں میں بیان فرمائے۔ یہ کتابیں (۱) انیس الارواح، (۲) کسب نفس اور (۳) دلیل العارفین کے ناموں سے معروف ہیں۔ انیس الارواح میں آپ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ دلیل العارفین آپ کے وہ ملفوظات ہیں جو آپ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جمع کئے ہیں۔

شاہان وقت کا مرجع عقیدت

مالوہ کے کا سلطان محمود خلجی نے آپ کے مزار پر حاضری دی، جہانگیر شیخ سلیم چشتی کا عقیدت مند تھا کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے سلسلہ کے تھے۔ شہنشاہ اکبر آپ کے مزار پر آگرہ سے اجمیر پیدل گیا۔

شاہجہان بھی کئی دفعہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔ شاہان ممالک کی طرح شاہان تصوف بھی ان خواجگان چشت کے مزاروں پر حاضری دیتے رہے۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے مزار پر حاضری دی اور وہاں سے بہت فیوض باطنی پائے۔

(دیکھئے صراط مستقیم)

حضرت خواجہ صاحب کی تعلیمات سلوک

خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔ آپ نے اپنے نصاب سلوک پر کوئی کتاب نہیں لکھی یہ آپ کے کچھ ملفوظات ہیں جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے مرتب فرمائے۔ ہم ان میں سے صرف دس اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ اصولاً آپ کے ہاں کتاب وسنت ہی اسلام کی سب سے بڑی علمی دستاویز ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات

۱۔ نماز اور شریعت کا منکر کافر ہے۔

نماز سے مسلمان پہچانا جاتا ہے اور شریعت ایک پورا قانون زندگی ہے جس کا وہ کلمہ پڑھ کر حلف وفاداری دیتا ہے۔ شریعت کی کسی بات کا انکار کیا جائے تو اس سے اس کا کلمہ پڑھنا باطل ہوجاتا ہے۔ وہ اسلام کے حلف وفاداری سے نکل گیا۔

۲۔ صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔

دنیا میں گھرے انسانوں پر بدنی عبادت اتنی گراں نہیں ہوتی جتنی مالی عبادت ان پر بوجھ ہوتی ہے۔ اس امت کی سب سے بڑی آزمائش مال میں ہے۔ درویش زیادہ اسی راہ سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوئے ہیں۔

۳۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کمانے سے ہی روزی ملتی ہے وہ کافر ہے۔

اسلام کی رو سے رازق مطلق خدا ہے وہ حساب سے روزی دے تو بندے کے لیے کسب معاش کی راہیں کھلتی ہیں اور تھوڑی محنت میں برکت ڈال دے تو وہ اس راہ سے روزی دیتا ہے کہ وہ حساب میں آ ہی نہ سکے۔ ویرزقہ من حیث لا یحتسب (پ:۲۸، الطلاق:۳)

۴۔ مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا، ستر مسلمانوں کا خون کرنے کے برابر ہے۔

اس ماتم اور واویلا کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ شخص خدا کے اس تکوینی فیصلے کو تسلیم نہیں کر رہا۔ رضا بالقضا درویشوں کا طرۂ امتیاز ہے، جو خدا کی رضا پر راضی نہیں وہ خدا کا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔

۵۔ مومن شخص وہ ہے جو ان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔

۱۔درویشی، ۲۔بیماری، ۳۔موت۔

۶۔ تین قسم کے لوگ بہشت کی بو تک نہ پائیں گے۔

۱۔جھوٹ بولنے والا درویش، ۲۔کنجوس جو دوسروں کے حقوق ادا نہ کرے، ۳۔خیانت کرنے والا سوداگر۔

۷۔ اہل سلوک کی لازمی عبادات

شریعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ مرید ان پانچ عبادتوں پر پورا عمل پیرا رہے۔

۱۔والدین کی خدمت، ۲۔قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت،

۳۔علماء ومشائخ کی تعظیم، ۴۔خانہ کعبہ کی تعظیم اور ہوسکے تو زیارت،

۵۔اپنے شیخ کی خدمت۔

۸۔ طریقت میں یہ گناہ بھی کبیرہ ہیں:

۱۔قبرستان میں قہقہہ لگانا، ۲۔قبرستان میں کھانا پینا، ۳۔کسی انسان کو تکلیف پہنچانا، ۴۔خدا کا نام لیتے اپنے اندر کپکپی محسوس نہ کرنا۔

۹۔ عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں بقدر طاقت بشری صفات الٰہیہ کا ظہور ہو۔ اللہ رب العزت رزاق ہے۔ دینے سے خوش ہوتا ہے سالک کبھی بخیل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نیند اور اونگھ سے پاک ہے سو سالک بھی رات کو بہت کم سوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے اور سالک روزے میں اس کا قرب ڈھونڈتا ہے۔

۱۰۔ عارف جب خدا کی محبت میں ڈوبتا ہے تو وہ اپنے دل کے نور کو ظاہر کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے کرامات ظہور کرتی ہیں۔ جو کوئی اس کے سامنے مدعی ہو کر آئے وہ کرامت سے اسے ملزم کردیتا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اگر کسے بروے بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند

(دلیل العارفین ص: ۲۱)

آپ کی کرامات ولایت کا ایک نیا باب ہیں تذکرہ نویسوں نے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ کس طرح رب العزت نے مختلف کرامات سے آپ کو عزت بخشی۔ العزۃ للّٰہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین.

(۲) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خاندان چشتیہ کے دوسرے مرکزی بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۶۳۴ھ) ہوئے ہیں، ان کے جانشین پاکپتن کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین سے پھر یہ سلسلہ دو لائنوں میں چلا (۱) ایک سلسلہ حضرت علی احمد صابر (۶۹۰ھ) کے نام سے اور دوسرا شاہ نظام الدین اولیاء (۷۳۵ھ) کے نام سے یہ دو سلسلے صابری اور نظامی کے طور پر مشہور ہوئے۔

اب ہم یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا کچھ ذکر کریں گے۔ کاکی آپ کا تخلص تھا جیسا کہ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:۔

من کاکی چہ بد کردم ہر آنچہ ناسزا کردم
مکن چوکاک رخ زردم دراں بازار یا اللہ

نسب:

آپ ائمہ اہل بیت میں سے نویں امام تقی الجواد کی اولاد میں سے ہیں۔ ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بارے میں بزرگوں کا تجزیہ ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن میں ہی آپ سے کرامات کا ظہور شروع ہو چکا تھا۔ ڈیڑھ دو سال کی عمر میں آپ یتیم ہوگئے، والدہ نے آپ کی دینی تعلیم کی پوری فکر کی مولانا ابوالحفص سے آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اور کچھ آداب سلوک بھی حاصل کیے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قصبہ اوش میں تشریف لائے وہاں یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایسے حاضر ہوئے کہ پھر انہی کے ہو کے رہ گئے۔

ایک روایت کے مطابق آپ بغداد گئے تھے کہ وہاں حضرت خواجہ معین

الدین تشریف لائے۔ آپ کا قیام مشہور حنفی فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں ہوا۔ وہاں اور بھی بہت سے درویشان طریقت موجود تھے۔ خواجہ صاحب کے خلیفہ شیخ برہان الدین چشتی بھی وہاں موجود تھے۔ وہیں حضرت خواجہ قطب الدین حضرت خواجہ معین الدین سے بیعت ہوئے۔ (دیکھئے سیر الاقطاب ص: ۱۴۵)

بغداد میں آپ کی ملاقات شیخ بہاؤ الدین سہروردی، اوحد الدین کرمانی اور شیخ جلال الدین تبریزی سے بھی رہی۔ بغداد ان دنوں اہل ولایت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین بغداد سے واپس خراسان چلے گئے اور پھر وہاں سے ہندوستان کا سفر فرمایا۔

خواجہ قطب الدین کاکی بھی آپ کے شوق صحبت میں ہندوستان روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ شیخ جلال الدین تبریزی بھی تھے۔ اس سفر میں حضرت خواجہ صاحب کے نقش قدم پر آپ بھی کچھ عرصہ ملتان ٹھہرے وہاں شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔ ملتان سے آپ دہلی آئے، یہ التمش کا دور تھا۔ ان دنوں شاہان سلطنت بھی شاہان طریقت کی خدمت میں سلام عقیدت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ التمش بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور التجا کی کہ آپ دہلی کو ہی اپنا مرکز بنائیں۔

آپ نے دہلی میں قیام فرمایا وہاں آپ کے شیخ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری بھی آپ سے ملنے آئے اور آپ نے انہیں اجمیر لے جانا چاہا لیکن بعد ازاں آپ نے انہیں دہلی رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر آپ آخر دم تک دہلی ہی رہے، صرف ایک مرتبہ اپنے مرشد سے ملنے کے لیے اجمیر گئے۔ آپ کی واپسی کے بیس دن بعد حضرت خواجہ صاحب نے اجمیر میں وصال فرمایا۔

تالیفات:

آپ نے اپنے مرشد کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے جمع کئے۔ خود اپنے مریدوں کے لیے جو ملفوظات فرمائے انہیں آپ کے خلیفہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے فوائد السالکین کے نام سے جمع کیا ہے۔ اس میں آپ کی سات مجلسوں کے فیوض ہیں۔ یہ چھتیس صفحات کا رسالہ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کے سالکین کے لیے سلوک کا ایک پورا لائحہ عمل مل سکتا ہے۔ ہم یہاں آپ کے چند ارشادات اپنے

لفظوں میں پیش کیئے دیتے ہیں۔ جسے مرشد کی صحبت کم ملے وہ ان مرشدان گرامی کی مجلسوں کا فیض پالے۔

حضرت قطب صاحب کی مرشدانہ ہدایات

۱۔ سالک کم کھائے کم سوئے، کم بولے اور لوگوں سے کم اختلاط رکھے۔ حسب ارشاد حضرت تھانویؒ تصوف کی یہ چار بنیادیں ہیں۔ ا۔ قلیل الطعام ہونا، ۲۔ قلیل المنام ہونا، ۳۔ قلیل الکلام ہونا، ۴۔ قلیل الاختلاط مع الانام ہونا۔

کھائے صرف اس نیت سے کہ اس سے اس کی عبادت کی قوت قائم رہے۔ جب تک سالک لوگوں سے قلیل الاختلاط نہ رہے اللہ کی حضوری اسے کیسے نصیب ہوگی۔ سالک عارف تبھی بنتا ہے جب اسے اللہ کی حضوری ملے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

۲۔ سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے، شکر میں یہ حال ہو کہ پہاڑ بھی اس پر گریں تو اسے کوئی خبر نہ ہو۔ جو راہ سلوک کی تکلیفات میں فریاد کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے محبت الٰہی میں جھوٹا ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ اسے اللہ کی طرف سے پہنچے اسے ایک نعمت جانے کہ میں اس کی نظر میں تو ہوں تبھی تو یہ مہمانیاں مجھے مل رہی ہیں۔ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں۔

۳۔ اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے کی ہمت ہو راہ سلوک میں حوصلہ وسیع چاہیئے۔ منصور عارف کامل نہ تھا کہ اس میں اسرار جاگزیں نہ ہو سکے۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر حالت سکر میں بڑی کٹھن منزلیں آتیں مگر آپ یہی کہتے ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب اس پر اسرار کھلیں تو وہ انہیں دوسروں کے آگے کھول دے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سالک کو سکر سے نکلنا آتا ہو جب نماز کا وقت آئے تو وہ عالم صحو میں آسکے شریعت کو پامال کرنے کی سلوک میں کوئی راہ نہیں ہے۔

۴۔ ایک دفعہ سلوک کی مختلف منزلوں کا اس طرح پتہ دیا:

مشائخ نے سلوک کے ۱۸۰ درجے رکھے ہیں لیکن حضرت جنید بغدادیؒ نے اس کے سو درجے رکھے ہیں، حضرت ذوالنون مصریؒ نے ستر درجوں سے اس راہ کو عبور کیا ہے۔

حضرت بشر حافیؒ کے ہاں اس کی پچاس منزلیں ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ اور حضرت سفیان الثوریؒ کے ہاں سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں۔

یہ متقدمین کے ہاں سلوک کی مختلف منزلیں ہیں، متاخرین میں رہروان راہ سلوک نے اس راہ کو نئے سرے سے مدون کیا ہے پھران سے چار سلسلے چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ باقاعدہ چلے۔ خواجگان چشتیہ راہ سلوک کو پندرہ درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں ایک درجہ کشف وکرامت کا ہے۔ کشف وکرامت میں سالک اپنے آپ کو ظاہر کردیتا ہے سالک میں ہمت چاہے کہ اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھ سکے کشف وکرامات کا باب کبھی کبھی اس کے ہاں کھلے۔

وقت کا تقاضا ہوا تو خزائن کا ایک بہتا دریا دکھا دیا

ایک دفعہ شاہی دربان اختیارالدین ایبک آپ کے پاس آیا اور کئی گاؤں بطور نذرانہ پیش کیے آپ نے ایسا پیر نہ بننا چاہا جس کے بڑی جاگیریں ہوں آپ کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے جوملتی اسے فوراً تقسیم کردیتے۔ قطب صاحب نے اختیارالدین ایبک کو دکھا کر اپنے جانماز کا ایک گوشہ اٹھایا اور اختیارالدین ایبک نے اپنی آنکھوں سے وہاں خزائن الٰہی کا ایک دریا بہتا دیکھا۔ آپ نے اختیارالدین کو کہا جس کے ہاں یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو وہ یہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔

مشائخ چشتیہ کا ذوق سماع

مشائخ چشتیہ اپنے ذوق سماع کو کبھی چھوڑ نہ پائے تاہم انہوں نے کبھی اپنے آپ کو مفتیوں میں ظاہر نہیں کیا نہ کبھی سماع کو انہوں نے فتوے کی شکل دی۔ ان دنوں ہندوؤں کی عظیم آبادی کو اسلام میں کھینچنے کے لیے اس سے زیادہ زود اثر اور کوئی راہ نہ تھی۔ ہندو پنڈت مندروں میں گیت گا کر لوگوں کو خدا کی محبت میں کھینچتے، خواجگان چشت اپنی سماع کی مجلسوں سے ہندوؤں کے اس طلسم کو توڑتے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی سماع کو بہت عزیز رکھتے۔ سید صباح الدین لکھتے ہیں:۔

ایک بار شیخ سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی حضرت خواجہ صاحب بھی

وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں حضرت قطب صاحب پر اس شعر سے وجد طاری ہوگیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر چکے انہیں مردہ نہ سمجھو انہیں ہر لحہ عالم غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

قوال بار بار اس شعر کو پڑھتا رہا اور آپ کی روح کی منزلیں بڑی تیزی سے طے ہوتی گئیں یہاں تک کہ آپ نے اسی سکر میں ۶۳۴ھ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ میر حسن نے اپنی ایک غزل میں اس شعر کو اس طرح نقل کیا ہے۔

جاں بریں یک شعر داد است آن بزرگ
عار ایں گوہر زکان دیگر است
کشتگاں خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ نے وصیت کر رکھی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی حرامکاری نہ کی ہو۔ عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوڑی ہوں اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ پائی ہو۔ آپ کے جنازہ میں ان شرطوں سے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی۔ یہ شرطیں سلطان شمس الدین التمش میں پوری ہوتی تھیں۔ وہی آگے بڑھا اور اس نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۳) حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (۶۶۴ھ)

والد کا نام مولانا کمال الدین تھا جو کابل کے شاہی خاندان میں سے تھے۔ آپ فرخ شاہ کمال کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے دادا قاضی شعیب اپنے پورے خاندان کو لے کر قصور آگئے۔ آپ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں، آپ کی والدہ قاسمہ بی بی ایک عالم دین، ملا وجیہ الدین کی بیٹی تھیں جن کی گود میں آپ کی ابتدائی پرورش ہوئی۔ آپ کے والد نے پھر ملتان کے ایک نواحی گاؤں کھوت وال کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں آپ پیدا ہوئے۔

آپ نے حضرت معین الدین اجمیری کا بھی زمانہ پایا ہے۔ جب حضرت خواجہ قطب

الدین بختیار کاکی ملتان آئے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت کی۔ جب حضرت بختیار کاکیؒ دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے تکمیل علوم کے لیے مختلف بلاد کے سفر کیے بغداد بھی پہنچے۔ آپ نے وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کی بھی زیارت کی اور کئی دن ان سے اکتساب فیض رہا۔ آپ کے ملفوظات راحۃ القلوب کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

نوٹ: پہلے ہم جن بزرگوں کا ذکر کر آئے ہیں۔ ۱۔ حضرت علی ہجویریؒ، ۲۔ حضرت عثمان ہارونیؒ، ۳۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، ۴۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ یہ سب سادات کرام میں سے ہیں البتہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھے حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے نہ تھے۔ حضرت خواجہ فریدالدین مسعود حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کو علوم شریعت میں خاص دسترس تھی۔ آپ باوجود یکہ حضرت خواجہ قطب الدین کاکی سے فیض یافتہ تھے آپ کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی خاص عقیدت تھی۔ آپ ان کی کتاب عوارف المعارف کا نفیس پیرائے میں درس دیتے، سامعین آپ کے درس میں ہوش کھو بیٹھتے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کتاب کے پانچ ابواب آپ سے سبقاً پڑھے۔

آپ کو اپنے دور کے دیگر ائمہ کی بھی خاص طلب رہتی۔ آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اپنے حلقہ کے باہر کے بزرگوں کی کوئی ضرورت محسوس نہ کریں ان دنوں بغداد بزرگان طریق کا مرجع خلائق تھا۔ بغداد کے ایک سفر میں آپ کو حضرت خواجہ معین الدین سجزی اجمیری کی بھی زیارت ہوئی۔ آپ نے خواجہ فریدالدین کو شکر عالم (تمام دنیا کی شیرینی) سے خطاب کیا اپنے قریب بلایا اور فرمایا:۔

بیا شکر عالم نیک آوری بنشین

اسی نسبت سے آپ گنج شکر کہلائے۔ کہتے کہ آپ کا پورا بدن اکثر اوقات شکر کی طرح میٹھا ہو جاتا اور روح کی مٹھاس تو اس سے بھی آگے کی ایک منزل تھی۔

آپ نے کن کن بزرگوں سے ملاقات کی:۔

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے بغداد میں،

۲۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بغداد میں،

۳۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے سیستان میں،
۴۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بخارا میں،
۵۔ شیخ عبدالواحد نبیرہ حضرت ذوالنون مصریؒ سے بدخشاں میں۔

آپ نے بیت المقدس میں بھی چند دن گزارے اور حضرت زکریا کی پیروی میں وہاں جاروب کشی کی۔ مرشد کی وفات پر دہلی آئے تو قاضی حمید الدین ناگوری نے جو حضرت خواجہ قطب الدین کاکی کے خلیفہ تھے آپ کو حضرت قطب الدین کا خرقہ پہنایا اور چند دوسری امانتیں آپ کے سپرد کیں۔

حضرت بابا فرید کا روحانی مقام

آپ کے روحانی مقام کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ سالار سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مخاطب کر کے ان کے اس نئے مرید کے بارے میں کہا "قطب الدین تم نے ایک عظیم شاہباز پکڑا ہے۔ اس کا آشیانہ بجز سدرۃ المنتہیٰ کے اور کہیں نہیں بن سکتا"

اجمیر اور دہلی مشائخ طریقت کے روحانی فیض سے پوری طرح بہرہ اندوز تھے۔ تاہم ضرورت تھی کہ خواجگان چشت کی یہ روحانی پرواز پنجاب اور سندھ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے پاکپتن کو اپنا مرکز بنایا اور دیکھتے دیکھتے ان کے روحانی فیض کی لہریں پورے پنجاب پر محیط ہو گئیں۔ پھر یہاں خواجگان تونسہ اور خواجگان سیال، خواجگان چاچڑاں شریف نے اپنے اپنے خیمے گاڑے اور پھر بالاکوٹ کی طرف سے حضرت شاہ سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید کی دعوت وسط سندھ پہنچی۔

اس پہلو سے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر ایک عہد ساز شخصیت ہو کر ابھرے۔ یوں سمجھئے کہ پنجاب کے مسلمانوں کیلئے خواجگان چشتیہ کا پاکپتن میں ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ اب جو بھی طریقت کی راہ سے اسلام میں داخل ہوا پاکپتن کی زمین اس کے لیے ایک بہشتی دروازہ ثابت ہوئی۔ افسوس کہ نہ سمجھنے والوں نے وہاں ایک واقعی دروازہ نصب کر دیا اور اپنے عوام میں یہ بات پھیلادی کہ من دخلہ کان امنا جو اس میں سے گزر گیا وہ ہمیشہ کا امن پا گیا۔ حالانکہ یہ مرکزی شان صرف بیت اللہ شریف کی تھی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت بابا فرید الدین نے دہلی اور اجمیر سے جو فیض پایا تھا وہ آپ نے پنجاب میں

چاروں طرف بکھیر دیا۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کی دس ہدایات

۱۔ راہ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے۔ جب تک مجاہدات کاملہ اور ریاضت شاقہ نہ اٹھاؤ گے اعلیٰ مقام کو نہ پہنچو گے۔

۲۔ دنیا آدمی کی طرف پشت کئے ہے اور آخرت اس کی طرف منہ۔ یہ دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے اور آخرت اس کے انتظار میں کھڑی ہے۔ سو چاہیے کہ سالک آخرت کو ترجیح دے آخرت ہی کام آئے گی، دنیا تو پشت دے چکی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جس کو سعادت ابدی عطا فرماتے ہیں اس کے لیے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (نقلاً عن الشیخ اوحدالدین الکرمانی)

۴۔ ایک دفعہ سلطان ناصرالدین نے اپنے وزیر کے ہاتھ آپ کے لیے چار گاؤں کا فرمان اور ایک بڑی رقم بطور ہدیہ بھیجی مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا:

یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو یہ ہم خواجگان چشت کی رسم نہیں ہے۔

آج کل کے پیر اُن بزرگوں سے کتنے دور ہیں جو ہمیشہ مریدوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں، جتنا کوئی بڑا امیر ہوگا اس سے اتنے ہی گہرے تعلقات ہوں گے۔ خود یہ آگے نہ بھی ہوں تو ان کے صاحب زادگان برابر ان کے حالات پوچھتے رہیں گے۔ یاد رکھیے یہ اللہ والوں کی راہ نہیں ہے۔

سلطان ناصرالدین کا یہ وزیر وہی ہے جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت ہند کا وارث ہوا۔

۵۔ درویشوں کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔

پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنا اور پھر ان کی اشاعت عام کرنا اللہ والوں کا طریقہ نہیں ہے۔ درویش کو چاہیے کہ چار باتیں اختیار کرے:۔

۱۔ اپنی آنکھیں بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھے۔

۲۔ کانوں کو بہرہ کرلے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن پائے۔

۳۔اپنی زبان گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں وہ زبان پر نہ آئیں۔
۴۔ پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ کسی غیر ضروری کام کے لیے نہ چل سکے۔

۶۔ درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے:۔
۱۔دنیا کو جاننا اور پھر اس سے ہاتھ اٹھالینا،
۲۔اللہ کی اطاعت کرنا اور آداب کی رعایت رکھنا،
۳۔آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

جو آخرت کی طلب میں ہو اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا چاہتے ہیں اور جو آخرت سے دوری چاہے اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے سے دور رکھتے ہیں۔

۷۔ راہ سلوک میں وہی درویش مخلص ہے جو:۔
رزق حاصل کرنے کے لیے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔
آپ نے فرمایا رزق کی چار قسمیں ہیں:۔
۱۔رزق مقسوم، ۲۔رزق مذموم،
۳۔رزق مملوک، ۴۔رزق موعود۔

۱۔رزق مقسوم وہ ہے جو پہلے ہی لوح محفوظ پر لکھا جا چکا ہے یہ خدا کی تقسیم ہے جو بندوں کے نام لکھی جا چکی ہے۔

نحن قسمنا بينهم معيشتهم فی الحيوٰة الدنيا (پ۲۵،الزخرف:۳۲)

۲۔ رزق مذموم وہ ہے کہ جتنا ملتا جائے ہوس اور بڑھتی جائے اسے کسی مقام پر قناعت نہ ہو۔اس کا پیٹ جہنم بن چکا ہو جو کہیں بس نہ کرے گا۔

یوم نقول لجهنم هل امتلأت و تقول هل من مزيد (پ:۲۶،ق:۳۰)

۳۔ رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضروریات پورا ہونے کے بعد جمع کیا جائے۔ سالک اس میں قرآن کریم کے ایک سوال اور جواب کو سمجھے۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (پ:۲،البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں آپ کہیں جو اپنی ضرارات سے بچ رہے۔

۴۔رزق موعود وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اس کی

ایک ترتیب ہے کہ یہ ان امور پر مرتب ہوتا ہے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ یہ اس راہ سے عمل میں آتا ہے۔

سالک اگر توکل سے کام نہیں لیتا اور رزق کے لیے اندوہ گین ہوتا ہے تو وہ تصوف کی راہ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، ایسا درویش اللہ تعالیٰ کی تمام عنایات سے محروم ہوجاتا ہے سالک وہی ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے۔

۸۔ راہ سلوک میں توبہ ایک نہایت اہم چیز ہے اس کی چھ قسمیں ہیں۔

ا۔توبہ دل: اپنے ارادہ سے دل کی آلائشوں کو دور کرنا اور اندھیروں سے نکلنے کی کوشش کرنا، حسد وریا اور تمام نفسانی لذات سے صدق دل سے باز آنا۔

اس توبہ سے بندہ اور مولیٰ کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔

۲۔توبہ زبان: ناشائستہ بے ہودہ اور ناروا کلمات سے زبان کو پاک رکھنا اور خدا کی یاد میں زبان کو تر رکھنا اس توبہ کے بغیر انوار عشق سامنے سے نہیں کھلتے۔

۳۔توبہ چشم: نظر سے بچنا، کسی کا عیب نہ دیکھنا، کسی پر ظلم ہوتے نہ دیکھنا، دنیا کی کسی چیز پر لالچ کی نظر نہ ہو۔

۴۔توبہ گوش: ہر چیز جو سننے کے لائق نہیں یا شریعت نے اس سے منع کیا ہو اسے نہ سننے کا قصد اور ارادہ کرنا۔ چلتے ہوئے بھی کان میں پڑے تو کانوں پر ہتھیلی رکھ لینا۔

۵۔توبہ دست: کسی کو ناروا اور ناجائز ہاتھ نہ لگاؤ، کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ دو، کسی کے مال و جان پر ہاتھ نہ ڈالو۔

۶۔توبہ نفس: کھانے پینے کی لذتوں کے درپے نہ ہو، اس لئے کھائے پئے کہ خدا کا نام لینے کی طاقت باقی رہے۔ انسان نے زندگی اسی لئے پائی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی عبادت کرسکے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

آپ نے اس کے علاوہ توبہ کی تین اور قسمیں بھی بیان کی ہیں:۔

(۱) توبہ حال، (۲) توبہ ماضی، (۳) توبہ مستقبل۔

ا۔توبہ حال: جو گناہ بھی ہوجائے اسی وقت اس پر پشیمانی آئے اور وہ ندامت اور شرمندگی میں اللہ کے آگے جھک جائے۔

۲۔توبہ ماضی: پچھلے گناہوں پر استغفار کرے، خدا سے مغفرت چاہے، بندوں کے جو حقوق اس کے ذمہ ہیں وہ ادا کرے اور کچھ زیادہ دے۔

۳۔توبہ مستقبل: آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کا پھر سے عہد کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگے۔

۹۔ تصوف سالک کا پیرایہ اخلاق ہے۔ اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں جو اس طرح خدا سے ملے ہیں کہ انہیں پھر اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے کسی کی خبر تک نہیں رہتی۔

ا۔سالک لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے، وہ دنیا کی کبھی ہجو اور مذمت بھی نہیں کرتا اور نہ اس کی محبت اور طلب میں کبھی گرفتار ہوتا ہے۔

۲۔ سالک ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے اور اس کی خدمت اور اس کے پاس بار بار کی حاضری میں روح کی خوشی اور عمل کی تربیت سمجھتا ہے۔

۳۔سالک اپنی کسی بزرگی کے اظہار میں نہ پڑے، مقام کشف پائے تو اس کی کوشش نہ کرے اور پالے تو اس کے اظہار کی کوشش نہ کرے۔

۴۔سالک کسی حال میں شاہراہ شریعت سے تجاوز نہ کرے۔ عام سکر کی حالت میں رہتا ہو تو نماز کے وقت ضرور حالت صحو میں آجائے، شریعت اسی ہوش سنبھالنے کا نام ہے۔

۱۰۔ جو شخص تین باتوں سے گریز کرے اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتے ہیں۔

ا۔جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ اس کے مال سے برکت اٹھا لیتے ہیں اس کا مال بڑھ نہیں پاتا اور اس میں پاکیزگی نہیں رہتی۔

۲۔جو شخص قربانی کرنا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتے ہیں۔

۳۔جو شخص نماز نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ اسے اس کے مرنے کے وقت ایمان سے محروم کر دیتے ہیں۔ (تلک عشرة كاملة)

حضرت بابا فرید کے ملفوظات

حضرت بابا فرید گنج شکر نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کی بابت سات سو بزرگوں سے سوال کیا گیا اور سب نے ایک ہی جواب دیا کہ یہ چار باتیں اس راہ کے مسافروں کی اساس ہیں انہیں ہمیشہ ذہن میں رکھیں۔ اس سے اسے بزرگوں کی نسبت کا فیض حاصل ہوگا۔

سوال: سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟

جواب: دنیا میں سب سے کم دل لگانے والا، دنیا میں بقدر ضرورت رہے اور آخرت میں اس کی فکر بقدر بقا آخرت ہو۔

سوال: تمام لوگوں میں سب سے بزرگ کون ہے؟

جواب: جس پر دنیا کا کوئی رنگ نہ چڑھے وہ کسی دنیوی چیز سے متغیر نہ ہو۔ سونا اسی لیے سب سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے کہ اس پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا۔

سوال: دنیا میں سب سے زیادہ مال دار کون ہے؟

جواب: قناعت کرنے والا، جو کچھ مل گیا اسے کافی سمجھے۔ قناعت کی تو ایک اپنی حد ہے، قناعت سے نکلنے والے کی کہیں کوئی حد نہیں آتی۔

سوال: دنیا میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟

جواب: قناعت ترک کرنے ولا۔ اس کی حاجات اور مانگنے کی حاجات کو موت کے سوا کہیں کوئی کنارا نہ ملے گا۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

سوال: یہ دو سوال بھی آپ سے کیے گئے، ۱۔ صوفی کون ہے؟

جواب: لفظ صوفی صفا سے ہے۔ صوفی وہ ہے جس کی برکت کی وجہ سے تمام چیزیں صفائی قبول کریں اور اسے کوئی چیز زنگ آلود نہ کرسکے۔ اللہ والے اثر دیتے ہیں اثر لیتے نہیں۔ سونے پر کوئی رنگ نہیں چڑھ سکتا۔

۲۔ وہ کون سی باتیں ہیں جو دلوں کو غافل کر دیتی ہیں؟

جن باتوں کا اول اور آخر خدا کے لیے نہ ہو۔

جس کا دل خدا سے غافل ہو اس سے بات چیت صرف غافلین ہی کر سکتے ہیں۔

ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان أمره فرطا

سیر الاولیاء میں آپ کے یہ ملفوظات بھی ملتے ہیں:۔

۱۔ جاہل نادان کو زندہ نہ خیال کر۔

۲۔ جو تم سے ڈرتا ہے تم اس سے ڈرو۔

۳۔اپنی کمزوریوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔
۴۔جو تمہارا خیر خواہ نہیں اس سے کبھی مشورہ نہ کرو۔
۵۔باطن ظاہر سے عمدہ اور بہتر رکھو۔
۶۔علم دین کی حفاظت اور نگہداشت کرو۔
۷۔اپنے خاندان کی عزت قائم رکھو۔
۸۔اپنی آرائش اور نمائش میں زندگی ضائع نہ کرو۔
۹۔اپنے آپ کو مال و دولت کے لیے ذلیل نہ کرو۔
۱۰۔ایسی موت کی خواہش ہو جس سے ہمیشہ کی زندگی ملے۔
۱۱۔غریبوں اور شکستہ دلوں میں بیٹھنے سے خوشی ہو۔
۱۲۔خدا کی طرف سے کوئی تکلیف آئے تو اس کا شکوہ نہ کرو۔
۱۳۔جو تمہارے ساتھ نیکی کرے تم بھی اس سے نیک رہو۔
۱۴۔امراء کے ساتھ بیٹھو تو اس وقت دین کو فراموش نہ کرو۔

آپ کے ملفوظات دوسرے بزرگوں کی نسبت زیادہ ہیں۔آپ نے پنجاب کے نئے ماحول میں کام کیا اس لیے آپ کا دائرہ قربت زیادہ وسیع رہا۔آپ کے مرید بدر اسحاق نے سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے ملفوظات جمع کئے ہیں۔سیر الاولیاء میں ۴۲ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں علیحدہ علیحدہ موضوعات پر حضرت کے ارشادات جمع ہیں۔آپ نے مختلف پہلوؤں سے شریعت میں نکھار پیدا کیا ہے یہ شریعت اور طریقت کا ایک امتیازی مطالعہ ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

فقراء کا عشق الٰہی علماء اور دانشوروں کے عشق سے بالکل جدا ہے۔

آں عشق کہ بود کم نہ گردد
تا باشد ازاں قدم نہ گردد

آپ کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ آپ کے خلیفہ ارشد حضرت شاہ نظام الدین اولیاء نے ''راحتہ القلوب'' کے نام سے جمع کیا ہے۔جس طرح ہر پھول کی خوشبو اپنی اپنی ہوتی ہے، بزرگان طریقت کے مشرب بھی اپنے اپنے ہوتے ہیں۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکر میں دنیا سے بے رغبتی، کھانے میں ریاضت اور خلق خدا سے دوری غالب تھی۔فقر و فاقہ پر بھی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو چیز ہوتی اپنے حلقہ میں فوراً تقسیم کرتے۔آپ کے خلفاء میں حضرت

شیخ علاء الدین صابر سلطان المشائخ شاہ نظام الدین اولیاء سیالکوٹ کے امام علی الحق اور شیخ برہان الدین ہانسوی زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ نے ۶۶۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے چھ بیٹے تھے۔ (۱) نصیر الدین، (۲) شہاب الدین، (۳) بدرالدین، (۴) نظام الدین، (۵) شاہ عبداللہ صدرالدین۔

حضرت بدرالدین آپ کے بڑے خلیفہ ہوئے۔ ان کے صاحب زادے، حضرت تاج الدین سرور (۷۳۸ھ) چشتیاں (نزد بہاولنگر) میں ٹھنڈی نیند سو رہے ہیں۔ آپ نے اپنے دادا حضرت فرید الدین سے روحانی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ نے (اس نئے) خطہ چشتیاں کو اپنے روحانی فیض سے آباد کیا۔

تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں ایک قصبہ کمال پور چشتیاں کے نام سے موسوم ہے، وہ حضرت تاج الدین سرور کے تیسرے فرزند شاہ حسن کی اولاد میں سے شاہ کمال الدین کا آباد کردہ ہے۔ ان دنوں پسرور میں راجہ جگت پال کی حکومت تھی یہ راجہ سان پال کا بھائی تھا۔ پسرور کا پرانا نام جگت پور تھا۔

شاہ کمال چشتی (قصور)

آپ کا شجرہ دس واسطوں سے حضرت بابا فرید الدین تک پہنچتا ہے۔ آپ کمال پور چشتیاں ضلع سیالکوٹ سے قصور تشریف لے آئے۔ یہیں آپ کا مزار ایک پہاڑی پر مرجع عوام وخواص ہے۔

اسی طرح حضرت بابا صاحب نے امام علی المعروف علی الحق کو کانگڑہ (بھارت) میں بھیجا۔ آپ سابق فوجی جرنیل تھے آپ نے بادشاہ فیروز تغلق کے حکم سے سیالکوٹ کے راجہ سان پال سے جنگ کی اور سیالکوٹ فتح کیا مگر اس معرکہ جہاد میں شہید ہوگئے۔ آپ کا مزار سیالکوٹ میں امام صاحب کے نام سے مرجع عوام و خواص ہے پورے محلہ کا نام محلہ امام صاحب ہے۔

(۴) حضرت شاہ علاؤ الدین شیخ احمد علی صابر از کلیر شریف (۶۹۰ھ)

آپ نسباً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے پڑپوتے ہیں اور اپنے مرشد حضرت بابا

فریدالدین گنج شکرؒ کے بھانجے تھے۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے ہاں ٹھہرنے والے فقراء و مساکین کے لیے لنگر تقسیم کرنے کا کام ان کے سپرد کر رکھا تھا۔ نماز اشراق کے بعد آپ یہ لنگر تقسیم کرتے اور پھر اپنے حجرہ میں چلے جاتے پھر مغرب کی نماز کے بعد آپ یہ لنگر تقسیم کرتے۔ آپ کا لنگر تقسیم کرنے کا کام اور اس سے خود نہ کھانے کا اہتمام آپ کو صابر کے مقام پر لے آیا آپ اسی سے علی احمد صابر کہلائے۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے اپنی بیٹی خدیجہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کی نواسی تھی، حضرت شاہ علاء الدین علی احمد کے نکاح میں دی۔ اب آپ بابا صاحب کے بھانجے ہونے کے ساتھ حضرت بابا صاحب کے داماد بھی ہوئے۔

حضرت شیخ کی نظر میں حضرت علی احمد صابر کا مقام

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے اپنے حلقہ کے درویشوں میں جس طرح حضرت علی احمد صابر کو رشتہ کا قرب بخشا، معرفت میں بھی آپ کو بڑی سبقت بخشی۔ ایک دفعہ فرمایا:۔

میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو ملا ہے اور میرے دل کا علم شیخ علی احمد لے گئے۔

ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سلطان علاؤالدین خلجی کے دور میں مشائخ سلوک کے بارے میں لکھا ہے:۔

سجادہ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین اولیاء، شیخ الاسلام علاؤالدین علی احمد صابر اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوگئی اور ایک عالم نے بیعت میں ان کا ہاتھ پکڑا۔ ہزاروں گناہگاروں نے ان کے فیض صحبت سے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ ہزاروں بدکاروں اور بے نمازوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا اور ہمیشہ کے نمازی بن گئے۔ دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے کام آنے اور ان کی فرمانبرداری کا سبب بنے ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ان کے تجرد کے معاملات دیکھ کر ان کے دلوں سے کم ہوگئی۔ راہ سلوک کے مسافروں کو نوافل و وظائف کی رغبت اور اوصاف عبودیت کی محبت دلوں میں پیدا ہونے لگی۔

ان شاہان تصوف کے اخلاق اور زہد و تزکیہ سے اللہ تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں برسی اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہوگئے۔ ...... یہ امور ان تینوں بزرگوں کے

وجود سے ظہور میں آئے اور یہ شعائر اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئے۔ حضرت شیخ علی احمد صابر اپنے حلقہ بیعت میں مخدوم کے لقب سے معروف ہوئے۔

حضرت مخدوم کی کلیر میں آمد

حضرت شیخ علی احمد صابر حضرت بابا فرید الدین کے حکم سے کلیر خیمہ زن ہوئے وہاں کے بعض علماء نے آپ کو نہ پہچانا اور ان اہل سلوک کو پہلی صف میں بیٹھنے سے منع کیا۔ آپ جلال میں آگئے اور فرمایا:

تم سب ابھی مرجاؤ گے اور یہ شہر بھی تباہ ہو جائے گا۔

آپ کا جذب و جلال انتہا کو پہنچا ہوا تھا کلیر اس تباہی کے بعد پھر مزار حضرت مخدوم سے آباد ہوا، اب آپ ہی ان دیار میں صاحب سلطنت تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے شیخ شمس الدین ترک کو آپ کی خدمت کے لیے بھیج دیا۔ آپ چوبیس سال حضرت مخدوم کی خدمت میں رہے۔

جب شمس الدین ترک دولت باطنی سے مالا مال ہو گئے تو آپ نے انہیں شاہی فوج میں نیکی پھیلانے اور انہیں اللہ کی راہ بتلانے کے لیے بھیج دیا اور فرمایا۔ ''جس روز تم سے کوئی کرامت صادر ہوگئی وہ میرے انتقال کا دن ہوگا''۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کو قلعہ کے سر کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا ہوا۔ وہ فقراء اور مشائخ کی تلاش میں نکلا، ایک باخدا آدمی نے بتلایا کہ تم فقراء اور درویشوں کی تلاش میں کیوں پریشان ہو خود تمہارے لشکر میں ایک ایسا باخدا موجود ہے اگر وہ دعا کرے تمہاری فتح یقینی ہوگی اس شخص کی پہچان یہ ہے کہ آج رات کو جب تیز ہوا چلے گی تو سب لشکر والوں کے چراغ بجھ جائیں گے صرف اس کا چراغ روشن رہے گا۔ اور وہ اس وقت تلاوت کلام اللہ مصروف ہوگا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

سلطان علاؤ الدین خلجی نہایت بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگا، رات ہوئی اور پھر سخت آندھی بھی آئی اور سب لشکر والوں کے چراغ واقعی بجھ گئے، صرف ایک چراغ روشن رہا اور اس وقت حضرت شمس الدین ترک واقعی تلاوت میں مصروف تھے۔ بادشاہ آپ کے سامنے

آ کر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سلطان کو دیکھا تو آپ بھی تعظیم سے اٹھے، سلطان نے معذرت کی کہ میں آپ کی قدر و منزلت نہ کرسکا آپ مجھے معاف کردیں اور پھر اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں یہاں سے تیس کوس دور جا کر دعا کروں گا۔ آپ نے اس فاصلہ پر جاکر دعا کی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس دم آپ کو اپنے مرشد حضرت مخدوم علی بن احمد صابر کی بات یاد آئی کہ حضرت مخدوم کا انتقال ہو گیا ہے۔ اسی وقت آپ کلیر پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ کی میت کے گرد جنگلی جانور حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کا نظریہ درویشی

> آپ نے فرمایا درریشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بُعد المشر قین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی۔

(تذکرۃ اولیاء کرام ص ۱۳۴)

مولانا بدرالدین اسحاق لنگر خانہ کے لیے جنگل سے لکڑیاں لاتے شیخ حسام الدین کابلی پانی بھرتے اور برتنوں کو دھوتے تھے۔ حضرت بابا صاحب کے ہاں لنگر میں مولانا بدر الدین اسحاق شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ایک ساتھ کھاتے لیکن حضرت علی بن احمد کے صبر و قناعت کی کسی کو خبر نہ ہوتی۔ آپ اپنے اس حال کو اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ چھپائے رکھتے۔

(۵) حضرت شاہ نظام الدین اولیاء (۷۳۵ھ)

آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا اور لاہور سے پھر بدایوں پہنچا۔ والد کا اسم گرامی سید احمد اور دادا کا نام سید علی تھا۔ پندرہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی تک جا پہنچتا ہے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، آپ کی والدہ ماجدہ بڑی نیک اوصاف اور صاحب کرامت خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کی بہت اچھی تربیت کی یہاں تک کہ آپ علوم شریعت سے فارغ ہوئے۔ ان دنوں علوم باطنہ کی بڑی شخصیت حضرت بابا فریدالدین گنج شکر تھے، آپ نے ان کے حالات سنے اور پاکپتن جا کر ان سے بیعت ہوئے۔ پھر ان کے حکم سے

دہلی آئے اور دہلی کے قریب ایک گاؤں غیاث پور کو اپنا مسکن بنایا۔

ظاہری علوم کے اساتذہ کرام

ان دنوں بدایوں میں علم اصول اور فقہ کے بڑے عالم مولانا علاء الدین اصولی تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے بعد قدوری مولانا علاؤالدین اصولی سے پڑھی، فقہ میں آپ کے تبحر علمی کی اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے۔ باقی تعلیم دہلی کے مولانا شمس الدین اور مولانا کمال الدین زاہد سے مکمل کی۔ مشارق الانوار حضرت مولانا کمال الدین سے پڑھی۔

یہ ہر دو عالم سلطان غیاث الدین بلبن کی نظر میں بڑے اونچے درجے کے مالک تھے اور سلطان ان کا بہت قدر دان تھا۔ سلسلہ چشتیہ میں اب تک جتنے چشتی بزرگ گزرے انہوں نے اپنی روحانی قوت سے خطہ پاک و ہند میں اسلامی انقلاب بپا کیا۔ اس سلسلہ کے خلفاء میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء علوم شریعت میں نہایت نمایاں اور راسخ نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے شیخ کی وفات کے وقت پاک پتن میں نہ تھے۔ حضرت بابا فرید الدین نے اپنا عصا اور خرقہ جو بابا صاحب کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دیا تھا، مولانا بدر الدین اسحاق کے سپرد کیا کہ وہ انہیں دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے پاس پہنچا دیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

> ''میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو ملا ہے اور میرے دل کا علم شیخ علی احمد کے پاس ہے۔''

اس سے بھی اس خیال کی تائید ملتی ہے کہ علم شریعت میں حضرت شاہ نظام الدین اپنے وقت میں زیادہ نمایاں رہے ہیں۔ آپ نے روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ دین کی علمی خدمات بھی سرانجام دیں۔ دعوت کے کام کے لیے علم شریعت کی از بس ضرورت ہے۔ اللہ کے علم میں تھا کہ آئندہ اس بستی سے دعوت کا کام بڑی قوت سے چلے گا۔ آپ بیعت و تربیت کے ساتھ ساتھ علم روایت میں بھی خاصے ممتاز تھے۔ بستی نظام الدین میں دعوت کا کام جس عزیمت کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ ہر لحہ زیادہ پھیل رہا ہے اس میں آپ کی روحانیت کے بھی خاصے اثرات نظر آتے ہیں۔

حضرت بابا صاحب کی نظر میں آپ کا مقام

اصحاب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے آپ کے لیے ان لفظوں میں دعا کی:۔

"الٰہی میرا یہ مرید جو کچھ تجھ سے مانگے اسے عطا فرمایا کر!"

آپ نے انہیں یہ بھی فرمایا:۔

"انشاء اللہ تم ایسا درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق خدا آرام پائے گی اور اسے فیض عام ملے گا۔ مجاہدہ برابر کرتے رہنا، اس سے کبھی غافل نہ رہنا۔"

آپ نے انہیں یہ دو نصیحتیں کیں:۔

۱۔ اگر کسی سے قرض لینا تو اسے جلدی ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش کرنے کی کوشش کرنا۔

یہاں وہ دشمن مراد نہیں جن سے اصول دین کے باعث کچھ دوری ہو۔ جو بغض محض اللہ کے لیے ہو شریعت اسے ختم کرنے کی دعوت نہیں دیتی۔ درویش توجہ ڈالنے کے لیے انہیں کبھی قریب کرے تو یہ امر دیگر ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ہاں ہمیشہ عسرت کا دور دورہ رہا۔ آپ کا مقام ریاضت بہت اونچا تھا۔

آپ کا غیاث پور کا زمانہ بھی مرشد کے اسی دور کا عکاس تھا سلطان علاؤالدین خلجی نے آپ کی خدمت کرنا چاہی تو آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک گھوڑی پوش درویش آپ کے سامنے حاضر ہوا وہ ارباب خدمت میں سے تھا اس نے آپ کی فقیری کی دیگ توڑ دی اور آپ کے حلقے کی یہ حالت معاً بدل گئی۔

ایک مرد غیبی کی آمد اور فتوحات کا کھل جانا

حضرت محبوب الٰہی کو اپنے شیخ کی ریاضت اور اس کی پیروی میں جو مزہ ملتا تھا اسے شاید ہفت اقلیم کے درویش بھی نہ پا سکتے تاہم الٰہی تکوین کے تحت کبھی یہ راہیں بدل بھی جاتی ہیں۔ محبوب الٰہی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے ہاں آپ کے دو خادمان خاص کا ذکر ملتا

ہے۔ (۱) شیخ برہان الدین غریب اور (۲) شیخ کمال الدین یعقوب۔ یہ دونوں حضرات بالآخر آپ کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ شیخ کمال الدین کھانا بنانے کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دفعہ مسلسل کئی دن کا فاقہ ہوگیا۔ شیخ کمال الدین نے آٹے کو ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ جب وہ دلیہ پکنے کے قریب ہوا تو اچانک ایک گدڑی پوش فقیر نمودار ہوا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ مانگنے والا کون تھا؟ یہ بات اسرار میں سے ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

جب سائل نے کچھ کھانے کو مانگا تو حضرت محبوب الٰہی نے ہنڈیا اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی اس نے کچھ گرم گرم لقمے لئے اور پھر ہنڈیا کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور یہ کہتا ہوا خلا میں گم ہوگیا۔

شاہ نظام الدین اولیاء کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے نعمت باطن سے نوازا میں نے ان کی فقیری کی دیگ کو توڑ ڈالا اب وہ ظاہر اور باطن کی نعمتوں کے سلطان ہوگئے۔ (تذکرہ اولیاء پاک وہند ص: ۸۸)

اس عجیب و غریب واقعہ کے بعد حضرت محبوب الٰہی پر فتوحات کے دروازے کھل گئے فقر و فاقہ ہمیشہ کے لیے جاتا رہا، دولت کا دریا دروازہ کے آگے بہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی بہت بڑھ گئی۔ ہر وقت آپ کی خانقاہ کے گرد ایک ہجوم ہوتا اور امیر و غریب سب یکساں آپ کے فیض سے فیضیاب ہوتے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ آپ کا فیض چین تک پھیل گیا وہاں آپ کے پہلے خلیفہ خواجہ سالار بن تھے۔

آج بھی بستی نظام الدین میں دعوت کے سالانہ اجتماع پر کھانے کے جو دستر خوان بچھتے ہیں ان سے حضرت محبوب الٰہی کے لنگر کی عجیب یاد تازہ ہوتی ہے۔

حضرت محبوب الٰہی کی جود و سخا اور اہل دنیا سے بے نیازی

آپ کی خانقاہ میں مطبخ ہمیشہ گرم رہتا۔ کئی ہزار فقراء و مساکین روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ مگر آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ جب تمام مہمان کھانا کھا لیتے تو سب سے آخر میں آپ آدمی یا

زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلے سے کھاتے۔ آپ کے شیخ حضرت بابا فریدالدین نے انہیں اسی پر لگایا تھا اور یہ بات فتوحات کے اس دور میں بھی آپ کے سامنے رہتی تھی۔

ایسی حالت میں جب کہ ہزاروں بندگان خدا سڑکوں پر بھوکے پڑے ہیں، میں عمدہ اور لذیذ کھانے کھا کر ان کو کیونکر بھول سکتا ہوں۔

تاہم آپ نے ایک دن حضرت شاہ نظام الدین کو حالت بدلنے کی یہ خبر بھی دی تھی۔ ''نظام میں نے تیرے لئے دنیا کی ایک کافی مقدار خداوند کریم سے طلب کی ہے۔''

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں میں یہ سن کر سر سے پاؤں تک لرز گیا لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت بابا صاحب نے کہا:۔

''تم خاطر جمع رکھو دنیا تمہارے لیے فتنہ نہ ہوگی''

میں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور سجدہ شکر بجالایا۔

دنیا آپ کے سامنے ایک تمثیلی پیرائے میں

دنیا حضرت محبوب الٰہی کے سامنے کئی تمثیلی پیرایوں میں ظاہر ہوئی۔ آپ نے اسے ایک خادمہ کے پیرائے میں بھی دیکھا وہ آپ کے گھر جھاڑو دے رہی تھی، آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ آپ نے اسے سختی سے باہر نکالا۔ ایک دفعہ دنیا سنہری سانپوں کی شکل میں آپ کے سامنے آئی، آپ نے ان پر اپنی پگڑی ڈال دی اور وہ سانپ سونے کے ٹکڑے بن گئے، آپ نے اپنی پگڑی اٹھا لی اور سونے کا ڈھیر وہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ یہ آپ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ آپ کو اسی وقت یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ سونے کی حقیقت سانپ کی ہے اہل ولایت کے سامنے ان کا ڈنگ جاتا رہتا ہے۔

شاہان سلطنت شاہان تصوف کی دہلیز پر

شاہان تصوف کے ہاں ایک غریب کو تو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جب چاہے ان کی مجلس میں جا بیٹھے لیکن وہ بادشاہوں کو اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ بے تکلف آپ کی مجلس میں آئیں۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے ملنے کی بڑی تمنا رہی لیکن آپ نے اسے ملاقات کا موقع نہ دیا البتہ اس کے بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں کو حضرت نے بیعت بھی فرمالیا۔ ہاں آپ سلطان علاؤالدین کے لیے غائبانہ دعا کر دیتے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کی بھی بڑی تمنا رہی کہ کسی طرح محبوب الٰہی سے ملاقات ہو جائے مگر حضرت نے ہمیشہ گریز کیا۔ معز الدین کیقباد کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی مگر اسے بھی آپ نے اپنی خانقاہ میں آنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت محبوب الٰہی کی مسند رشد و ہدایت

۱۔ اشراق کی نماز کے بعد آپ اپنی مسند پر جا بیٹھتے۔ صوفیہ کرام اور فقراء کا ایک بڑا مجمع ہوتا، آپ اس میں سلوک و طریقت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ دوسری طرف مجلس ظہر سے لے کر عصر تک ہوتی، یہ مجلس زیادہ تر علمی ہوتی، اس میں طلبہ اور علماء حضرات شریک ہوتے، ہر شخص محسوس کرتا کہ الہامی علوم بیان ہو رہے ہیں۔

۳۔ آپ نے فرمایا علم کتابی ہے اور عقل فطری، علم سے انسان لوگوں میں عزت پاتا ہے اور عمل سے اللہ رب العزت کے ہاں۔ علم نہ ہو تو انسان عقل کی فطری رہنمائی سے آنکھ بند نہ کرے۔

۴۔ آپ نے فرمایا: سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے:۔

۱۔ کم کھانے سے، ۲۔ کم بولنے سے،

۳۔ کم سونے سے، ۴۔ اختلاط کم رکھنے سے۔

۵۔ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع سے تو نہ گرے اگر کسی مرحلے میں شریعت سے گرا تو پھر اس کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں۔

۶۔ سماع چند شرطوں سے جائز سمجھا جائے:

۱۔ سنانے والا مرد ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔

۲۔ جو کلام سنا جائے وہ لغویات اور خلاف شرع امور سے پاک ہو۔

۳۔ جو سنے خدا کی محبت میں سنے، اس کا قرب پانے کے لیے سنے۔

۴۔ اشعار کے ساتھ گانے کے آلات نہ ہوں نہ ان میں گانے کا پیرایہ ہو۔

۷۔ آپ کے خلفاء میں چراغ دہلی حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ، حضرت امیر خسرو، حضرت شیخ حسام الدین، حضرت شیخ برہان الدین اور شیخ شمس الدین زیادہ معروف ہیں۔

عمال سلطنت میں آپ کا اثر و فیض

۱۔ آپ کی عبادت اور صحت معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہونے لگی۔

۲۔ مساجد میں نمازیوں کے ہجوم اس طرح ہونے لگے جس طرح آج کل دعوت کی محنت سے تبلیغی مسجد یں اجتماع میں تبلیغی نمازیوں سے بھرپور ہوتی ہیں۔

۳۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے تمام نشہ آور چیزوں اور فسق و فجور کے سامان کو سختی سے روک رکھا تھا۔

۴۔ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔

۵۔ آپ کے خلیفہ خواجہ برہان الدین غریب نے دکن میں اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے پانی پت میں ہزاروں طالبین کو داخل دائرہ اسلام کیا۔ یہ محبت الٰہی کا جذب تھا جس سے غیر مسلم اسلام میں کھچے چلے آتے تھے۔

وفات سے کچھ دن پہلے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا ''نظام الدین تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ أو کما قال النبی ﷺ۔ آپ نے وہ عصا اور خرقہ جو حضرت بابا صاحب نے آپ کو بھیجا تھا اپنے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ کو دیا آپ کو دہلی رہنے کا حکم دیا۔ لوگوں کی سختیاں برداشت کرنے کی تعلیم دی۔ صبح کی نماز پڑھی اور جب سورج طلوع ہو رہا تھا آپ ے رویم ے رویم کہتے ہوئے ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو اس دنیا سے الوداع ہوئے۔

(٦) چراغ دہلی حضرت شیخ محمد نصیر الدین (۷۵۷ھ)

حسینی سادات میں سے تھے والد کا نام سید یحییٰ اور دادا کا نام سید عبدالطیف تھا۔ دادا خراسان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے، لاہور سے پھر اودھ چلے گئے اور اسی کو اپنا وطن بنایا۔ آپ اودھ میں پیدا ہوئے تھے، نو سال کی عمر تھی کہ یتیم ہو گئے اور آپ کی تعلیم و تربیت سب آپ کی والدہ نے کی۔ آپ کے اساتذہ میں یہ نام اہم ہیں۔

۱۔ قاضی محمد الدین کاشانی، ۲۔ علامہ عبدالکریم شیروانی،
۳۔ مولانا افتخار الدین گیلانی۔

بچپن میں ہی خلوت گزیں تھے زیادہ جنگلوں میں رہے اور مختلف جنگلوں میں رہے، مختلف درویشوں سے ملاقات ہوتی اور زیادہ وقت ان کے ساتھ ہی گزارا۔ عمر چالیس سال سے متجاوز تھی کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کا

شرف حاصل کیا اور تھوڑے سے عرصہ میں علم باطن کی بھی تکمیل کر لی۔

تاہم آپ لوگوں کے کثرت اختلاط سے پریشان ہوتے تھے آپ نے امیر خسرو سے کہا کہ مجھے حضرت سے کسی ویرانے میں رہنے کی اجازت لے دیں۔ آپ نے اجازت نہ دی اور امیر خسرو سے فرمایا:

اسے کہہ دو کہ تجھے مخلوق خدا کے درمیان میں ہی رہنا چاہئے اور لوگوں کے ظلم وستم برداشت کرنے چاہئیں۔ کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد آپ واپس اودھ چلے گئے۔ آپ اپنے علم وعرفان میں پورے دہلی کا چراغ تھے آپ کی ذات شریعت وطریقت کا حسین امتزاج تھا اور فقر وصبر اور رضا وتسلیم آپ کا درویشی مشرب تھا۔ آپ کی مجالس میں زیادہ قرآن کریم اور حدیث کا ذکر رہتا۔ ایک دفعہ فرمایا:۔

''لوگوں نے قرآن کریم اور حدیث شریف کو عملاً چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے خراب و پریشان ہیں۔''

آپ اس مجلس سماع میں نہ بیٹھتے تھے جہاں مزامیر ساتھ ہوں فرمایا یہ طریق سنت کے خلاف ہے۔ آپ کی یہ بات حضرت شاہ نظام الدین اولیاء تک پہنچائی گئی۔ آپ نے کہا حق وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں۔

حضرت چراغ دہلی کے ارشادات

۱۔ جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ (۱) آستین چھوٹی کرے (۲) دامن کو تھوڑا اونچا کرے اور (۳) اپنے سر کو منڈا دے۔

آستین چھوٹی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اب اپنا ہاتھ وہ مخلوق کے سامنے نہ پھیلائے گا، دامن اونچا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا سر جہاں کہیں معصیت ہوگی وہاں کسی کے ہاں نہ جھکے گا اور سر منڈانے سے مراد یہ ہے کہ اب اس نے راہ محبت میں اپنا سر کاٹ دیا ہے۔

۲۔ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد دو چیزیں ہیں (۱) ایک یہ کہ خدا اور اس کے رسول نے جو فرمایا اس کی متابعت کرے اور دوسری یہ کہ (۲) جس سے منع کیا اسے چھوڑ دے۔

ما اٰتٰا کم الرسول فخذوه ومانھا کم عنه فانتھوا

(پ: ۲۸، الحشر: ۵۹)

۳۔ ایک مرید کے لیے تین طرح کا غسل ضروری ہے۔ (۱) غسل شریعت (جسم

سے ناپاکی کو دور کرنا)، (۲) غسل طریقت (خلوت کو اختیار کرنا)، (۳) غسل حقیقت (توبہ باطن کہ اندر کوئی ناپاکی نہ رہے)۔

جلوت سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

۴۔ قرآن کریم کی تلاوت میں دو فائدے ہیں:۔ (۱) آنکھوں کی بینائی کبھی کم نہیں ہوتی۔ (۲) قرآن پڑھنے والا ہمیشہ امراض چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۵۔ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ آدمی کسی کے دل کو راحت پہنچائے کسی کو آزردہ دل نہ کرے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

۶۔ اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں تو رہے اگر وہ یہاں بھی نہ رہا تو کہاں جائے گا اور کس طرح نجات پائے گا۔

۷۔ (ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے آپ کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا دیا) آپ نے برتن سے کھانا نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور پھر اسے کھایا، سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھایا اور بادشاہ سے وعدے کا انکار کر کے اس کی مخالفت بھی نہ لی ارشاد نبوت کی تعظیم اپنی جگہ قائم رکھی۔

الذی یاکل ویشرب فی آنیة الذهب والفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم

ترجمہ: جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے اور پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکاتا ہے أو کما قال النبیؐ رواہ مسلم۔

حضرت چراغ دہلی اپنے مرشد حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی طرح زندگی بھر تجرد سے رہے، یہ اس لیے نہیں کہ آپ اس میں رضا الٰہی سمجھتے تھے بلکہ اس لئے کہ اہل وعیال کے ساتھ شاید آپ اپنی طریقت کی ان ذمہ داریوں کو نبھا نہ سکیں اور آپ کی وجہ سے کوئی خاتون پریشان حال رہے۔

آپ نے اپنا جانشین کسی کو مقرر نہ کیا۔ وصیت فرمائی کہ حضرت محبوب الٰہی کا عطا

کردہ خرقہ میرے سینے پر، اور آپ کا عصا میرے پہلو میں اور آپ کی چوبی نعلین میری بغل میں رکھ دینا۔ حضرت خواجہ گیسو دراز (۸۲۵ھ) نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی اس وصیت پر اسی طرح عمل کیا گیا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ ۱۰ رمضان ۷۵۷ھ شب جمعہ کو یہ آفتاب علم وعرفان غروب ہوگیا۔ آپ کی وفات سے وہ سلسلہ خواجگان چشت جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے ایک تسلسل کے ساتھ چلا تھا اپنے اختتام کو پہنچا۔ اب آپ کے بعد متعدد سلسلے چلے لیکن یہ چراغ دہلی اپنے مرشد کا خرقہ اپنے ساتھ ہی کفن میں لے کر چلے گئے۔

چشتی سلسلہ کے اس دور کے تین اور نامور بزرگ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے خواجگان چشتیہ آگے دو لائنوں میں چلے (۱) حضرت علی احمد کی لائن میں شیخ شمس الدین ترک پانی پتی (۷۶۵ھ) اور حضرت امیر خسرو دہلویؒ (۷۸۶ھ)، اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی لائن میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (۷۵۷ھ)، شاہ محمد اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ) یہ نو حضرات ہوئے۔ سید السادات حضرت شیخ گیسو دراز (۸۲۵ھ) اس سلسلے کے دسویں بزرگ ہیں۔ انہوں نے چراغ دہلی شیخ نصیر الدینؒ کو آخری غسل دیا۔ پہلے چھ بزرگوں کے ساتھ ہم ان چار بزرگوں کا بھی یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔ یہ دس حضرات سلسلہ چشتیہ کے دور اول کے اساطین ہیں۔ اس امت کے دوسرے ہزار سال میں اس سلسلہ میں کون کون بزرگ زیادہ نامور ہوئے۔ ان کا ذکر ہم انشاء اللہ العزیز دوسرے ہزار سال کے بزرگوں میں کریں گے۔ واللہ ہو الموفق والمعین۔

(۷) خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی (۷۶۵ھ)

آپ ترکستان کے سادات میں سے تھے۔ والد کا نام خواجہ احمد یسوئی تھا۔ خواجہ شمس الدین نے علم شریعت حاصل کرنے کے بعد راہ سلوک میں قدم رکھا اور اللہ والوں کی طلب میں ہندوستان کا رخ کیا اور پاک پتن میں حضرت بابا صاحب سے ملے کچھ روحانی تربیت کے بعد حضرت بابا صاحب کے حکم سے کلیر پہنچے اور وہیں حضرت علی احمد سے بیعت کی۔ آپ نے انہیں اپنا فرزند قرار دیا اور انہیں کہا:۔

شمس الدین تو میرا بیٹا ہے میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ ہمارا یہ سلسلہ
تمہارے ذریعہ سے جاری ہو اور قیامت تک جاری رہے۔

(تذکرۃ الاولیاء ص: ۱۶۷)

آپ نے یہ کہا اور اپنی ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پھر گیارہ سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ شیخ نے اب آپ کو پانی پت جانے کا حکم دیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو خدا کا نام بتائیں اور اس کی راہ پر لائیں۔

آپ ہندوستان تو چلے آئے لیکن شیخ بن کر بیٹھنے کی آپ نے ہمت نہ کی اور سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں دہلی میں ملازمت کرلی۔ ایک قلعہ کی فتح کے دوران سلطان پر آپ کا روحانی مقام کھل گیا۔ بادشاہ نے آپ سے معذرت کی اور کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے عہد میں موجود ہیں
لیکن ہزار افسوس کہ میں ابھی تک قلعہ چتوڑ فتح نہیں کرسکا۔"

حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے خدا نے چاہا تو فتح ہوگی۔ غیاث الدین بلبن نے ایسا ہی کیا اور قلعہ معاً فتح ہوگیا۔ اپنا روحانی مقام کھل جانے کے باعث آپ اب فوج میں نہ رہ پائے اور حسب ارشاد مرشد اب پانی پت کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بوعلی قلندر بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ بوعلی قلندر، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے ان کے والد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے تھے۔ شیخ بوعلی قلندر نے ۷۲۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترک نے ایک دودھ بھرا پیالہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس پر گلاب کا پھول رکھا اور دودھ گرنے نہ پایا۔ خادم نے پھر وہ پیالہ حضرت کی خدمت میں پیش کردیا۔ اس میں آپ نے حضرت خواجہ شمس الدین کو یقین دلایا تھا کہ آپ کی روحانی سلطنت میں میری وجہ سے کوئی تخفیف نہ آئے گی۔ میں آپ کے ساتھ پانی پت میں گلاب کے پھول کی طرح رہوں گا جس کا پھیلاؤ پہلے دودھ کو کہیں نہ گرائے۔ حضرت بوعلی قلندر حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے نسبت رکھتے تھے۔

خواجہ شمس الدین ترک کے بڑے خلفاء میں کبیر الاولیاء شیخ جلال الدین پانی پتی (۷۶۵ھ) بھی ہوئے۔

(۸) حضرت امیر خسرو (۷۸۶ھ)

ابو الحسن نام اور خسرو تخلص تھا۔ والد کا نام سیف الدین لاچین تھا اور وہ بلخ کے رہنے والے تھے، آپ کے نانا کا نام عماد الملک تھا۔ سلطان التمش کے دور میں ہندوستان آئے اور ضلع ایٹہ میں موضع پٹیالی میں خیمہ زن ہوئے محبوب الٰہی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے سلوک کی منزلیں طے کیں، شعرو ادب میں بڑا اونچا مقام پایا، ملک الشعراء کہلائے۔ اہل ایران نے ہند میں سے صرف ان کی فارسی دانی کا سکہ مانا ہے۔ عبادت و ریاضت سے آپ کو غیر معمولی لگاؤ تھا۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی اس شہادت کے بعد اور کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ فرماتے ہیں۔

> "قیامت کے روز اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ آخرت میں تو اپنے لیے کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس ترک (امیر خسرو) کے سینے کی سوزش لایا ہوں۔"

اپنے مرشد سے والہانہ محبت کا عجیب واقعہ

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی وفات کے وقت آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ بنگال گئے ہوئے تھے۔ آپ بے تاب ہو کر دہلی دوڑے اور آتے ہی شیخ کے مزار پر آ گرے۔ ایک چیخ کی آواز آئی آپ نے کہا۔

> "تعجب ہے کہ آفتاب زمین میں چھپ جائے اور خسرو زندہ رہے۔"

آپ پھر دنیا میں اتنا ہی زندہ رہے جتنا عرصہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء حضور اکرم ﷺ کے بعد دنیا میں زندہ رہی تھیں۔ ۸ شوال ۷۸۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت محبوب الٰہی نے ایک درویش کو اپنی جوتیاں دی تھیں وہ درویش کہیں آپ کے پاس سے گزرا آپ نے اسے کہا مجھے تجھ سے اپنے مرشد کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر آپ نے اس سے وہ جوتیاں پانچ لاکھ روپے میں خریدیں اور انہیں سر پر رکھ کر عجیب جذب و کیفیت سے چلے۔ یہ رقم بادشاہ نے آپ کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دی تھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۹) شیخ محمد اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ)

تاریخ اسلام کئی ایسے لوگوں کا بھی پتہ دیتی ہے جنہوں نے خدا کی لگن میں تاج و تخت کو چھوڑا اور آخرت کی فکر دنیا کی ہر فکر سے مقدم رکھی۔ ان میں عراق کے حضرت سید محمد اشرف سمنانی بھی ہیں جو حضرت خضر کے ارشاد پر وارد دیار ہند ہوئے اور بخارا اور سمرقند سے ہوتے ہوئے اوچ (ملتان) وارد ہوئے۔ آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ والی سلطنت ہوئے آپ کے حالات لطائف اشرفی ایک مستقل کتاب میں دو جلدوں میں ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی سے شائع ہوئے۔ یہ آپ کے حالات، آپ کے کمالات اور آپ کی کرامات کا ایک قیمتی مجموعہ ہے۔

آپ نے سلطنت سمنان اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کی اور اوچ میں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضری دی، آپ نے انہیں کہا کہ حضرت شیخ علاؤ الدین چشتی تمہارے منتظر ہیں دیکھنا کہیں رستے میں نہ رک جانا۔ حضرت شیخ، حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ سراج الدین کے خلیفہ تھے۔

حضرت سید محمد اشرف سمنانی نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے اوچ میں بھی پورا روحانی فیض پایا اور پھر دہلی حاضر ہوئے یہاں کے بہت سے اہل کمال سے ملاقات کی وہاں سے صوبہ بہار میں آئے یہاں حضرت شرف الدین منیری کا جنازہ پڑھایا کچھ دن آپ ان کے مزار پر بھی مراقبہ میں رہے اور پھر آپ نے بنگال کا رخ کیا اور پنڈرہ (ایک گاؤں) کے قریب حضرت شیخ علاؤالدین آپ کے استقبال کے لیے نکلے، آپ نے وہیں ان سے بیعت کی اور ان کے حضور بارہ سال تک وادی سلوک میں رہے آپ کو جہانگیر کا لقب بھی حضرت شیخ نے دیا اور آپ نے سلسلہ چشتی میں خلافت بھی ان سے پائی، اوچ میں بھی آپ نے حضرت مخدوم جہانیاں سے بہت روحانی کمالات حاصل کیے تھے۔ اب حضرت شیخ علاؤالدین نے آپ کو جونپور جانے اور وہاں کی آبادیوں کو سلوک و احسان کی راہوں کی تلقین و تربیت کا حکم فرمایا۔ آپ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی سے اکتساب فیض کے لیے ماوراء النہر بھی گئے اور ان سے بھی عظیم روحانی فیض پایا۔

حضرت شیخ کبیر سرور پوری اور قاضی شہاب الدین جیسے بڑے بڑے حضرات بھی آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کی خلافت پائی۔ قاضی شہاب الدین کو آپ نے ہی ملک

العلماء کا خطاب دیا تھا، آپ خود بھی اپنے وقت کے ایک بڑے جلیل القدر عالم تھے۔

آپ اودھ بھی گئے اودھ کے حاکم نواب سیف اللہ خاں کو بھی اپنے حلقے میں جگہ دی، اس نے آپ سے خرقہ خلافت پایا، اودھ کے نامدار عالم شیخ شمس العلماء نے بھی آپ سے خلافت پائی۔ آپ بنارس بھی گئے اور وہاں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا۔

آپ اپنے اہل اقتدار متوسلین کو سورہ مجادلہ کی تلاوت کی تلقین کرتے۔ سلطان ابراہیم شاہ شرقی آپ کا مرید تھا اس نے نفاذ شریعت کے لیے فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب کرایا۔ یہ عظیم خدمت ملک العلماء قاضی شہاب الدین نے سرانجام دی۔ آپ نے سید عبدالرزاق الملقب بہ نورالعین کو اپنا جانشین بنایا اور وفات کے وقت اپنے بزرگان چشت کے تبرکات ان کے سپرد کیے۔

حضرت سید محمد اشرف سمنانی کی تعلیمات

آپ نے فرمایا:

کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں بن سکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہ ہو۔ آپ کی تعلیمات (۱) بشارات المریدین، (۲) مکتوبات اشرفی اور (۳) لطائف اشرفی میں بڑی تفصیل سے ملتی ہیں۔ آپ نے اپنے عقیدہ توحید کو بڑے بسط سے بیان فرمایا ہے اور اس کی اس طرح مختلف پہلوؤں سے تفصیل کی ہے۔

۱۔ توحید ایمانی، ۲۔ توحید علمی،

۳۔ توحید رسمی، ۴۔ توحید حالی۔

۱۔ توحید ایمانی

قرآن پاک اور حضورؐ کے ارشادات کو صدق دل سے حق جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہے۔ تصدیق رسالت ہر بات میں ہو اس سے طالب کو توحید ایمانی میسر آتی ہے۔

۲۔ توحید علمی

اپنے ادراک باطن سے توحید ایمانی کو درجہ یقین میں لانا کہ پوری کائنات میں ایک اللہ کے سوا کوئی موجد حقیقی اور موثر مطلق نہیں ہے۔ یہ مرتبہ توحید مراقبہ سے ملتا ہے اور

توحید ایمانی توحید برہانی میں آجاتی ہے

۳۔توحید رسمی

مطالعہ کائنات سے اپنی ذہانت سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ ساری دنیا کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہے۔ یہ توحید رسمی کسی کو کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ طالب اس عقیدہ کو رسالت کی راہ سے نہ پائے ہاں توحید ایمانی پا چکا ہو تو یہ مطالعہ کائنات بھی اہل دانش کو بہت فائدہ دیتا ہے۔

۴۔توحید حالی

یہ سالک کا اپنے خالق اور مالک کے درمیان میں اس درجہ ڈوب جانا ہے کہ اسے اس کی ذات وصفات کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے اس میں سالک کے اپنے لوازم بشریت سب فنا ہو جاتے ہیں۔

یہ مرتبہ مومن کو رات کے اندھیروں میں خدا کے ذکر اور کثرت نوافل سے ملتا ہے اس میں سالک کا نصیب کبھی اتنی مقبولیت بھی پالیتا ہے کہ خدا خود اس کا کان ہو جائے جن کانوں سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جائے جس آنکھ سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ ہو جائے جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جائے جس سے وہ چلتا ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری جلد:۱،ص)

اس مقام پر اگر اسے طی الارض جیسی کرامتیں نصیب ہو جائیں تو یہ کوئی محل تعجب نہیں، اب وہ سالک اپنی ذات سے باقی نہیں رب العزت کے ارادہ سے حالی ہے۔

پیر و مرید کے اپنے اپنے آداب

حضرت شیخ سمنانی کے ہاں شیخ اور طالب کے اپنے اپنے آداب ہیں اور انہی سے وہ سلوک و احسان میں کسی درجے تک پہنچتا ہے۔ لطائف اشرفی میں اس کی پوری تفصیل دی گئی ہے۔

شیخ کے آداب تربیت

۱۔ مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر وہ راہ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو۔

(ج:۱،ص:۱۸۱)

۲۔ وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو۔ (ج:۱،ص:۱۸۵)

۳۔ وہ صاحب ایثار ہو۔ (ج:۱،ص:۱۸۶)

۴۔ اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو۔ (ج:۱،ص:۱۸۸)

۵۔ وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو۔ (ج:۱،ص:۱۸۹)

۶۔ اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو۔ (ج:۱،ص:۱۹۰)

۷۔ وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو۔

(ج:۱،ص:۱۹۱)

۸۔ اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالح میں مانع نہ ہو۔

(ج:۱،ص:۱۹۴)

۹۔ وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو۔ (ج:۱،ص:۱۹۶)

۱۰۔ وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور۔ (ج:۱،ص:۱۹۸)

اب جو پیر اپنے مریدوں سے چاہیں کہ جب وہ آئیں تو مرید ان کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں اور ہر آمد پر پیروں کی یہی شان استقبال رہے ظاہر ہے کہ وہ پیر جو اپنے اہل و عیال کا خرچہ بھی ان پر ڈالیں، بزرگوں کے طریقہ پر نہیں ہیں۔

اب مرید کے آداب بھی ان پہلے بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لیے فتح الباب سمجھتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۰)

۲۔ وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۱)

۳۔ دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو۔

(ج:۱،ص:۲۰۲)

۴۔ شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۳)

۵۔ اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو۔

(ج:۱،ص:۲۰۴)

۶۔ شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۵)

۷۔ شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ

کہتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۶)

۸۔ شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو اس کو افشا نہ کرتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۶)

۹۔ شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو۔ (ج:۱،ص:۲۰۹)

۱۰۔ شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنے فہم کا خیال رکھتا ہو۔

(ج:۱،ص:۲۱۰)

حضرت شیخ سمنانی یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:۔

۱۔ اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو،

۲۔ اس کو خدا سے براہ راست حقائق حاصل ہوں،

۳۔ اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت کی (یعنی قربت) ہو،

۴۔ علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو،

۵۔ علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو۔ (ج:۱،ص:۲۵۵)

پیر کامل کے ہاں مرید صادق کی تعلیم

مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہوتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے پھر دل کی صفائی کی زیادتی ہے سفید ہو جاتا ہے آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے اور جب اس نور کا عکس نورِ روح پر پڑتا ہے تو دل اور روح کے سارے حجابات نظر سے دور ہو جاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت، نہ حد ہے نہ مثل، نہ تمکین ہے نہ تمکن اور اس کے لیے نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ عرش ہے نہ فرش۔ یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔

توبہ سے کیا مراد ہے؟

توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غصب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے (ج:۲،ص:۱۵۰)۔ پھر توبہ

کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

شریعت طریقت کے آئینہ میں

حضرت علی ہجویری نے کشف المحجوب میں عبادات ظاہرہ سے جس طرح پردے اٹھائے ہیں اور بحر شریعت کا دوسرا کنارہ طریقت کے پیرائے میں پیش کیا ہے اسے آپ نے پے در پے کشف حجابات سے تعبیر کیا ہے، یہی کشف المحجوب ہے۔ حضرت شیخ سمنانی بھی اسی طرح اعمال شریعت کے پیچھے طریقت کا آئینہ رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی ہجویریؒ سے بہت متاثر ہیں اور آپ سالکین کی تربیت میں اسی طرز پر چلے ہیں۔ محترم سید صباح الدین عبدالرحمٰن آپ کی تعلیمات طریقت اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

نماز کے لیے ایک سالک وضو کرتا ہے تو اس لیے کہ:

۱۔اس کی جسمانی طہارت ہو،

۲۔اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام و وساوس سے پاک ہو،

۳۔اس کے حواس باطن پاک ہوں،

۴۔اس کی روح پاک ہو۔

نماز میں خشوع وخضوع ضروری ہے ورنہ اس کی مثال قالب بے جان کی ہوگی۔

نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے:۔

۱۔حضور قلب، ۲۔فہم معانی، ۳۔تعظیم ماہیت،

۴۔خوف ورجا، ۵۔حیا۔

نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

(ج:۲،ص:۱۵۶)

سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کر کے خود اپنے نفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح اپنے

باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے۔ (ج ۲، ص ۱۵۸)

شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم سے پاک ہو۔ اولیاء و مشائخ علم سلوک کو سمجھائیں۔ مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق و معارف کی تعلیم دیں۔

ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق و عوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے۔ عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے۔ جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے۔ جب صفا و مروہ میں سعی کے لیے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لیے ذبح کر دیتا ہے۔ (ج:۲، ص:۱۶۳)

حضرت اشرف جہانگیر نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے (ج:۲، ص: ۱۶۵) اور اگر کوئی معذور ہو اور وہ حج کرے اور حج نہ بھی کرے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے۔ رسول ﷺ کی یہی تعلیم ہے۔

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے۔ توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کرلے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور واپس لے لیتا ہے لیکن وہ بہر حال روزی پہنچاتا ہے اس لئے اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی لیکن اس کا دل روزی

کے عدم و وجود کو برابر سمجھے۔ (ج:۲،ص:۲۴۲)

خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو یہی تسلیم و رضا ہے لیکن ہر حال میں روزی کے لیے کسب کرنا لازم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیر کے ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

> حضرت قدوۃ الکبراء نے فرمایا، اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے۔ اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچتے ہیں اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لیے جائز بلکہ لازم ہے۔

(ج:۲،ص:۲۴۳)

> کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے۔ (ج:۲،ص:۲۴۷)

حضرت اشرف جہانگیر نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں:۔

> زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔
>
> ایک سالک کے لیے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں:۔
>
> ا۔ جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہوں، ۲۔ کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے، ۳۔ راضی برضا ہو کر کھاتا ہو،

۴۔کھانا عبادت وطاعت کے لیے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لیے چار چیزیں سنت ہیں:۔

۱۔کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے، ۲۔کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد للہ کہے، ۳۔کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے، ۴۔کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھائے اور بایاں پاؤں گرادے۔

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا گر جاتا ہو تو اس کو کھالیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو۔ (ج:۲،ص:۱۸۷)

سالک پر مہمانداری کے یہ فرائض ہیں:۔

وہ مہمان کو اپنے لیے باعث برکت سمجھے۔ وہ آئے تو ماحضر یا شربت حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے، اس کی خاطر داری میں اپنے اوپر تکلیف نہ اٹھائے، اگر قدرت ہو تو حسب طاقت تکلیف اٹھائے اور اعزہ اقربا کو بھی بلائے لیکن ان کو بلانے میں امیر وغریب کا امتیاز نہ کرے۔ مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے بلکہ خود کھانا لے آئے۔ کھانے کا آغاز مہمان ہی کرے، کھانے میں مہمان کو جلد کرنے کی فہمائش نہ کرے، مہمان کے سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے۔ (ج:۲،ص:۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے۔ دائیں بائیں نہ دیکھے ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے۔ اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے۔ (ج:۲،ص:۱۹۵) (تذکرہ اولیاء کرام ص:۳۶۲ ادبستان)

(۱۰) سید السادات شیخ گیسو دراز (۸۲۵ھ)

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوالفتح تھی، صدرالدین لقب تھا، والد کا نام یوسف تھا، لوگ انہیں سید راجہ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ آپ سیدنا حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے تھے۔

یہ خاندان ہرات میں اقامت گزیں تھا پھر یہ حضرات دہلی آگئے، یہیں ۷۲۱ھ میں ابوالفتح سید گیسو دراز کی ولادت ہوئی۔ دہلی میں آپ نے چراغ دہلی حضرت شاہ نصیرالدین کا اسم گرامی اپنے نانا سے سن رکھا تھا، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ علم شریعت بھی آپ نے اپنے بزرگوں سے پڑھا تھا۔ آپ نے قرآن کریم کی ان آیات کے جن سے طریقت کے چشمے پھوٹتے ہیں پہلی مختلف تفاسیر سے تفسیری نوٹ یکجا جمع کیے آپ کا یہ التقاط تفسیر الملتقط کے نام سے معروف ہے۔ آپ کی لکھی تفسیر "الملتقط" لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔

مخدوم محترم پیر طریقت سید انور حسین نفیس رقم حضرت مرحوم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے اس کی نقل حاصل کرنے میں جو محنت شاقہ اٹھائی وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔

آپ نے اس کا عکسی فوٹو ۷۳۲ اور ۱۰۵ صفحات دو جلدوں میں مکتبہ نفاس القرآن لاہور سے شائع کردیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

حضرت شاہ نصیرالدین چراغ دہلی نے اپنے شیخ کا عطا کردہ خرقہ اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی اور ساتھ ہی اپنے شیخ کا عطا کردہ عصا اپنے ساتھ قبر میں رکھوا لیا تھا۔ اس سے تمام تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ آپ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، یہ صحیح نہیں، خود حضرت محمد ابوالفتح گیسو دراز سے کہا لوگوں سے بیعت لیا کرو۔

> آپ نے ہی حضرت چراغ دہلی کو غسل دیا تھا بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، جس پلنگ پر غسل دیا تھا آپ نے اس کی رسیاں پلنگ سے الگ کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ یہ میرا خرقہ ہے۔

(تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص: ۱۱۱)

خواجگان چشت کا فیض دکن میں

جس طرح حضرت بابا فریدالدین گنج شکر حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے یہ روحانی دولت لے کر پاک پتن آئے اور آپ کے فیض الطاف سے پنجاب اور سندھ میں حضرات خواجگان چشتیہ کا فیض پہنچا۔ حضرت خواجہ محمد ابوالفتح گیسو دراز آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی دہلی سے نکل پڑے، آپ نے دہلی میں بیالیس ۴۲ سال کے قریب دنیا کو خدا کا

نام بتایا تھا اور اس باطنی نسبت سے آشنا کیا جس کے چراغ کبھی نہیں بجھتے۔ اب آپ نویں صدی شروع ہوتے ہی ۸۰۱ھ میں دکن کے شہر گلبرگہ میں مقیم ہوئے۔ ان دنوں دکن میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کی حکومت تھی۔ آپ نے یہاں زندگی کے چوبیس ۲۴ سال طالبین و سالکین کو اللہ کا نام بتایا اور اس کا پتہ دیا۔ آپ نے خواجگان چشت میں سب سے لمبی عمر پائی اور ۱۰۴ سال کی عمر میں ۸۲۵ھ میں سفر آخرت پر چلے گئے۔ آپ کے خلفاء میں گوالیار کے مولانا علاؤالدین، ان کے بیٹے مولانا رکن الدین، مولانا محمد علی سامانی مولف سیر محمدی خاص طور پر معروف ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

آپ دکن میں بہت ہی ہر دل عزیز ہوئے ان علاقوں کے رہنے والے ہمیشہ ان کے گرویدہ اور فرمانبردار رہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے:۔

سرداری، علم اور ولایت آپ کی ذات میں جمع تھے ...... اسرار حقیقت جس طرح انہوں نے کھولے وہ انہی کا حصہ ہے۔

علم سے مراد علم شریعت اور ولایت سے مراد علم سلوک ہے خواجگان چشت میں سے کسی نے اتنا علمی ذخیرہ نہیں چھوڑا جو آپ نے سپرد قلم فرمایا۔ سہروردی سلسلہ کے بزرگوں شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) کی کتابیں آداب المریدین اور عوارف المعارف تصوف کی قدیم علمی کتابیں تھیں۔ آپ نے ان کی شرحیں لکھیں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کی بھی شرح لکھی۔ آپ کی تالیفات میں اسماء الاسرار شرح رسالہ قشیریہ حدائق الانس بھی خاصی معروف ہیں۔

دوسرے کئی چشتی بزرگوں کی طرح آپ بھی سماع کے قائل تھے لیکن شریعت کی پوری پابندی کرتے اور کراتے تھے۔

یہ دور اول کے دس چشتی حضرات کا ذکر ہے اب ہم اس پہلے دور کے کچھ سہروردی حضرات کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

سہروردی سلسلے کے پہلے بزرگ

سہروردی سلسلے کے پہلے بزرگ عراق سے اٹھے اور پھر ان کا فیض ہندوستان بھی پہنچا اور ان کی اس راہ کی خدمات سے برصغیر پاک و ہند ان حضرات کی روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوا۔ اس سلسلہ کے پہلے بزرگوں میں حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۹۳ھ) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) اس راہ کی علمی اور تاریخی خدمات میں گوئے سبقت لے گئے۔ آج اس موضوع کا کوئی طالب علم ان کی کتابوں سے مستغنی نہیں گو وہ سلوک وطریقت کی کسی راہ سے بھی اس وادی میں آیا ہو۔ سہرورد علاقہ بغداد میں ایک گاؤں کا نام ہے ہم یہاں سہروردی سلسلہ کے چند ان بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں جو راہ سلوک کی اس محنت کے لیے ہندوستان میں آئے۔ ان میں سرفہرست شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ حمید الدین ناگوری (۶۴۱ھ) ہیں۔ اس سلسلہ کے دوسرے بزرگ بہاؤالدین زکریاؒ (۶۶۶ھ) اور پھر ان کے بیٹے اور جانشین صدرالدین عارف (۶۸۴ھ) ہیں۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن دین (۷۳۵ھ) بھی اس سلسلہ کے نہایت روشن چراغ گزرے ہیں۔ پھر ہندوستان میں اس سلسلہ کے ایک اہم بزرگ شیخ ضیاء الدین نخشبی (۷۵۱ھ) ہوئے ہیں۔ پہلے ہم دس چشتی حضرات کا مختصر تعارف کرا چکے ہیں آیئے اب سہروردی سلسلہ کے دس حضرات کا بھی کچھ تعارف کرادیں جو سب سے پہلے وارد دیار ہند ہوئے۔ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں (۷۸۵ھ) اس سلسلہ میں بہت نامور ہوئے۔ ان حضرات کی محنتوں اور ریاضتوں سے آج برصغیر پاک و ہند کی ایک دنیا احسان اور سیر و سلوک سے آباد ہے۔

(۲) برصغیر پاک و ہند میں سہروردی بزرگوں کا چشمہ ولایت

(۱) حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ (۶۴۱ھ)

آپ بخارا کے رہنے والے تھے، شہاب الدین غوری کے دور میں بخارا سے ہندوستان آئے ان کے عہد میں دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قطب ولایت تھے، آپ ان کے پاس بھی کافی عرصہ رہے اور ان سے سیر وسلوک کی راہ میں بہت نفع اٹھایا۔ وفات کے بعد آپ انہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ شیخ طریقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی مولف عوارف المعارف سے

بیعت اور صاحب خلافت تھے اور آپ میں سہروردی اور چشتی دونوں نسبتیں جمع تھیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

او جامع بود میان علوم شریعت وطریقت وحقیقت (اخبار الاخیار ص:)

سیر العارفین میں آپ کو علم و وقار کا کوہ قاف اور بحر اسرار کا منبع انوار کہا گیا۔ تاہم آپ اکثر مشائخ چشتیہ کی طرح محفل سماع کے بھی دلدادہ رہے۔ اس وجہ سے مولانا رکن الدین سمرقندی جو اس وقت کے نہایت جید عالم تھے، آپ کے خلاف ہو گئے تھے لیکن آپ اپنی راہ میں عجیب شان بے نیازی سے چلے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کی بہت سی تالیفات کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس وقت آپ کی ایک کتاب طوالع الشموس کا ہی پتہ ملتا ہے۔ اس میں اللہ رب العزت کے ننانوے ناموں کی شرح ہے جو دو جلدوں میں ہے اس میں ہر جگہ اسرار حقیقت کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔

(۲) حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی (۶۶۶ھ)

سہروردی سلسلہ کے پہلے بزرگ جو برصغیر میں مقیم ہوئے شیخ حمید الدین ناگوری تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے دوسرے بڑے خلیفہ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ہیں۔ آپ کا مزار ملتان میں مرجع خواص و عوام ہے۔ آپ کے نام سے ملتان میں بہاؤالدین یونیورسٹی قائم ہوئی۔ اس نام سے ملتان سے بہاؤالدین زکریا ٹرین کراچی تک چلتی ہے۔

شیخ بہاؤالدین کے دادا حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے چنگیز خاں کے دور میں خوارزم آئے اور وہاں سے وہ ملتان آئے۔ یہیں آپ کے والد شیخ وجیہ الدین پیدا ہوئے۔ ان کی شادی ملتان کے ہی ایک عالم شیخ حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے ہوئی اور اس سے شیخ بہاؤالدین زکریا پیدا ہوئے۔

حضرت نے دینی تعلیم کہاں پائی؟

قرآن کریم کے حافظ تھے اور سبعہ کے قاری تھے۔ آپ تعلیم کے لیے خراسان گئے

اور سات سال مختلف علماء کی خدمت میں حاضری دی۔ خراسان سے بخارا گئے، بخارا سے حج کے ارادہ سے حجاز کا رخ کیا، مدینہ میں پانچ سال قیام کیا۔ مدینہ میں مولانا کمال الدین یمنی سے حدیث پڑھی پھر بغداد آئے، یہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سترہ دن میں خرقہ خلافت پایا۔ شیخ نے ملتان لوٹنے کا حکم دیا اور آپ بحکم شیخ ملتان میں فروکش ہوئے۔ یہاں آپ نے پورے پنجاب اور سندھ کو اپنی روحانی تجلیات کا مرکز بنایا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) شیخ بہاؤالدین زکریا کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ہندوستان کے بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحب کرامات اور صاحب مقامات تھے۔ حسینی اور شیخ فخرالدین عراقی جیسے حضرات آپ کے فیض باطنی سے مستفیض ہوئے۔

(اخبارالاخیار)

آپ کے دور میں ملتان کی سیاسی صورت حال

آپ کے دور میں ناصرالدین قباچہ جو تخت دہلی کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا، قطب الدین ایبک کے بعد مرکز دہلی سے علیحدہ ہوگیا اور اس نے سلطان التمش کے مقابل ملتان میں ایک متوازی حکومت قائم کرلی تھی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کی ہمدردیاں سلطان التمش کے ساتھ رہیں۔ وہ زاہد اور متقی شخص تھا اور فقراء اور اولیاء کا بڑا خدمت گزار تھا۔ آپ نے اس سے ذرا بے رخی نہ کی۔

آپ کی عائلی زندگی

آپ نے دو نکاح کئے۔ پہلی بیوی سے آپ کے جانشین شیخ صدرالدین سہروردی پیدا ہوئے۔ آپ صدرالدین عارف کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسری بیوی سے چھ لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ملتان کے قریشی لوگ بیشتر آپ سے ہی نسبت رکھتے ہیں۔

آپ کے خلفاء کرام میں شیخ فخرالدین عراقی، شیخ حسن افغانی، شیخ امیر حسینی اور شیخ نجیب الدین سرفہرست ہیں۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کی تعلیمات

آپ فرماتے ہیں:۔

۱۔ عبادات وافکار میں شرک اور بدعت سے پرہیز کیا جائے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے باطنی احوال کو درست کرے۔

۲۔ ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو، ذکر ہی سے طالب ذات باری تک پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ محبت ایک ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ اللہ کی محبت ایسی پیدا کرو کہ دل کا سب میل کچیل اس سے جل جائے۔

۴۔ بدن کی سلامتی تھوڑا کھانے میں ہے اور روح کی سلامتی گناہ سے دور رہنے میں ہے۔

درود میں دین کی سلامتی کا راز

درود میں بندہ مومن اللہ رب العزت سے حضور اکرم ﷺ کے لیے رحمت مانگتا ہے اس سے دو عقیدے بنتے ہیں:۔

۱۔ اللہ کی رحمت بے پایاں ہے، اس کا کوئی نقطہ انتہاء نہیں۔ وہ لامحدود صفات رکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ پر کروڑوں رحمتیں فرما کر بھی اللہ کی رحمت کہیں ختم نہیں ہوتی، وہ چاہے تو اتنی رحمتیں اور فرما دے اس کے خزائنِ رحمت میں پھر بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ عقیدہ نہ ہوتا تو طالب حضور ﷺ کے لیے دن رات اور رحمتوں کی دعائیں کیوں مانگتے۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ جس رحمت سے دن رات نوازے جارہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کمالات علمی ہوں یا عملی کبھی اپنے نقطہ انتہاء کو نہیں پہنچتے۔ ہر آن ان میں اضافہ ہورہا ہے۔ سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات آپ کو دینے تھے سب دے دیئے۔ (علم بھی کل عطا فرما دیا اب اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ معاذ اللہ) آپ کا علم بھی ہر آن بڑھتا ہے۔

آپ کا علم مبارک کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرا ہر آن اس میں اضافہ وازدیاد ہے۔ نہ اللہ کا دینا ختم ہوتا ہے، نہ آپ کا لینا ختم ہوتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ دینے والا اور لینے والا کسی سطح پر بھی کبھی برابر نہ ہوسکیں گے۔ یہ درود شریف ہے جس نے مسلمانوں کے عقیدہ توحید کو محفوظ کیا ہے کہ حضور ﷺ کے لیے لینے کی منزل کہیں ختم ہو نہیں پاتی۔

عیسائیوں میں اگر درود شریف ہوتا تو وہ کبھی شرک کی دلدل میں نہ گرتے۔

(۳) شیخ صدرالدین عارفؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے بیٹے تھے اور باپ کے طریق پر اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران ان پر قرآن کریم کے رموز و اسرار اترتے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:۔

دے را عارف ازاں گویند کہ ہر بار کہ ختم کلام اللہ کردے سمند فکرت

اللہ تعالیٰ نے آپ میں صلاحیت اصلاح خاص پیمانے میں اتاری تھی۔ آپ کی صحبت اور تربیت سے بہت سالکین منزل تک پہنچے۔ پھر ان مسترشدین نے اپنے گرد و پیش لوگوں کی اصلاح میں تاریخی کام کیا۔

۱۔ شیخ جمال خنداں نے اوچ کے لوگوں میں یہ محنت کی، ان کا مزار وہیں ہے لیکن شیخ صدرالدین عارف اپنے والد کے مقبرہ میں ایک طرف مدفون ہیں۔

۲۔ مولانا علاؤالدین خلجی نے بھی آپ سے بڑا فیض پایا، چودہ برس آپ کی خدمت میں رہے۔ شیخ صدرالدین انہیں اللہ کا محبوب کہتے تھے۔

۳۔ شیخ احمد قندھاری اپنے وقت کا ایک بڑا تاجر تھا۔ ملتان میں ایک دفعہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک لقمہ اسے کھانے کو دیا لقمہ کھاتے ہی اس کی دنیا بدل گئی وہ سات سال تک وہیں رہا ان سالکین میں یہ تاجر شیخ احمد معشوق کے نام سے معروف تھا۔

۴۔ خواجہ ضیاء الدین بھی مدتوں اپنے شیخ کی خدمت میں فروش رہے انہیں شیخ کے ملفوظات لکھنے کا بہت شوق تھا اور بھی متعدد طالبین آپ کے چشمہ تربیت سے مصلح ہو کر نکلے۔

آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ کنوز الفوائد کے نام سے معروف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اس کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔

حضرت شیخ صدرالدین کے ہمت افزاء اقوال

آپ نے طالبین و سالکین کی ہمت بندھانے کے لیے بہت سے تربیتی ارشادات فرمائے مثلاً:

۱۔ لا الٰہ الا اللہ، اللہ کا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ ہر طرح کے عذاب سے حفاظت پا گیا (آپ نے یہ بھی کہا کہ) قلعہ کی تین قسمیں

ہیں (۱) ظاہر، (۲) باطن، (۳) حقیقت۔

۱۔ اس قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف زدہ نہ ہو اور نہ کسی کے سہارے کے درپے ہو۔

۲۔ اس قلعہ کا باطن یہ ہے کہ اسے یقین ہو جائے کہ موت سے پہلے جو کچھ پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی ہے کچھ وقت کے لیے ہے اور اس پر فنا کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

۳۔ اس قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ بہشت کی آرزو اور دوزخ کے ڈر کے بغیر اللہ کی ذات میں کھو جائے اور اس سے علیحدہ نہ رہے جب وہ اس مقام پر آئے گا تو بہشت خود بخود اس کے پیچھے چلی آئے گی۔

آپ نے ایمان کے لوازمات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔عقیدہ توحید

پوری رغبت و محبت اور معرفت سے دل میں یہ بات لائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے۔

۲۔ ایمان کی صحت

اگر بندہ کوئی نیک کام کرے تو اسے خوشی محسوس ہو اور اگر کوئی برا کام کرے تو اس کو ناگوار لگے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے ایمان کی صحت حاصل ہے۔

۳۔ ایمان بالرسالۃ

سب پیغمبر اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔

۴۔ ایمان کی استقامت

وہ صرف علما نہیں اپنے ذوق و حال سے اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ سے محبت رکھے۔آپ کے یہ چند نصائح بھی یادر ہیں۔

۱۔کوئی سانس ذکر کے بغیر نہ ہو، جو دم خالی ہے وہ دم غافل ہے۔

۲۔وسوسوں سے گریز چاہیے، وسوسے ذکر کے نور سے جل جاتے ہیں پھر دل میں نور اترتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ زبان سے ذکر کرنے والے کو دل کے ذکر کی توفیق دے دیتے ہیں پھر اگر زبان ذکر سے خاموش بھی رہے تو دل خاموش نہیں ہوتا یہی ذکر کثیر ہے۔

۴۔ باطن کا لگاؤ صرف خدا سے ہونا چاہئے اس کے سوا کسی سے بھی تعلق باطن ہو تو یہ نفاق ہے۔

(۴) شیخ فخر الدین عراقی (۶۸۸ھ)

حضرت بہاؤالدین زکریا کے بھانجے تھے۔ ہمدان کے قریب کسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام محمد شہریار تھا۔ ہمدان میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل کی۔ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی۔ نہایت بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ نے انہیں ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ آپ یہاں ملتان میں شیخ بہاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے شیخ فخر الدین کو اس طرح اپنی طرف کھینچا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ شیخ عراقی کے ساتھ کچھ قلندر رہتے تھے، وہ آپ کو ملتان سے دہلی لے گئے۔ آپ نے جب ان سے مخلصی پائی تو پھر دہلی سے ملتان چلے آئے۔ اب شیخ بہاؤالدین نے ان پر اپنی گرفت تیز کردی۔ اس دن انہیں اپنی صحبت میں رکھا اور ان پر پوری توجہ کردی۔ اب یہ انہی کے ہو کے رہ گئے۔ شیخ فخر الدین عراقی پر ایک عجیب کیفیت وارد تھی اور آپ نے اسی جذب میں کہا تھا:۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند
چو بے خود ساختند اہل طرب را
شراب بے خودی در کام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود
بہم بردند عشقش نام کردند

ترجمہ: پہلی شراب معرفت جب پیالے میں ڈالی تو ساقی نے اپنی مست آنکھ سے اسی وقت شکار کرلیا، جب خوش رہنے والے اہل طرب کو بے

خود کر دیا تو بے خودی کی شراب حلق میں اتار دی، دنیا میں جہاں کہیں
بھی رنج و بلا تھی جب سب کو اکٹھا کیا تو اس کا نام عشق رکھ دیا گیا۔
(اب خوشیوں میں رہنے والے اہل طرب رنج و بلا کی راہوں کے
مسافر ٹھہرے۔ اور انہوں نے اس راہ میں مشقوں پر مشقیں کیں)

جب ذات برحق نے خود ہی اپنا راز کھول دیا تو پھر مجھ پر بے خود ہونے کی جرح
کیسی؟ میں نے بھی تو اسے ہی نمایاں کیا ہے۔

عراقی اسی بے خودی میں پھر یہاں تک کہہ گئے:۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

ترجمہ: اس کوئے خرابات میں جس نے بھی رسائی پائی۔ پھر اس کی
حالت صحو ہو یا سکر اس میں وہ عین نماز میں ہے۔

یہاں اس نماز کا انکار نہیں جو راہ شریعت میں ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس نماز کے
علاوہ بھی اس راہ کے مسافر اپنے جملہ اوقات و لمحات اسی شان جذب میں رہتے ہیں۔ ایک نماز
پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہنے والوں کو بھی حالت نماز میں رہنے والوں کا نام دیا گیا
ہے۔ اہل جذب کے اس قسم کے اشعار پر وہی لوگ جرح کر سکتے ہیں جن کی نظر شریعت پر نہ ہو۔

اس سے انکار نہیں کہ فخر الدین عراقی پر جذب و اضطراب کی یہ کیفیت مستقل طور پر
رہی اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے انتقال پر آپ کے دوسرے خلفاء کرام آپ کے اس انداز
بیان کو پسند نہ کرتے تھے۔ آپ نے ان حالات میں ملتان چھوڑ دیا اور عدن چلے گئے، وہاں علماء
اور صلحاء نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور وہاں سے حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلے آئے۔

مدینہ منورہ سے آپ بلاد روم کی سیاحت کے لیے نکلے پھرنے کا آپ کو بہت شوق
تھا، قونیہ پہنچ کر آپ ابن عربی کے خلیفہ شیخ صدر الدین سے ملے، وہاں آپ نے فصوص الحکم کا
گہرا مطالعہ کیا اور اس موضوع پر ایک کتاب لمعات لکھی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ بڑے
بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔ ملا جامی نے اشعۃ اللمعات کے نام سے اور مولانا صائن
الدین اصفہانی نے ضوء اللمعات کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں۔ سیر العارفین میں عراقی کی
اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:۔

ارباب بصیرت پر یہ بات چھپی نہیں کہ لمعات روحانی فیض کے بادل کا ایک قطرہ ہے جو شیخ بہاؤالدین زکریا نے دریائے معرف سے فخرالدین کی زبان پر ڈالا۔

آپ کی قبر شیخ ابن عربی (۶۳۲ھ) کی قبر کے پاس ہے اور مشہور محدث شیخ کرمانی کی قبر بھی وہیں ہے۔

شیخ فخرالدین عراقی کی تصنیفات میں اللمعات کے علاوہ ایک مثنوی بھی ہے اور آپ کا ایک مستقل دیوان بھی ہے جو چھپ گیا ہوا ہے۔

(۵) مخدوم بدرالدین (ھ..)

آپ کے آباء محمد بن قاسمؒ کے ساتھ وارد سندھ ہوئے اور خیر پور میرس آگئے۔ مخدوم بدرالدین مخدوم نورالدین ولد وحیدالدین کے بیٹے تھے، آپ نے ۶۶۵ھ میں حضرت بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ مخدوم شاہ چمایہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سہروردی سلسلہ میں اپنے علاقہ میں ارشاد و اصلاح کا بہت کام کیا۔

(۶) شیخ صدرالدین احمد بن نجم الدین امیر حسینی (۷۱۹ھ)

آپ بھی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ اپنے حضرت کے داماد بھی تھے۔ آپ ہرات کے رہنے والے تھے، وہاں سے اپنے والد کے ساتھ ایک تجارتی سفر میں ہندوستان آئے اور ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں رہے اور پھر اپنے والد کے ساتھ ہرات چلے آئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد پھر آپ ملتان آئے اور تین سال متواتر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر رہے۔

تصوف میں آپ کی دو کتابیں خاص معروف ہیں۔

۱۔ نزہۃ الارواح ۲۔ طرب المجالس

نظم میں آپ نے "زاد المسافرین" اور "کنزالامور" لکھیں۔ زاد المسافرین کا آخری شعر ملاحظہ ہو، اس سے پتہ چلتا ہے آپ ۷۱۹ھ میں بقید حیات تھے:

در هفت صد و بست و نه زهجرت
گشت آفر این کتاب ختمت

مولانا جامی لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو نہایت لطیف اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس میں اپنے شیخ کی منقبت میں بھی کچھ اشعار لکھے ہیں۔

(۷) شیخ شرف الدین بوعلی قلندر (۷۲۴ھ)

سہروردی سلسلہ کے یہ بزرگ شیخ فخرالدین عراقی کے بیٹے تھے۔ یہ حضرات نسباً حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے کا نام شیخ نظام الدین تھا وہ بچپن میں ہی عراق سے ہندوستان آگئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شیخ فخرالدین عراقی بھی اپنے بیٹے کی محبت میں ہندوستان چلے آئے۔ آپ نے پانی پت میں قیام فرمایا، یہیں آپ کے ہاں شیخ بوعلی قلندر ۶۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وقت کے نامور علماء سے دین کی تعلیم حاصل کی مگر پھر جذب وسکر میں ایسے کھوئے گئے کہ قلندر آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ راہ سلوک کے مسافر آپ کو مست الست کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو رب العزت کے سوال الست بربکم کی لذت میں اس قدر کھو گئے کہ دیوانہ وار پھر وہ اسی کے ہو کر رہ گئے۔ اس مقام کے لوگوں کو مست الست کہتے ہیں۔

نوٹ: سہروردی سلسلہ کی اصل پہچان اس کے پہلے دو بزرگوں شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) کی کتابوں ''آداب المریدین'' اور ''عوارف المعارف'' سے ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں شریعت اور طریقت ہرگز کوئی دو متوازی راہیں نہیں۔ جذب وسکر میں اس راہ کا کوئی مسافر اگر کہیں راہ سے نکلا دکھائی دے تو وہ معذورین میں شمار ہوگا۔ مبتدعین میں نہیں، مبتدعین وہ ہیں جو نیت سے غیر دین کو دین بناتے ہیں، انہی کے لیے حدیث میں یہ وعید وارد ہے:۔

من أحدث فی أمرنا ما لیس منه فهو رد أو کما قال النبی ﷺ

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہ تھی وہ اللہ کے ہاں ہرگز لائق قبول نہیں۔

(۸) شیخ ابوالفتح رکن الدین رکن عالم (۷۳۵ھ)

آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پوتے تھے۔ خواجہ شمس الدینؒ نے انہیں رکن

عالم کا لقب دیا اور آپ اس نام سے ہی زیادہ معروف ہوئے۔ ملتان میں آپ کا مزار اسی نام سے معروف ہے۔ آپ نے تعلیم اپنے والد شیخ صدر الدین سے اور روحانی تربیت اپنے دادا سے پائی۔ ۳۶ سال کی عمر تھی کہ آپ اپنے والد کی مسند خلافت پر بیٹھے۔ ان دنوں دہلی میں خاندان چشتیہ کے بزرگ شاہ نظام الدین کا دور تھا، آپ ان کی ملاقات کے لیے اکثر دہلی جاتے۔ حضرت شاہ نظام الدین بھی آپ کا بہت اکرام فرماتے۔ یہ نسبت چشتیہ اور سہروردی کا قران السعدین تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کاملین ان نسبتوں کے فرق کی وجہ سے کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہے۔ چشمہ معرفت سب کا ایک رہا ہے۔

چشتیہ سلسلے کے بزرگ سماع میں بہت نرم گوشہ رہے ہیں، شرائط پورا کرتے یہ حضرات مجلس سماع قائم کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رکن عالم دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین کے پاس مقیم تھے کہ آپ کے ہاں مجلس سماع قائم ہوئی۔ حضرت شاہ نظام الدین پر وجد طاری ہو گیا، اس بے خودی میں آپ کھڑے ہونے لگے تو حضرت رکن عالم نے ان کا دامن پکڑ کر انہیں بٹھا دیا، کچھ لمحات کے بعد پھر حضرت شاہ نظام الدین وجد میں آئے اور بے خودی میں کھڑے ہو گئے اب شاہ رکن عالم نے انہیں نہ بٹھایا بلکہ اور مشائخ کی طرح خود بھی کھڑے ہو گئے، کسی عالم نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے پہلی مرتبہ تو حضرت شاہ صاحب کو کھڑے ہونے سے روکا تھا اب دوسری بار آپ نے انہیں کیوں نہ سنبھالا؟ آپ نے فرمایا:۔

> پہلی بار آپ ابھی عالم ملکوت تک پہنچے تھے وہاں تک میری رسائی ممکن تھی، میرا ہاتھ ان تک پہنچ گیا۔ دوسری بار آپ عالم جبروت تک پہنچے ہوئے تھے، وہاں تک میری رسائی نہ تھی اس لئے میں آپ کو روک نہ سکا۔ (سیر العارفین)

فقراء کے سلاطین وقت سے تعلقات

"بئس الفقیر علی باب الامیر" اس وقت ہے جب کوئی فقیر اپنی کسی غرض کے لیے کسی امیر کے دروازے پر آئے لیکن یہ شاہان فقر اس مقام پر تھے کہ خود شاہان سلطنت ان کے دروازوں پر حاضری دیتے تھے۔

حضرت شاہ رکن عالم کے تعلقات علاء الدین خلجی، قطب الدین خلجی، غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق سے بہت قریب کے رہے۔ یہ شاہان فقر ان سے بھی محض اس لئے مراسم

رکھتے تھے تاکہ جہاں تک ہوسکے وہ ان لوگوں کے کام آسکیں جوان شاہان سلطنت تک رسائی نہیں رکھتے۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں میں اچھا وہ ہے جو لوگوں کو ان کی ضرورتوں میں فائدہ دے سکے۔ حضرت شاہ رکن عالم حضرت شاہ نظام الدین کی وفات کے بعد دس سال زندہ رہے، آپ کا مرقد ملتان میں حضرت شاہ بہاؤالدین زکریا کے پاس ہی ہے۔

حضرت شاہ رکن الدین کے کشف و کرامات

ایک دن آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک اٹھے اور فرمایا جلد یہاں سے نکلو یہ عمارت ابھی گر جائے گی۔ سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لیے فرمایا وہ نکل نہ سکا اور آپ کھانا چھوڑ کر فوراً باہر نکلے، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب گیا۔ (تاریخ فرشتہ: ۲، ص: ۴۱۱)

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے آخری وقت میں آپ ان کے پاس دہلی میں تھے آپ نے ان سے گزارش کی کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے۔ اولیاء بھی انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہوگا۔ آپ کی حیات کچھ دن اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچاتے۔

حضرت شاہ نظام الدین نے کہا مجھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے
نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ (سیر الاولیاء ص: ۱۴۱)

حضرت شاہ رکن عالم کو ابوالفتح کی کنیت وصفی حاصل تھی یہ اس لیے کہ آپ اپنے نور باطن سے اپنے مریدوں کے دلوں کو پڑھ لیتے تھے۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی نماز جنازہ حضرت شاہ رکن عالم نے پڑھائی اور اسے آپ بہت بڑی عزت سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ رکن عالم کی تعلیمات

۱۔ جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) جنابت جسم اور (۲) جنابت دل۔ جنابت جسم جس کا سبب تو بالکل ظاہر ہے مگر دل کی جنابت ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہوجاتا ہے مگر دل کی جنابت ندامت کے آنسوؤں سے دور ہوتی ہے۔ یہ آنکھوں کا پانی ہے جو دل کی جنابت کو دھوتا ہے۔

۲۔ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے صورت اور صفت سے۔ ان میں سے قابل اعتناء

آدمی کی صرف صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ صرف تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اگر کسی کا دل بری صفات سے پر ہے تو اس کا شمار چوپایوں میں ہے۔ اوصاف ذمیہ کو دور کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔

۳۔ کسی بندے پر خدا کا فضل و رحمت ہے یا نہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے بھیدوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت بالکل اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔

۴۔ جب کسی کے دل پر اللہ کے انوار اترتے ہیں تو اس میں فرشتوں کے سے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس میں ظلم کی بجائے عفو، غضب کی بجائے حلم، کبر کی بجائے تواضع، بخل کی بجائے سخاوت، حرص کی بجائے بے نیازی کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۔ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً وعملاً و نیۃً باز رکھیں۔ لایعنی مجالس سے پرہیز کریں۔ بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں، انہیں اپنی آخرت کے بارے میں کچھ سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔ (ملخصاً لمافی اخبار الاخیار للشیخ عبدالحق)

اب آیئے آپ کو سہروردی سلسلہ کے ایک ساتویں بزرگ سے ملاقات کرادیں جو بہاولپور کے قریب اوچ شریف میں آرام فرما ہیں۔

(۹) ضیاء الدین نخشی (۷۵۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ آپ شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے شیخ فریدالدین ناگوری کے خلیفہ تھے۔ آپ کی کتاب سلک السلوک مسائل تصوف کے بیان میں ہے۔ شروع میں آپ نے مصطلحات تصوف کی کچھ شرح کی ہے پھر مسئلہ تصوف پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے کل ۱۵۱ اباب ہیں۔

عشرہ مبشرہ میں کلیات و جزئیات گل ریز بھی آپ کی تالیفات ہیں طوطی نامہ آپ نے ۷۳۰ھ میں لکھی، اس میں آپ نے ۵۲ کہانیاں لکھی ہیں جن میں آپ نے نہایت دلنشیں پیرائے میں مسائل تصوف سمجھائے ہیں اس میں آپ حضرت مولانا روم کے طرز پر چلے ہیں۔ آپ نے ان کہانیوں میں کہیں کہیں اپنے قطعات بھی دیئے ہیں جو آپ کے ذوق شعری کا

بہترین نمونہ ہیں۔

ایک مقام پر آپ نے یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت کعب احبار نماز کے لیے مسجد میں آتے تو پچھلی صف میں کھڑے ہوتے اپنے آپ کو پہلی صف میں نمایاں نہ کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ پہلی صف میں ثواب زیادہ ہوتا ہے لیکن آپ اصلاح نفس کے لیے اپنے آپ کو پچھلی صف میں رکھتے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

توریت میں ہے کہ آخری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ ابھی پہلی صف والوں نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل پچھلی صفوں کو بخش دے گا میں پچھلی صف میں اس لئے کھڑا ہوتا ہوں کہ ان اگلی صف والوں کے طفیل میرا کام بھی بن جائے۔

یہاں اس قطعے کو ملاحظہ فرمائیں:

نخشبی درمیاں ببیں خود را
قطرہ را چہ سیلے مے خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد
گر تو خود را طفیل کس دانی

ترجمہ: نخشبی اپنے آپ کو درمیان میں رکھ، قطرہ کو تو ریلہ کیوں سمجھے بیٹھا ہے۔ سب لوگ تیرے طفیل بن جائیں اگر تو اپنے آپ کو کسی کا طفیل جان لے۔

حکم صرف اسی کا چلتا ہے، اس پر لکھتے ہیں:

نخشبی حکم خلق چیزے نیست
مرد ایں راہ کجاست در عالم
در جہاں گفتہ ہیچ کس نشود
حکم حکم خدا است در عالم

ترجمہ: نخشبی مخلوق کے حکم کی یہاں کوئی حقیقت نہیں، ایسا جہاں میں کون ہے جو اس راہ کا مرد ہو اس جہاں میں کسی کا کہا نہیں چلتا حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جس پر (تکوینی طور پر) یہ دنیا چل رہی ہے۔

(۱۰) حضرت سید جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں (۷۸۵ھ)

آپ سید جلال الدین بخاری کے پوتے تھے۔ بخارا ان کا وطن تھا، بخارا سے یہ بھکر آئے اور بھکر سے ملتان پہنچے اور حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا سے بیعت کی اور خرقہ خلافت پایا۔

ان کے تین بیٹے ہوئے: ۱۔ سید احمد، ۲۔ سعد احمد اور ۳۔ سید بہاؤالدین۔

یہ سید احمد کبیر کے بیٹے تھے ان کے اور ان کے دادا کے نام میں لفظ سرخ کا فرق ہے۔ سید جلال الدین بخاری کی زندگی بیش تر سیاحت میں گزری اس لیے انہیں جہاں گشت بھی کہتے ہیں۔ مخدوم جہانیاں بھی آپ کا ایک لقب تھا۔ آپ نے ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا، شیخ صدرالدین اور حضرت شاہ رکن عالم کے مزاروں پر مراقبے کئے اور ان سے توجہ چاہی ان سب نے آپ کو مخدوم جہانیاں کی دعا دی۔

آپ کے دادا سید جلال الدین حضرت بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ تھے اور آپ نے ان کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہی سے آپ نے خلافت پائی۔ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم نے خواب میں آپ کو خرقہ پہنایا اور قطب عالم کا لقب دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔

آپ کی ولادت اچ شریف میں ہوئی۔ آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد نے آپ کی ملاقات اچ کے ایک بزرگ شیخ کمال خنداں سے کرائی آپ نے اچ کے قاضی علامہ بہاؤالدین سے ہدایہ اور اصول بزدوی پڑھیں اس سے آپ کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ آپ سبعہ کے قاری بھی تھے۔

آپ کے اہل بدعت سے معرکے

آپ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:۔

میں جب مکہ معظمہ سے بھکر آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے اور انہوں نے الور کے ایک درویش کا پتہ دیا جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تکلیفات شرعیہ اٹھالی ہیں۔ اور نماز تک اسے معاف کردی ہے۔ الور کے لوگ عجیب ہیں جو ایسے زندیقوں کو بھی پہنچا ہوا سمجھ لیتے رہے۔ علامہ اقبال نے نصیحت کی تھی کہ الور کی زمین میں کبھی انسانیت کی تلاش نہ

کرنا آسمان نے یہ دانہ اس زمیں میں بویا ہی نہیں۔

گر فلک در الور انداز د ترا

اے کہ مے داری تمیز خوب و زشت

آدمیت در زمین اومجو

آسماں ایں دانہ در الور نہ کشت

مخدوم جہانیاں نے اس بدعتی سے درگزر نہ کی بدعتیوں کے ہجوم میں وہاں پہنچے اور ان کے سامنے حضور ﷺ کی یہ حدیث پڑھی:۔

الفرق بین المؤمن و الکافر الصلوٰۃ

اس بدعتی نے جواب دیا:۔

سید میرے پاس جبریل آتے ہیں بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدا تعالیٰ نے تمہیں نماز معاف کردی ہے اور تم خدا کے مقرب ہو گئے ہو۔ میں انہیں کیا کہوں؟ آپ نے شریعت کی غیرت کھائی اور برملا کہا:

بے ہودہ مت بکو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تم جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہوسکتی ہے وہ شیطان ہے جو تیرے پاس آکر ایسی بات کہتا ہے کہ میں جبریل ہوں، جبریل وحی کے فرشتے ہیں جو پیغمبر کے سوا کسی کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ گندگی ہے۔

اس درویش نے کہا وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے میں اس میں بہت لذت محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے کہا جب وہ پھر تمہارے پاس آئے تو پڑھنا **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** دوسرے دن جب وہ فرشتہ اس کے پاس آیا تو اس نے آپ کے کہنے پر **لا حول ولا قوۃ** اس کے سامنے پڑھ دیا، وہ اچانک غائب ہوگیا اور وہ کھانا گندگی کی صورت میں وہیں گر پڑا۔ یہاں سے اس زندیق کو توبہ نصیب ہوئی یہ شیطان کا استدراج تھا جو اس ولی کی کرامت سے ٹوٹا۔

آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں:

۱۔ خزانہ جلالی، ۲۔ سراج الہدایہ، ۳۔ جامع العلوم۔

ہندوستان میں چشتی اور سہروردی سلسلوں کے دس دس بزرگوں کا یہ مختصر تعارف

آپ کے سامنے آچکا اب ہم قادری اور نقشبندی سلسلوں کے ہندوستان آنے والے پہلے بزرگوں کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

طریقت کے چار مشہور سلسلوں میں صرف چشتی سلسلہ کے بزرگ پہلے ہندوستان میں خیمہ زن ہوئے۔ اس سلسلے کا آغاز، جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے ہوا۔ ہندوؤں کی اصلاح کے لیے اس سے بہتر اور کوئی راہ طریقت یہاں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ سہروردی اور قادری سلسلوں کے چشمے بغداد سے پھوٹے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) کا مزار بغداد میں ہے۔ سہرورد بھی مضافات بغداد کا ایک قصبہ ہے جہاں حضرت شیخ ضیاء الدین (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) فروکش ہوئے۔ نقشبندی سلسلہ کے بزرگ ہمارے بلاد میں افغانستان کی طرف سے پہنچے ہیں۔ سو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں طریقت کی راہیں سب سے پہلے چشتیہ حضرات نے ہموار کیں۔ ہندوستان جیسے بڑے ملک میں ہندوؤں کو جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں لانا بس انہی کا کام تھا اور انہوں نے کر دکھایا۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء** اب آیئے قادری سلسلے سے بھی کچھ تعارف کیجیے۔

سرخیل سلسلہ قادریہ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی ہمہ گیر شانِ ولایت

قادری سلسلے کا آغاز حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) سے ہوتا ہے۔ آپ تمام اہل ولایت اور تمام سلاسل اولیاء کا قطب سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی روحانی تربیت میں صرف آپ کے مشائخ ہی نہیں حضرت خضر سے بھی آپ نے روحانی تربیت پائی۔ گو آپ بطور قادری معروف ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمام سلسلوں کے اکابر نے آپ سے روحانی فیض پانے کا اقرار کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بھی لکھتے ہیں:۔

> مجدد الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بہ نیابت حضرت شیخ ایں معاملہ با و مربوط است چناں کہ گفتہ اند **نور القمر مستفاد من نور الشمس** (مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۲۳)

ترجمہ: دوسرے ہزار سال کا مجدد بھی اس مقام میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نائب مناب ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے

اسے ائمہ اہل بیت سے ارتباط حاصل ہوا ہے جیسے کہتے ہیں چاند کی روشنی نے سورج کی روشنی سے ہی ظہور پایا ہے۔

آپ ائمہ اہل بیت کے روحانی تسلسل کو حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی شاہراہ سے وابستہ بتلاتے ہیں آپ کہتے ہیں، آپ نے بھی اسی شاہراہ سے ائمہ اہل بیت کا فیض پایا ہے۔آپ لکھتے ہیں:۔

نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ وچوں نوبت بایں بزرگوار شد منصب مذکور باو قدس سرہ مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمے گردد (ایضاً)

ترجمہ: یہ دریائے معرفت جب حضرت شیخ جیلانی تک پہنچا تو اب یہ منصب آپ کے سپرد ہوگیا ائمہ اہل بیت اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مابین اور کوئی ایسی بڑی شخصیت نظر نہیں آتی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فیض سہروردی سلسلہ میں

شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) صاحب عوارف المعارف سہروردی سلسلہ کے سربراہ ہیں، آپ نے بھی حضرت سے فیض پایا۔ اس راہ کے محققین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو ذوالجناحین کہتے ہیں۔ جناح اوّل شیخ شہاب الدین سہروردی اور جناح دوم محی الدین ابن العربی (۶۳۸ھ) کو کہا جاتا ہے۔ حضرت شیخ جیلانی نے کسی عارف کو کشف میں فرمایا:۔

علم رسول ﷺ کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ شہاب الدین کو دیا اور وہ علم شرائع اور اتباع سنت ہے اور دوسرا حصہ محی الدین ابن عربی کو اور وہ علم حقائق اور علم معارف ہے اور وہ ذات بحت تعالیٰ شانہ سے متعلق ہے اور یہ دونوں علم یکجا نہیں ہوتے۔ الا دربطن رسول ﷺ کے (تحفۃ الابرار جدول ثالث در بیاں حضرات قادریہ ص: ۴۸) اس میں ائمہ اہل بیت کی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔

سو جس طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ جیلانی سے بھی فیض پانے والے تھے، سہروردی سلسلہ میں بھی آپ کے بہت سے کمالات اُترے ہیں اور شیخ اکبر ابن عربی کے مکاشفات میں بھی آپ کے فیوض کا جام چھلکتا ہے۔

شیخ عثمان عمر صدیقی (۵۷۵ھ)، شیخ ابو السعود بن شبلی (۵۷۹ھ)، شیخ موفق الدین ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۲ھ)، شیخ صدر الدین القونوی (۶۳۰ھ)، عبداللہ یافعی (۷۵۵ھ) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے متوسلین میں سے تھے مگران میں سے کوئی ہندوستان نہیں آیا۔

حضرت مولانا روم (۶۷۲ھ) اور حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) جیسے بحار العلوم راہ طریقت میں اسی راہ کے راہی بنے ان کی روحانی نسبت قادری تھی۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی نے خرقہ ولایت متعدد طرق سے پایا۔

۱۔ اپنے آباء کرام ائمہ اہل بیت سے،

۲۔ حضرت شاہ ابوسعید ابوالخیر بن علی الملک (۵۱۳ھ) سے،

۳۔ تاج العارفین حضرت شیخ ابوالوفاء سے،

۴۔ واقف اسرار تکوین حضرت خضر علیہ السلام سے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو اس وسیع سلسلہ فیض کے باعث پیران پیر کہتے ہیں، آپ کو تمام دنیائے ولایت میں اپنے وقت کے سب پیروں کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ کس طرح آپ کی شان میں رطب اللسان ہیں اسے آپ پیچھے دیکھ آئے ہیں۔ چاچڑان کے مشہور بزرگ خواجہ غلام فرید نے ۱۳۱۱ھ میں اپنی ایک مجلس میں آپ کا اس طرح ذکر کیا ہے، آپ کے ایک مرید کو لکھتے ہیں:۔

> ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ کرسی پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے اسی اثناء میں عالم غیب سے ایک عجیب حالت آپ پر طاری ہوئی، اس وقت جناب رسالت مآب مع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم (ایک روحانی صورت میں) تشریف فرما تھے تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین بھی رونق افروز نظر آئے بس جناب باری کی طرف سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر ہم نے ہر ولی کو تمہارے زیر قدم کیا ہے ان کو کہہ دو کہ تمہارے زیر قدم آجائیں اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا:۔
>
> قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ... میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

(مقابیس المجالس ص ۲۷۸)

یہ زبان عام آداب دعوت کی نہیں لسان قطبیت ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی ایک ایسے حال جذب میں کہا تھا، حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

افسوس کہ بریلوی حضرات سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس مقام کو سمجھ نہ پائے اور انہوں نے سردار اولیاء کی شان میں بہت بے ادبی کی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں توبہ کی توفیق دے۔ ذرا توبہ سے اُن کی گستاخیاں.....

حضرت پیرانِ پیر کی شان میں گستاخی

۱۔ حضرت شیخ کا کلام قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ایسا ہے جس سے خود بینی ظاہر ہوتی ہے۔

(حکایت قدم غوث مصدقہ مولانا محمد اشرف سیالوی ص:۱۱۷)

۲۔ غوث پاک کے قدم کی فضیلت ہر زمانے میں ماننے والے جاہل اور متعصب ہیں۔ (ایضاً ص ۲۰۴)

ہم بھی آپ کو اپنے سے پہلے کے اولیاء کرام سے افضل نہیں کہتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کا قدم ہر آپ کے بعد آنے والے ولی اللہ کی گردن پر ہے اور بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ہر ولی کا نور آپ کے نور سے مستفاد ہے جس طرح چاند اپنی روشنی سورج سے لیتا ہے ہر ولی نے آپ سے فیض پایا ہے۔ حضرت پیرانِ پیر کی شان میں بریلویوں کی ایک اور گستاخی ملاحظہ ہو:۔

۳۔ حضرت پیرانِ پیر تا مدت حیات صاحب مقام نہ ہو سکے صاحب حال ہی رہے اور صاحب حال پردوں میں ہوتے ہیں ان کی آنکھوں سے پردے نہیں اٹھ سکتے۔ (حکایت قدم غوث ص:۲۸۲)

اور اس پر ان کی یہ خودسری بھی ملاحظہ:۔

۴۔ ہمارا جوابی دعویٰ بدستور باقی ہے جسے کوئی حالی تا قیامت توڑ نہیں سکے گا یعنی سب قادریوں کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو جانا چاہیے۔ (ایضاً ص:۳۱۱)

حضرت شیخ کو پتھر مارنے کی ایک وضع کردہ کہانی

ابراہیم قندوزی مجذوب ایک رات غوث پاک کے ساتھ مسجد میں اکٹھے ہوئے...... حضرت غوث پاک کے سرہانے ایک بڑا پتھر لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا جی چاہتا ہے کہ سر کچل دوں مگر تیری ماں ضعیف ہے اسے صدمہ ہوگا۔ (ایضاً ۲۷۹)

حیرت ہوتی ہے کہ جب وہ بزرگ آپ کا سر کچلنے کے درپے تھے اور اس وقت بھی آپ غوث پاک تھے اور جہاں کہیں آپ کا کوئی مرید آپ کو آواز دے آپ اس کی فریاد رسی کے لیے اٹھتے تھے اور اس کے پاس پہنچ جاتے تھے تو پھر پتھر مارنے والے کو آگے بڑھنے کی جرأت کیسے ہوئی تھی۔ پتھر مارنے کی تمنا بس اس کے دل میں ہی رہی۔ افسوس صد افسوس۔

حضرت پیران پیر کی شان میں ایک اور گستاخی

بریلوی کہتے ہیں حضرت پیران پیر کا یہ کہنا کہ **قدمی ھذہ علی راس کلّ ولی اللہ** ایسا ہی ہے جیسے کوئی جہنم سے نکلنے والا یہ سمجھے کہ میرے جیسا کوئی نہیں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ حضرت پیران پیر کی شان میں یہ گستاخی کی انتہاء ہے، ان گستاخوں کو کون سمجھائے۔

مولانا محمد اشرف سیالوی کی تصدیق کردہ یہ گستاخانہ توجیہ ملاحظہ ہوں:۔

یہ تو جب ہی ممکن ہے کہ ہر ایک صاحب کمال نے اپنے زعم اور اپنے خیال میں اپنے عطا کردہ مرتبہ و مقام کو بے مثال اور منفرد و ممتاز سمجھا ہو جیسے آخری شخص جو دوزخ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ کے فضل و کرم سے مشرف ہو کر پکار اٹھے گا جو کچھ مجھے دیا گیا کسی کو نہیں دیا گیا۔

بریلویوں کے مولوی محمد احمد چشتی نظامی بصیر پوری نے گو اس بات کا انکار کیا ہے کہ آپ نے **قدمی ھذہ علی راس کلّ ولی اللہ** کہا ہو لیکن آپ نے یہ کہہ کر ''یہ تو جب ہی ممکن ہے'' آپ کی شان میں ایک اور گستاخی کر دی ہے اور مولانا محمد اشرف سیالوی بھی اس کتاب پر تصدیق لکھ کر اس گستاخی میں محمد احمد چشتی کے برابر کے شریک ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں ان دِنوں بریلوی حضرات پیرانِ پیر کے خلاف کیوں اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

عام چشتی مشائخ کو پیرانِ پیر کے ہم مرتبہ شمار کرنا

مولوی محمد احمد چشتی اور محمد اشرف سیالوی کی ایک اور گستاخی ملاحظہ ہو:۔

ہم اپنے شیخ کی سنت ادا کرتے ہوئے علی رؤس الاشہاد کہتے ہیں کہ ہم اپنے اکابر مشائخ کرام کو سمیت عبدالقادر جیلانی کے کسی بھی سلسلہ کے اکابر مشائخ سے کم نہیں سمجھتے اگر کسی کا یہ عقیدہ نہیں تو وہ اپنے عظیم مشائخ کے فیض سے محروم ہے۔ (حکایت قدم غوث پاک)

حضرت پیرانِ پیر پر ایک اور گستاخانہ حملہ ملاحظہ ہو

حضرت اپنی شان میں قصیدوں پر قصیدے لکھتے رہے اور ساری زندگی دعاوی طویلہ و عریضہ کا اظہار فرماتے رہے...... مگر بوجہ سکر و حال معذور تھے جب اس مقام سے آگے گزرے توبہ واستغفار کی۔

(حکایت قدم غوث ص: ۲۸۰)

پھر اسی کتاب میں لکھا ہے:۔

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی ساری زندگی صاحب سکر و حال و ادلال ہی رہے اور عمر شریف کے آخری چار دن میں عبدیت و نزول کی طرف کسی قدر رجوع نصیب ہوا مقام عبدیت و نزول تاہم حاصل نہ ہوسکا۔ (ایضاً)

ہم خوش ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شان میں ایسی کوئی گستاخی نہ کی لیکن افسوس انہوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شان میں گستاخی کردی اور حساب برابر ہوگیا۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے ملفوظات میں فرماگئے:۔

ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے) جس نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے سے کہا تمام جہان کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کئے ہیں ظاہر کردیئے ہیں ظاہر کردیا کہ ہمارا سکر ہے اور ایسی غلطیاں دو وجھوں سے ہوتی ہیں ناواقفی سے یا سکر سے۔ سکر تو یہی ہے (جو مجدد صاحب میں پایا جاتا ہے)۔

(ملفوظات حصہ:۳،ص:۷۰)

سلوک کے روحانی سلسلوں کو آپس میں لڑانے کی یہ کوشش بہت مذموم ہے۔ اہل تصوف کے دل مرشدان گرامی کی محنت اور تزکیہ سے کینہ و بغض اور باہمی جذبہ مسابقت کی غلاظت سے دھلے ہوئے ہوتے ہیں یہ لڑنا بھڑنا اور گرانا بڑھانا دنیا پرستوں کا نصیب ہے یہ اہل تصوف کا کام نہیں۔

اہل سلوک و محبت سب ایک ہی چشمہ معرفت سے بولتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کے دل میں خدا کی محبت کی گرمی اتری ہوئی ہوتی ہے۔ ہم بریلویوں کی اس جرأت پر اظہار افسوس کے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں جو انہوں نے دنیائے ولایت کے ان مسلم بزرگوں کے خلاف اپنے دل و دماغ میں اتار رکھی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر کی اولاد میں فیض پانے والے

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے آپ کے نو بیٹوں نے نسبت سلوک پائی۔ (۱) سید شرف الدین عیسیٰ قتال (۵۷۳ھ) نے، (۲) عبدالرحمٰن عبد اللہ صالح (۵۸۷ھ) نے، (۳) سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق (۶۰۳ھ) نے، (۴) سید شمس الدین ابوبکر عبدالعزیز (۵۸۹ھ) نے، (۵) ابوالفضل محمد (۶۰۰ھ) نے (۶) سید سیف الدین عبدالوھاب (۵۹۳ھ) نے، (۷) شیخ ابونصر موسیٰ ضیاء الدین (۶۱۸ھ) نے، (۸) سید ابو اسحاق ابراہیم (۵۹۲ھ) نے، (۹) سید ابوزکریا یحییٰ (۶۰۰ھ) نے۔ حضرت سید احمد رفاعی (۵۷۸ھ) بھی اسی دور کے بزرگ گزرے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ بھی لاتعداد بزرگوں نے آپ کی تربیت میں روحانی سیر سلوک کی اور قبولیت الٰہی میں ہزاروں کرامات کے جلوے دیکھے۔ اس پہلو سے یہ سلسلہ باقی سب سلسلوں پر چھا گیا اور آپ کو ان مختلف سلاسل کے مشائخ بھی قادری نسبت حاصل کرتے ملیں گے۔ ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں کہ دنیائے اسلام کو اس چشمۂ معرفت سے کیا ملا اور اس چشمہ کی شاخیں کہاں کہاں قائم ہوئیں ہمارا اس وقت کا موضوع یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں پہلے دور میں اس چشمہ کے بڑے بڑے شناور کون ہوئے اور پاک و ہند کی سرزمین نے ان بزرگوں میں سے کس کس کو اپنے ہاں جگہ دی۔ پہلے ہم انہی حضرات قادریہ کا ذکر کریں گے جو تاریخ اسلام کے پہلے ہزار سال میں ہوئے۔ چشتی

اور سہروردی نسبتوں کے بھی ہم نے صرف انہی بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو اسلام کے پہلے ہزار سال میں ہوئے۔ ان میں بھی ہم انہی حضرات کا ذکر کریں گے جو پہلے ہزار سال کے نصف آخر میں ہوئے کیونکہ پہلے ہزار سال کے نصف اول کے ائمہ طریقت کا ذکر ان سلاسل سے نہیں چلا۔

دور اول کے بزرگوں کا تعارف ان آئمہ طریقت کے ناموں سے رہا

خواجہ داؤد طائی (۱۶۵ھ)، شیخ معروف کرخی (۲۰۰ھ)، احمد نوری (۲۹۵)، حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰ھ)، حضرت بایزید بسطامی (۲۶۱ھ)، سہل بن عبداللہ تستری (۳۸۳ھ)، ابوالحسن خرقانی (۴۲۴ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۴۴۵ھ) سید احمد رفاعی (۵۷۸ھ) اور اس دور کے اور کچھ بزرگ ہوئے جن کے ناموں سے پہلے دور کے بزرگوں کی نسبت جانی جاتی تھی۔ جیسا کہ لاہور کے بزرگ حضرت علی ہجویری (۴۶۵ھ) کا مشرب تذکروں میں اس طرح ملتا ہے کہ آپ حضرت جنید کے طریق پر تھے اور ابھی یہ چار نسبتیں چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی.... اس صورت میں معروف نہ ہوئی تھیں۔

ہندوستان میں آنے والے پہلے قادری حضرات

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے بزرگوں میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے تین بیٹوں سید عبدالرزاق، سید عبدالعزیز اور سید عبدالوھاب نے ادھر کا رخ کیا۔ ان حضرات نے پہلے اوچ شریف ضلع ملتان کو اپنا مرکز بنایا پھر ان میں سے بعض بزرگ جھنگ میں خیمہ زن ہوئے۔ دوسرے ہزار سال میں دین پور ضلع خانپور بھی ان حضرات کا مسکن بنا۔

یہ بزرگان طریقت سندھ اور پنجاب میں بھی متعدد علاقوں میں پھیلے اوچ کے دونوں خاندان گیلانی ہوں یا بخاری قادری سلسلہ کے بزرگ تھے۔

ہندوستان میں قادری سلسلے کی پہل کن حضرات سے ہوئی

ہندوستان میں اس سلسلہ کے پہلے بزرگ کہاں کہاں آئے۔ کلر کہار، چکوال میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۲ھ) کے بیٹے حضرت عبدالرزاق جیلانیؒ کے دو شہید بیٹوں کے مزارات ہیں، ان صاحب زادوں کے نام محمد یعقوب اور محمد اسحاق بتائے جاتے ہیں۔
ہندوستان میں جب مرہٹے زور پکڑ رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ یہاں مسلم حکمرانی نہ رہے تو

یہ حضرات بغداد سے چل کر مجاہدین کے ساتھ ہندوستان پہنچے اور انہوں نے یہاں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ دونوں صاحب زادے غیر شادی شدہ تھے اور ان کی نسل آگے نہ چلی تاہم ان کے وجود سے یہاں قادری سلسلہ طریقت بے شک قائم ہوگیا۔ ان حضرات نے یہاں سلوک واحسان کو خوب رونق بخشی۔ **فجزا هما اللّٰه احسن الجزاء۔**

ہم یہاں کچھ اور قادری بزرگوں کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ کس طرح یہ حضرات پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیلے اور یہاں ان ائمہ طریقت نے کس طرح بستی بستی مختلف علاقوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پیدا کی اور کس طرح اس راہ کے مسافروں کی روحانی رہنمائی کی۔ یہ سب حضرات اسلام کے پہلے ہزار سال کے ائمہ طریقت میں سے تھے۔

(۱) شیخ نورالدین (۷۰۰ھ) کشمیر میں فروکش ہوئے، (۲) رکن الدین فردوسی (۷۴۴ھ) دہلی میں آئے، (۳) شیخ شرف الدین منیری (۷۸۲ھ) نے بہار میں ڈیرہ لگایا، (۴) شیخ سید علی ہمدانی (۷۸۶ھ) نے کشمیر اور بدخشاں میں خانقاہ بنائی، (۵) شیخ محمد معروف (۷۵۷ھ) نے پشاور میں قیام فرمایا، (۶) شاہ نعمت اللہ (۸۳۴ھ) کی پیش گوئیوں کی پورے کشمیر میں شہرت ہے۔ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ اسمٰعیل بخاری (۸۵۰ھ) حضرت شیر شاہ بخاری (اوچ شریف) کے خاندان میں سے تھے۔ آپ سید احمد کبیر کے نواسے تھے، آپ نے علاقہ جھنگ کو اپنے فیض کا مرکز بنایا، (۸) شیخ ختلانی الحسینی (۸۸۸ھ) نے بہاولپور کے وسیع علاقے میں قادری سلسلہ کی محنت کی، (۹) مخدوم شیخ جمال (۸۵۸ھ) نے اودھ کے علاقے میں اپنے روحانی فیوض جاری کئے، (۱۰) سید محمد غوث گیلانی (۹۲۲ھ) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ لاہور آئے کچھ عرصہ یہاں ٹھہرے پھر ناگور چلے گئے، وہاں اپنے والد کی خدمت میں رہے ان کے انتقال کے بعد پھر ملتان آئے اور اوچ شریف میں اپنا خیمہ لگایا، (۱۱) حضرت ثانی عبدالقادر جیلانی لاہوری (۹۴۲ھ) بغداد سے ہندوستان آئے اور امرتسر میں قیام فرمایا پھر بابری عہد میں لاہور تشریف لے آئے۔ (۱۲) حضرت سید بہاؤالدین گیلانی المشہور بہ بہاول شیر قلندر (۹۷۳ھ) پہلے بدایوں ٹھہرے، حجرہ شاہ مقیم میں آپ کا مزار ہے۔ (۱۳) شاہ لطیف بری (۹۶۲ھ) راولپنڈی میں ان کا مزار ہے، (۱۴) سید اسمٰعیل گیلانی (۹۷۸ھ) کا مزار لاہور مزنگ میں ہے، (۱۵) حضرت شاہ کمال کیتھلی (۹۸۱ھ) بھی اسی سلسلہ کے بڑے بزرگ تھے، کیتھل کرنال کے

مضافات میں رہے۔ (۱٦) شیخ داؤد کرمانی (۹۸۲ھ) چونیاں ضلع قصور میں ہوئے، (۱۷) سید عبداللہ ربانی (۹۷۸ھ) اکبری عہد میں اوچ میں فروکش ہوئے (۱۸) سید عبدالرزاق گیلانی (۹۴۳ھ)، (۱۹) سید زین العابدین (۹۹۳ھ) بنگال میں ہوئے (۲۰) حضرت شاہ قمیص ساڈھوری (۹۹۲ھ) ضلع انبالہ میں ہوئے، (۲۱) سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (۱۰۰۱ھ) ملتان میں رہے۔

چونیاں ضلع قصور کے قریب ایک بستی حجرہ شاہ مقیم ہے۔ (۲۲) شاہ مقیم حضرت سید بہاؤالدین گیلانی (۹۷۳ھ) کے پوتے تھے ان کے اجداد بدایوں سے یہاں آئے اور انہوں نے یہاں قادری نسبت کے چراغ روشن کیے۔

مشرقی پنجاب میں تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر میں قصبہ جگدیو خورد میں (۲۳) حضرت شاہ رحمٰن دیوان ثانی فروکش ہوئے یہ نسباً صدیقی اور نسبتاً قادری تھے۔ شاہ رحمٰن ثانی کے بیٹے اور خلیفہ (۲۴) حضرت شیر محمد قادری تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے موضع ڈھوڈہ میں قیام پذیر ہوئے وہیں ان کا مزار ہے، ان کی اولاد صدیوں یہاں آباد رہی۔ شیخ بدر الدین (عرف بھولے شاہ) ان کی اولاد میں سے ہوئے۔ ان کے پوتے جناب پیر محمد غنی برسوں اجنالہ میں حکومتی سطح پر تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کے بھائی محبوب عالم بھی سکول مدرس رہے۔ ان کے بیٹے نعمان اللہ گوجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ ان حضرات نے اس پورے علاقہ میں قادری سلسلے پر محنت کی اور ان سے ایک دنیا فیض یاب ہوئی۔

تالیف میں ہم یہاں قادری ائمہ طریقت کے صرف دس حضرات کا تذکرہ کریں گے چشتی اور سہروردی سلسلوں سے بھی ہم نے اسلام کے پہلے ہزار سال کے تقریباً دس دس بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ نقشبندی سلسلہ کے پہلے دور کے صرف پانچ حضرات کا ہم نے ذکر کیا ہے، یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں آخر میں آیا ہے۔ ان کے بعد ہم انشاء اللہ العزیز دوسرے ہزار سال کے چاروں سلسلوں کے پندرہ پندرہ حضرات کا ذکر کریں گے جو اپنے اپنے وقت میں اس سلسلہ سیر وسلوک کے پیشوا رہے۔

واللہ هو الموفق لما یحبه و یرضی به

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے پہلے ہزار سال کے دس بزرگ

قدس اللہ اسرارھم

(۱) حضرت رکن الدین فردوسی (۷۲۴ھ)

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی (۷۱۹ھ) کے خلیفہ تھے جو شیخ نجم الدین کے جانشین تھے، آپ کا مزار دہلی کہنہ میں ہے۔ آپ کے نام سے سلسلہ فردوسیہ نے بہت شہرت پائی۔ ہندوستان میں آپ کا سلسلہ نہایت دور دراز تک پھیلا ہے۔

(۲) شرف الدین منیری (۷۸۲ھ)

آپ حضرت رکن الدین فردوسی (۷۴۴ھ) کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ حضرت رکن الدین شیخ بدرالدین سمرقندی (۷۱۶ھ) کے خلیفہ تھے۔ اور وہ حضرت نجم الدین ۔۔بری۔۔۔کے خلیفہ تھے۔ حضرت شرف الدین، حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے ملنے کے لیے دہلی آئے آپ اثناء راہ میں تھے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوگیا۔ دہلی میں پہنچ کر آپ شیخ نجیب الدین فردوسی (۷۳۳ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ چند سال بیابان میں عبادت و ریاضت میں رہے جب واپس آئے تو اشرف جہانگیر سمنانی سے بھی ملاقات کی۔ آپ نے عمر دراز پائی، آپ کی نماز جنازہ سید اشرف جہانگیر نے پڑھائی۔

(۳) شیخ مظفر بلخی بن شمس الدین (۷۸۸ھ)

آپ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ آپ ہندوستان سے حج کے لیے مکہ گئے اور پھر وہیں مقیم ہوگئے، شیخ سے بذریعہ خط و کتابت سلوک کی تربیت پائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے اٹھائیس ۲۸ مکتوبات محفوظ رہے ہیں ان میں سے چند مکتوب برائے نمونہ آپ نے نقل بھی کئے ہیں۔ ان سے ان مکاتیب کی عظیم علمی مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیکھئے اخبار الاخیار (۱۱۴، ۱۱۷)

آپ کے جانشین شیخ حسین بلخی ہوئے جو آپ کے بھتیجے تھے۔ آپ کے مکاتیب

حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات کے انداز کے ہیں۔ ان میں اسرار توحید عجیب پیرائے میں ملتے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب معیت الٰہی پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر وقت ہمارے ساتھ ہونے کا مفہوم کیا ہے اسے تحفۃ الابرار مولفہ (۱۳۲۳ھ) کی جدول کے ص ۴۴۳ھ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) شاہ نعمت اللہ ولی (۸۳۴ھ)

آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام عبداللہ یافعی قادری سے خرقہ خلافت پہنا اور کشمیر کے قصبہ پگلی میں خیمہ زن ہوئے۔ آپ کی رباعیات اس پہلو سے برصغیر پاک و ہند میں مشہور ہیں کہ ان میں آئندہ آنے والے حالات پر بہت پیش گوئیاں ہیں مثلاً ''دو کس بنام احمد گمراہ کنند'' بے حد۔ دو شخص احمد نام سے آگے آئیں گے اور لوگوں کو بہت گمراہ کریں گے۔

جس طرح ایران میں حافظ شیرازی کو لسان الغیب کہا جاتا ہے کشمیر میں شاہ نعمت اللہ کی پیش گوئیاں حضرت مہدی کے دور تک نقل کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ان میں لوگوں نے بہت کچھ اضافے اور تحریفات بھی کی ہیں۔ آپ قادری نسبت کے امین رہے کچھ لوگ محض شیعہ کی مخالفت میں خوارج کے بارے میں نرم گوشہ ہوئے تو آپ نے اہل بیت کرام سے محبت کو اہل سنت عقیدے کی علامت قرار دیا اور اسے قادری سلسلہ کی روحانی آواز کہا، فرماتے ہیں:۔

دوشینہ بما درے کشودند
اسرار نہاں بما نمودند
ما عاشق آل مصطفیٰ ایم
پیوستہ گدائے مرتضیٰ ایم
داریم وفا بآل حیدر
ظن نہ بری کہ بے وفایم
بیگانہ شدیم از خوارج
با آل علی چو آشنا یم

در ے کدہ شو جو نعمت اللہ
ما مست بادہ خدایم

ترجمہ: کل مجھ پر آسمان ولایت کا ایک دروازہ کھلا اور مجھ پر بڑے بڑے پوشیدہ راز کھلے، ہم حضور ﷺ کی اولاد کے جاں نثار ہیں اور ہمیشہ حضرت علی کے دروازے پر فقیروں کی طرح چمٹے رہے ہیں، ہم آپ کی آل و اولاد کے پورے وفادار ہیں ہم بے وفا نہیں، آل علی سے آشنا ہو کر ہم خوارج سے کلیۃً بے گانہ ہیں، اے مخاطب! تو مے کدہ میں نعمت اللہ کی طرح ہو جا! ہم اپنے رب کی شراب محبت سے مست ہو چکے ہیں۔

(۵) شاہ اسمٰعیل بخاری (۸۵۰ھ)

حضرت شیر شاہ جلال بخاری کے خاندان میں سے ہیں، سید احمد کبیر کے نواسے تھے، اوچ شریف کے بخاری سادات میں سے ہیں۔ چنیوٹ میں ایک محلہ کھٹی سیدوں کے نام سے معروف ہے وہاں ان کا مزار ہے۔ آپ ۸۱۸ھ میں جھنگ وارد ہوئے۔ آپ کی خاندانی نسبت قادری ہے۔ پھر آپ نے چراغ دہلی حضرت نصیرالدین کے ہاتھ پر بھی بیعت کی، آپ نے انہیں جھنگ جانے اور لوگوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پھیلانے کی ہدایت کی۔ آپ سے یہاں بہت علم و معرفت کا نور پھیلا۔

(۶) سید محمد غوث گیلانی الحسینی (۹۲۲ھ)

آپ حلب کے رہنے والے تھے وہاں سے ہندوستان تشریف لائے والد کی محبت میں پھر حلب چلے گئے، والد کی وفات کے بعد آپ پھر ہندوستان چلے آئے اور اوچ کو اپنا مرکز بنایا وہیں اوچ گیلانیاں میں آپ کا مزار ہے۔ سلطان حسین مرزا (حاکم سندھ) اور سلطان سکندر لودھی (بادشاہ ہند) آپ کے ارادتمندوں میں تھے۔ قادری سلسلے کے مشہور بزرگ سید عبدالقادر جیلانی (ثانی) آپ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے، دیوان قادری کے نام سے آپ کا دیوان چھپا ہوا ہے۔

آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ (۱) سید عبدالقادر ثانی، (۲) سید عبداللہ ربانی،

(۳) سید مبارک حقانی، (۴) سید محمد نورانی۔ ان سب سے ہندوستان میں قادری سلسلے کا فیض جاری ہوا۔

سید مبارک حقانی پر جذب واستغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ آپ حالت سکر میں اوچ سے نکلے اور قریب کے ایک جنگل میں جو لکھی جنگل کے نام سے معروف تھا جا بیٹھے۔ آپ کسی آدم زاد کی صورت نہ دیکھنا چاہتے تھے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ فوراً مست اور مدہوش ہو جاتا۔ لوگ بھی آپ سے بہت بچتے تھے۔ شیخ معروف چشتی جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے پاک پتن سے لکھی جنگل میں چلے آئے اور آپ سے قادری سلسلہ میں بیعت بھی کی اور خلافت بھی پائی۔ قادریوں کے نوشاہی سلسلہ کے آپ مورث اعلیٰ ہیں۔

(۷) بہاؤ الدین گیلانی المشہور بہ بہاول شیر قلندر

قلندر کا مفہوم کیا ہے؟ اسے تحفۃ الابرار (مولفہ ۱۳۲۳ھ) کی جدول ثالث کے ص ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

آپ پر سکر و جذب غالب تھا۔ آپ کا شجرہ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ہندوستان آکر بدایوں میں سکونت اختیار کی۔ آج کل حجرہ شاہ مقیم جس جگہ ہے وہاں کسی وقت دریا بہتا تھا۔ جس کے قریب قوم ڈھول آباد تھی۔ آپ کی کرامت سے دریا دور چلا گیا اور وہاں سے ایک بڑا ٹیلہ نمودار ہوا یہی وہ جگہ ہے جہاں حجرہ شاہ مقیم ہے۔ وہاں بزرگوں میں سے پہلا مزار انہی کا ہے جو وہاں بنا آپ کی یہ کرامت دیکھ کر آپ کے کئی مخالفین بھی آپ کے ارادتمند ہو گئے۔

(۸) حضرت شاہ کمال کیتھلی (۹۸۱ھ)

شیخ فصیلی قادری کے خلیفہ تھے۔ نسبۃً قادری تھے لیکن اویسی نسبت آپ میں غالب تھی۔ شیخ عبدالواحد قادری جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے والد تھے، ان کے ہمعصر تھے۔

(۹) حضرت شاہ قمیص گیلانی (۹۹۲ھ)

آپ کا اسم گرامی محی الدین اور لقب قمیص ہے۔ بعض حضرات نے آپ کا اسم گرامی عبدالقادر بتلایا ہے۔ آپ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد سید ابوالحیات بغداد سے ہندوستان آئے اور بنگال میں قیام فرمایا، وہاں سے پھر ضلع

انبالہ قصبہ ساڈھورہ میں چلے آئے، یہیں حضرت شاہ قمیص پیدا ہوئے۔آپ کا بنگال میں بھی آنا جانا رہا۔ بنگال میں مسجد شاہ جلال ایک مشہور دینی مرکز ہے۔آپ سے قادری سلسلہ ہندوستان میں بہت پھیلا۔ بنگال اور بہار میں آپ کو قادر قمیص بھی کہتے رہے ہیں۔

حضرت شاہ قمیص کے ایک جلیل القدر استاد ملا علاؤالدین امورک بنگالی تھے۔ان کے صاحبزادہ آپ کے ساتھ ساڈھورہ میں آئے اور آپ کے صاحبزادگان کو دینی تعلیم دیتے رہے۔

آپ نے روحانی تربیت اپنے والد سے پائی۔آپ نے اپنے سفر حرمین میں شاہ جلال سے بیعت کی پھر آپ گنگوہ بھی تشریف لے گئے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضری دی۔ وہاں سے آپ تھانیسر میں شیخ جلال الدین تھانیسری کی خدمت میں آئے، شیخ جلال الدین المعروف شیخ جیوا نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔تذکرۃ الرشید ج ۲ ص:۲۳۶ میں ہے:۔

ایک روز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری اور حضرت شاہ قمیص کا ایک ہی زمانہ تھا۔

آپ (حضرت شاہ قمیص) کی سیاسی سطح پر بھی بہت قدر ومنزلت تھی۔

بنگال میں والئ سلطنت شاہ حسین آپ کا بہت معتقد تھا۔آپ کی ہمایوں سے بھی ملاقات رہی۔ شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان آنے کا قصد کیا۔ ہمایوں جب مبارکپور ٹھہرا ہوا تھا تو حضرت شاہ قمیص سات سو درویشوں کی معیت میں اس کی حمایت کے لیے وہاں پہنچے، ہمایوں کا وزیر منعم خاں پہلے سے حضرت کا واقف تھا اس نے آپ کا ہمایوں سے تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ حسین شاہ والئ بنگال کے نواسہ ہیں۔

حکومت نے پورا قصبہ ساڈھورہ آپ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا مگر آپ نے استغناء کا اظہار فرمایا اور کہا کہ فقیر کو دنیوی مال و دولت کی ضرورت نہیں۔

بادشاہ اکبر کے دور میں بعض حاسدین نے اکبر کو آپ کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا بادشاہ نے آپ کو دہلی بلایا آپ کے بیٹے سید شاہ محمد اور سید شاہ ابوالکلام اور کئی خدام بھی آپ کے ساتھ دہلی کے لیے چلے۔ رستے میں آپ رام پور میں اپنے خلیفہ شیخ جلال انصاری کے پاس ٹھہرے اور انہیں بتلایا کہ یہ آپ کا آخری سفر ہے۔ وہاں سے آپ نے اپنے صاحبزادگان کو ساڈھورہ واپس جانے کا حکم دیا اور خود دہلی تشریف لے گئے۔ بادشاہ اکبر نے

اپنے خاص آدمیوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ یہ مہمان کس درجے کا ہے، اگر ایسا ہے کہ اس سے ملاقات کی جائے تو وہ اسے لے آئیں اور بادشاہ ان سے ملاقات کرے بادشاہ خود جھروکہ میں بیٹھ کر اس منظر کو دیکھنے کا خواہاں تھا کہ اللہ والوں پر اسرار الٰہی کس طرح کھلتے ہیں۔

وہاں ایک فرضی جنازہ لایا گیا ایک زندہ شخص کفن میں لپیٹا چارپائی پر رکھا گیا تھا۔ اور حضرت کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا آپ نے نماز جنازہ پڑھنے سے پہلے اللہ رب العزت کے حضور عرض کی:۔

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی مے کنی
مردہ را زندہ کنی و زندہ را مردہ کنی

پھر کیا ہوا؟ آپ کے اللہ اکبر کہتے ہی اس زندہ مردے کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ کی ایک کرامت نے اس مردے کا لباس مجاز اتار کر اسے اسی کفن میں حقیقت آشنا کر دیا۔ حضرت شاہ قیس پھر دہلی سے عازم بنگال ہوئے اور وہاں اپنے والدین کی قبروں پر حاضری دی۔

آپ کی اولاد میں قادری نسبت کے مشہور بزرگ سید عاصم علی شاہ (۱۲۰۴ھ) بہ مقام پنجلاسہ (ضلع انبالہ) مقیم تھے، وہاں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی (۱۲۴۶ھ) آپ سے بیعت ہوئے پھر آپ نے شاہ عبدالباری امروہی سے سلسلہ چشتیہ میں سلوک کی منزلین طے کیں اور پھر حضرت سید احمد شہید سے نقشبندی سلسلہ میں نسبت پائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی شاہ عبدالرحیم ولایتی کی عظیم روحانی نسبت کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحیؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے بھی علمی استفادہ کیا۔ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی (۱۲۵۹ھ) بھی حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی سے بیعت ہوئے تھے۔

تصوف میں رہبانیت نہیں

ہم جلد اول میں اس پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں نہ صوفیہ کرام کی خانقاہیں اس لئے ہیں کہ وہ سیرت نبویؐ کے خلاف لوگوں کو خانقاہوں میں بٹھائے رکھیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے پرتھی راج کا مقابلہ کیا

اور اپنی پوری روحانی قوت سے جوگیان ہند کا جادو توڑا۔ حضرت شاہ قیس بھی اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں بہار کے ایک علاقہ میں کفار سے نبرد آزما ہوئے، کفار نے اس دوران حضرت کی متعدد کرامات دیکھیں اور وہ اپنے راجہ سمیت ہندو مذہب سے تائب ہو کر داخل دائرہ اسلام ہو گئے۔ حضرت شاہ قیس نے پھر بہار میں چلہ کشی فرمائی۔

یہ حقیقت ہے کہ ان شاہان تصوف نے جس طرح لوگوں کو دلوں کی پاکیزگی کے درس دیئے اور ان کے دلوں میں محبت خداوندی کے چراغ روشن کئے اسی طرح انہوں نے دنیا والوں کو مال و دولت اور جاہ وحشمت پر زندگی لگانے سے بھی روکا۔ دنیا کی حقیقت انہیں فانی دکھائی دینے لگی اور خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے لیے اب ان کے لیے موت کا پل عبور کرنا آسان ہو گیا۔

حضرت شاہ قیس بھی انہیں سعادتمندوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی جان کی وہ قیمت لگائی کہ اللہ رب العزت کے ہاں وہ اس کا درجہ پا گئے۔ آپ نے بنگال میں انتقال فرمایا اور وہاں سے آپ کی میت ساڈھورہ لائی گئی۔ آپ کا مزار وہیں مرجع عوام وخواص بنا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:۔

وفات شاہ قیس در بنگال واقع شد بتقریب آنکہ سلطان مہد الشان آنجناب را در آنجا فرستادہ بود

(۱۰) حضرت شیخ وحید الدین علوی (۹۹۸ھ)

ایک دفعہ بابا اسحٰق مغربیؒ اپنی خانقاہ کی دہلیز پر کھڑے تھے کہ آپ نے مٹی کا ایک ڈھیلا ان کی طرف پھینکا اور کہا اے لڑکے کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا؟ یہ لڑکا اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا ایسا گرا کہ اب اس کی زندگی ہی بدل گئی۔ آپ نے اس کے منہ میں پانی ڈالا اور اسے ہوش میں لے آئے۔ اسی وقت شیخ وحید الدین آپ سے بیعت ہوئے اور چند دنوں میں ہی شیخ کامل نے آپ کو مقام قطبیت تک پہنچا دیا، پھر کیا دنیوی وجاہت ملی؟ اکثر سلاطین ہند آپ کے مرید تھے۔ چودہ سو کے قریب آپ کے خلفاء تھے۔ پندرہ برس مجاورت رسول اللہ ﷺ میں گزارے پھر گجرات آ کر مقیم ہو گئے۔ آپ نے حضرت محمد غوث گوالیاری سے خلافت شطاریہ بھی حاصل کی۔ ہم یہاں اسلام کے پہلے ہزار سال کے ان دس

قادری بزرگوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

شاہان تصوف کے کفر سے معرکے

شاہان تصوف بے شک تزکیہ نفس کے لیے مراقبے اور خلوت نشینی کرتے ہیں لیکن ان کے یہ اعمال اور ریاضتیں محض اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ اپنے اخلاق اور قوت ارادی میں وہ استحکام پیدا کریں کہ پھر اگر حالات کا سامنا ہو تو وہ کفر والحاد سے پوری ٹکر لے سکیں۔

ہم نے چشتی سلسلے، سہروردی سلسلے اور قادری سلسلے کے اسلام کے پہلے ہزار سال کے تقریباً دس دس بزرگوں کا یہاں مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ آیئے اب نقشبندی سلسلہ کے بھی پہلے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا ذکر کر دیں۔ نقشبندی سلسلہ حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند سے چلتا ہے، آپ خواجہ محمد بابا سماسی (۷۵۵ھ) کے خلیفہ تھے۔ آپ سے یہ سلسلہ مشہور مفسر قرآن حضرت خواجہ یعقوب چرخی (۸۵۱ھ) سے چلا، ان کے خلیفہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (۸۹۵ھ) ہوئے۔ ان سے یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا۔ یہاں سب سے پہلے خواجہ عبیداللہ احرار کے بیٹے حضرت شاہ عبدالحق تشریف فرما ہوئے۔

ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے پانچ نقشبندی بزرگ

ان حضرات کی آمد پہلے افغانستان ہوئی پھر ہرات، غزنی اور کابل کی راہوں سے یہ مشائخ طریقت ہندوستان میں آئے۔ ان حضرات کی ہندوستان آمد چشتی، قادری اور سہروردی سلسلوں سے کچھ متاخر ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالحق (...ھ) تشریف لائے آپ سے سید اجمل بہڑائچی اور ان سے سید بڈھن شاہ بہڑائچی نے خلافت پائی۔ سید بڈھن شاہ کے خلیفہ شیخ درویش تھے، حضرت مولانا درویش سے چشتی سلسلہ کے مرکزی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے بھی خلافت پائی۔

یہ نقشبندی سلسلہ کے برصغیر پاک و ہند کے پہلے پانچ بزرگ ہیں، پھر حضرت خواجہ ملکنگی کے خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ) شیخ کے حکم سے ہندوستان آئے۔ یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے شیخ ہیں۔

پہلے ہزار سال کے نقشبندی بزرگوں میں سے ہم یہاں صرف پانچویں بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہؒ (۱۰۱۲ھ)

جس طرح ہندوستان میں پہلے مسلم فاتحین زیادہ تر افغانستان کی راہ سے آئے شاہان طریقت بھی زیادہ تر اسی راہ سے واردین دیارِ ہند ہوئے۔ نقشبندی نسبت کے پہلے بزرگ جو ہندوستان میں آئے وہ خواجہ عبیداللہ احرار کے بیٹے شاہ عبدالحق تھے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کو اس پہلو سے زیادہ عظمت حاصل ہے کہ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے شیخ طریقت ہیں۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کابل کے ایک بڑے جلیل القدر عالم قاضی عبدالسلام کے ہاں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ایک دوسرے نامور عالم مولانا محمد صادق سے دینی علوم کی تکمیل کی۔ مولانا محمد صادق باطنی کمالات میں بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے پہلا سفر اپنے شیخ کے ساتھ ماوراء النہر کی طرف کیا اور وہاں کے دوسرے علماء اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔

ان دنوں ان علاقوں میں ہندوستان کے اولیاء کرام کی بڑی شہرت تھی، آپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ ہندوستان کا رخ کریں۔ صوفیہ کرام نے ہندوؤں میں کام کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان میں ایک بڑی تعداد میں ہندو مسلمان ہوگئے۔

افغانستان میں آپ نے جن بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی ان میں خواجہ عبیداللہ احرار، امیر عبداللہ بلخی، شیخ سمرقندی اور شیخ بابا میوالی کے نام سرفہرست ہیں تاہم ابھی آپ اس مردِ خدا کی تلاش میں تھے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپ اس بحرِ طریقت کو عبور کریں، ہندوستان میں بھی آپ اسی ارادہ سے آئے۔ آپ فرماتے ہیں یہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی روحانی توجہ میرے شامل حال رہی۔

آپ پھر سمرقند اور ماوراء النہر چلے آئے۔ یہاں مراقبہ میں تھے کہ حضرت خواجہ ملنکھی کی زیارت سے مشرف ہوئے یہی وہ مردِ خدا تھے جس کی آپ کو تلاش تھی، آپ ان سے بیعت ہوئے خلافت پائی حضرت خواجہ ملنکھی نے بھی آپ کو ہندوستان جانے کا کہا اور آپ آپ کے حکم کی تعمیل میں ہندوستان چلے آئے۔

شروع میں آپ نے لاہور میں قیام کیا پھر حضرت خواجہ ملنکھی کے حکم سے آپ دہلی

چلے آئے اور وہاں اوراد و وظائف میں منہمک ہو گئے۔ آپ کا مزار دہلی میں صدر بازار کے قریب قطب روڈ پر واقع ہے۔

اب پیشتر اس کے کہ ہم برصغیر پاک و ہند کے دوسرے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا تذکرہ کریں ہم ان چار سلسلوں کے برصغیر پاک و ہند کے پہلے ہزار سال (نصف ثانی) کے بزرگوں کا ایک مختصر نقشہ ایک نئی ترتیب سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ان سلاسل کے شجرے نہیں، معروف بزرگوں کے اپنے اپنے تذکرے ہیں۔

نقشبندی سلسلہ آگے چل کر زیادہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی نسبت سے معروف ہوا اور اس نے نقشبندیہ مجددیہ کا نام پایا۔

اسلام کے پہلے ہزار سال کے رجال تصوف برصغیر پاک و ہند میں

سلسلہ چشتیہ

خواجہ معین الدین اجمیری (۶۳۲ھ)،
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۶۳۳ھ)،
بابا فرید الدین گنج شکر (۶۶۲ھ)،
خواجہ علی احمد صابر (۶۹۰ھ)،
شاہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ)،
شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۷۵۷ھ)،
خواجہ شمس الدین ترک (۷۶۵ھ)،
ابوالحسن امیر خسرو (۷۸۶ھ)،
سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ)،
خواجہ گیسو دراز (۸۲۵ھ)،
جلال الدین کبیر الاولیاء
شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۴۴ھ)

سلسلہ قادریہ

شیخ رکن الدین فردوسی (۷۲۴ھ)،
شیخ شرف الدین منیری (۷۸۲ھ)،
شیخ سید علی ہمدانی (۷۸۶ھ)،
شیخ محمد علی نور بخش (۷۵۷ھ)،
شیخ مظفر بلخی (۷۸۸ھ)،
نعمت اللہ شاہ ولی (۸۳۴ھ)،
شاہ اسمٰعیل بخاری (۸۵۰ھ)،
مخدوم شیخ جمال گوجرہ (۸۵۸ھ)،
سید محمد غوث گیلانی (۹۲۳ھ)،
سید عبدالقادر گیلانی ثانی (۹۴۲ھ)،
سید مبارک حقانی (۹۵۶ھ)،
سید محمد حضوری (۹۴۲ھ)،
شاہ لطیف بری (۹۶۲ھ)،
سید بہاء الدین گیلانی (۹۷۳ھ)،
شاہ کمال کیتھلی (۹۸۱ھ)،
شاہ قمیص (۹۹۲ھ)،
وحید الدین علوی (۹۹۸ھ)،
سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (۱۰۰۱ھ)،
موج دریا بخاری (۱۰۱۳ھ)

سلسلہ سہروردیہ

شیخ حمید الدین ناگوری (۶۴۱ھ)،
سید شیخ جلال الدین تبریزی (۶۴۲ھ)،
سید جلال الدینؒ بخاری سرخ (۶۹۰ھ)،
شیخ بہاؤ الدین زکریا (۶۶۲ھ)،
شیخ صدر الدین عارف (۶۷۴ھ)،
شیخ فخر الدین عراقی (۶۸۸ھ)،
شیخ صدر الدین امیر حسینی (۷۱۹ھ)،
شیخ شرف الدین بوعلی (۷۲۴ھ)،
شاہ رکن عالم (۷۳ھ)،
علاؤ الدین ملتانی (۷۴۰ھ)،
ضیاء الدین بخشی (۷۵۱ھ)،
مخدوم جہانیاں (۸۰۸ھ)،
شاہ موسیٰ سہاگ (۸۵۳ھ)،
شیخ حمزہ کشمیری (۹۸۴ھ)،

سلسلہ نقشبندیہ

شاہ عبدالحق بن عبید اللہ احرار،
میراں اجمل بہرائچی،
سید بڈھن بہرائچی،
خواجہ درویش محمد قاسم،
مولانا عبدالاحد،
حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ)۔

أحب الصالحين ولست منهم

لعل اللہ یرزقنی صلاحا

ہم نے یہاں اسلام کے پہلے ہزار سال کے چاروں سلسلوں کے کچھ بزرگوں کا ذکر کردیا ہے ان سے یہاں سلوک کے ان چار سلسلوں کا تعارف ہوگیا ہے۔ آئندہ ہم دوسرے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا اپنی نسبتوں سے ذکر کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ ہم یہاں ان چاروں سلسلوں کا ایک مختصر تعارف ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

ہندوستان میں سلوک کے سلاسل اربعہ کا آغاز

ہندوستان میں آنے والے پہلے بڑے بزرگ قطب ولایت حضرت علی ہجویری لاہوریؒ (۴۶۵ھ) ہیں۔ سلوک و احسان میں آپ حضرت جنید بغدادی کے طریقہ پر تھے۔ اس وقت تک طریقت کے چار معروف سلسلے اس طرح قائم نہ ہوئے تھے کہ حضرت علی ہجویری کا کسی ایسے نام سے تعارف ہو۔ ان کے بعد یہاں وارد ہونے والے اولیاء کرام زیادہ انہی چار ناموں سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔

۱۔ قادری سلسلے کا آغاز بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) سے ہوتا ہے اور پھر آپ کی اولاد کے وسائط سے یہ سلسلہ ہندوستان میں آیا۔

۲۔ سہروردی سلسلے کا آغاز بھی بغداد سے ہوا شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اس سلسلہ کے پہلے بزرگ تھے، پھر شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) کا نام آتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ شیخ طریقت حمید الدین ناگوری (۶۴۱ھ) کے ذریعہ ہندوستان پہنچا۔ سیاسی سطح پر یہ شہاب الدین غوری کا دور تھا۔ سہرورد علاقہ بغداد میں ایک قصبے کا نام ہے اس نام سے یہ سلسلہ معروف ہوا۔ ہم اس سلسلہ کے دس بزرگوں کا ذکر پیچھے کر آئے ہیں۔

۳۔ چشتی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ (ولادت ۵۳۷ھ، وفات ۶۳۲ھ) سے چلا۔ ہم نے اس سلسلہ کے پہلے دور کے چھ بزرگوں کو ایک ترتیب سے ذکر کیا ہے پھر آگے چار اور بزرگ بھی ذکر کئے ہیں، ہم آئندہ انشاء اللہ امت کے اگلے ہزار سال میں اس سلسلہ کے کچھ اور بزرگوں کا ذکر بھی کریں گے۔ چشتی صابری اور چشتی نظامی اس سلسلے کی دو مشہور شاخیں ہیں۔

۴۔ نقشبندی سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند (۷۹۱ھ) سے چلا اور ہندوستان میں

حضرت شاہ عبدالحق بن خواجہ عبیداللہ احرار کے ذریعہ پہنچا۔ تین واسطوں سے یہ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۴۴ھ) تک پہنچا۔ آپ چشتی سلسلہ کے مرکزی شیخ تھے تاہم آپ نے یہ نسبت بھی حاصل کی، آگے چل کر مجددی سلسلہ قائم ہوا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بیٹے شیخ رکن الدین کے خلیفہ مولانا عبدالاحد قادری سلسلہ کے مجاز تھے آپ کے بیٹے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) ہوئے جو یہاں مجددی سلسلہ کے امام ٹھہرے، آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطہ سے بھی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند تک پہنچتے ہیں۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ ان سلسلوں میں کوئی تضاد کی نسبت نہ تھی بیشتر بزرگ چاروں نسبتیں رکھتے تھے گو وہ کسی ایک میں زیادہ معروف رہے ہوں، یہ اپنے مریدین میں جس کو جس سلسلہ میں مناسب سمجھیں بیعت کر لیتے تھے پھر جو خوش نصیب ان منزلوں میں کامیاب نکلے اسے بسا اوقات چاروں سلسلوں کی اجازت مل جاتی تھی۔

بحر طریقت کے چشمہ ہائے ولایت

اسلام کے دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف

از پاک و ہند

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

اسلام کے پہلے ہزار سال کے نصف اول میں علماء اسلام زیادہ تر تدوین علوم میں معروف رہے اور یہ دور حدیث و فقہ کا دور رہا گو روحانی نسبتیں بھی ساتھ ساتھ قائم تھیں لیکن اس عہد میں علماء اسلام زیادہ اپنی بڑی ذمہ داری اشتغال بالعلم میں لگے رہے۔ اسی دور میں حدیث و فقہ کے ذخیرے مدون ہوئے اور اہل علم کی ایک علمی لائن قائم ہوگئی۔ اس میں بے شک علمی وسعتیں رہیں اس دور میں اجتہادی مسائل میں اختلاف کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس دور میں بھی ائمہ تصوف اپنی پہلی صف بچھا چکے تھے۔ اس میں حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰ھ)، حضرت بایزید بسطامی (۳۶۱ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۲۴۵ھ) اور ابو الحسن الخرقانی (۴۴۴ھ) سرِ فہرست نظر آتے ہیں۔

پھر پہلے ہزار سال کے نصف ثانی میں سلسلہ اولیاء کرام بڑی تیزی سے ابھرا۔ چار روحانی سلسلوں میں سلسلہ چشتیہ یہیں سے اٹھا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری (۶۳۲ھ) اس سلسلہ کے ہندی پیشرو ہیں۔ قادری اور سہروردی دونوں سلسلے پہلے بغداد میں چلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ)، شیخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی (۶۳۴ھ) سے ان سلسلوں کا آغاز ہوا۔ نقشبندی سلسلہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (۷۹۱ھ) سے چلا اور حضرت باقی باللہ سے ہندوستان میں آیا۔ سب سے پہلے

حضرت شیخ عبیداللہ احرار کے بیٹے اور خلیفہ شاہ عبدالحق وارد دیار ہند ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتابیں فتوح الغیب، غنیۃ الطالبین، مجالس ربانی اور سہروردی حضرات کی آداب المریدین اور عوارف المعارف اس دور کے آثار احسان وسلوک ہیں۔ دونوں سلسلے بغداد سے ہندوستان پہنچے۔ نقشبندی سلسلہ کے پیشرو افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ (۱۰۱۲ھ) پہلے ہزار سال کے نصف ثانی کے آخری بزرگ ہیں، آپ نے حضرت خواجہ مکنکھی (۱۰۰۸ھ) سے خرقہ خلافت پایا۔

اسلام کے دوسرے ہزار سال میں برصغیر پاک و ہند میں نقشبندی نسبت بہت تیزی سے ابھری اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا فیض سلوک اور علم وعرفان دیکھتے دیکھتے پورے ہندوستان پر چھا گیا۔ مجددی نسبت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیضان بھی ساتھ ساتھ رہا اس جہت سے یہ نقشبندی اور قادری دونوں نسبتوں کا قران السعدین رہا اور یہاں ہم پہلے دوسرے ہزار سال کے نقشبندی، چشتی اور قادری بزرگوں کا ایک یکجا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے قارئین کے لیے انہیں کھلے پیرایہ میں پڑھنے کے لیے دوبارہ پیش کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ.

اسلام کے دوسرے ہزار سال کے پاک و ہند کے رجال تصوف

نقشبندی حضرات	چشتی حضرات	قادری حضرات
۱۔حضرت مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)	حضرت ابوسعید گنگوہیؒ (۱۰۴۹ھ)	موج دریا بخاری (۱۰۱۳ھ)
۲۔حضرت خواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ)	شاہباز محمد بھاگپوری (۱۱۴۲ھ)	شاہ نعمت اللہ سرہندی (۱۰۱۷ھ)
۳۔حضرت سید آدم بنوری (۱۰۵۳ھ)	حضرت شاہ عبدالہادی امروہی (۱۱۹۰ھ)	شاہ بدر دیوان گیلانی (۱۰۱۸ھ)
۴۔حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی (۱۱۱۴ھ)	حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ)	شاہ ابوالمعالی (۱۰۲۴ھ)
۵۔حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ)	حضرت میاں نور محمد میانجی (۱۲۵۹ھ)	حاجی مصطفےٰ سرہندی (۱۰۳۹ھ)
۶۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)	حضرت شاہ سلیمان تونسوی (۱۲۶۷ھ)	حضرت میاں میر (۱۰۴۰ھ)
۷۔حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ)	حضرت محمد علی خیر آبادیؒ (۱۲۶۶ھ)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)
۸۔حضرت شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ)	حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۳۰۰ھ)	شاہ چراغ (۱۰۶۸ھ)
۹۔شاہ ابوسعید (۱۲۵۰ھ)	حضرت حاجی امداد اللہ (۱۳۱۷ھ)	سلطان باہو (۱۱۰۲ھ)
۱۰۔مولانا رشید الدین خان (۱۲۵۰ھ)	حضرت مولانا محمد قاسم (۱۲۹۷ھ)	شاہ گنج بخش (۱۱۱۳ھ)
۱۱۔شاہ محمد آفاق (۱۲۵۱ھ)	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)	سید احمد شیخ الہند (۱۱۳۶ھ)
۱۲۔حضرت شاہ نصیر الدین (۱۲۵۶ھ)	حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۰ھ)	شیخ عبدالاحد والد حضرت مجدد الف ثانی
۱۳۔حضرت شاہ محمد اسحٰق (۱۲۶۲ھ)	مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)	سلطان ولی محمد (۱۱۶۰ھ)
۱۴۔حضرت مولانا اسمٰعیل شہید (۱۲۶۶ھ)	مولانا حسین علی واں بھچراں (۱۳۶۳ھ)	حضرت شاہ فضیل
۱۵۔شاہ عبدالرحیم ولایتی (۱۲۶۶ھ)	مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)	حضرت سید صبغت اللہ (سندھ)
۱۶۔مولانا ولایت علی (۱۲۶۹ھ)	رئیس التبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب	شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۰ھ)
۱۷۔شاہ عبدالغنی (۱۲۹۶ھ)	مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)	شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ)
۱۸۔میاں شیر محمد شرقپوری (۱۳۴۷ھ)	پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۳۵۶ھ)	خلیفہ غلام محمد دینپوری (۱۳۵۴ھ)
۱۹۔مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (۱۳۱۳ھ)	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ	حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (۱۳۶۸ھ)
۲۰۔مولانا محمد علی مونگیری (۱۳۴۶ھ)	حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ)	حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ)
۲۱۔مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (۱۳۴۷ھ)	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (۱۴۰۲ھ)	مولانا عبدالہادی دینپوری (۱۳۹۸ھ)
۲۲۔مولانا احمد خاں کندیاں (۱۳۶۰ھ)	حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ	رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین
۲۲۔خواجہ محمد فضل علی قریشی (۱۳۵۴ھ)	مولانا محمد صدیق باندوی	
۲۳۔محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنی (۱۳۸۵ھ)		

نقشبندی نسبت کے دوسرے ہزار سال کے پہلے دور کے بزرگ

۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

۲۔ حضرت سید آدم بنوریؒ (۱۰۵۳ھ)

۳۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (۱۰۷۹ھ)

۴۔ خواجہ خواجگان محمد نقشبند ثانیؒ (۱۱۱۴ھ)

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

۶۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ)

۷۔ امام التفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ)

۸۔ حضرت شاہ غلام علیؒ (۱۲۴۰ھ)

۹۔ مولانا غلام محی الدین قصوریؒ (۱۲۷۰ھ)

۱۰۔ حضرت شاہ محمد آفاقؒ (۱۲۵۱ھ)

۱۱۔ حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ (۱۲۶۲ھ)

۱۲۔ حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ عبدالرحیم ولایتی، شاہ اسمٰعیل شہید (۱۲۶۶ھ)

ان کے بعد کے نقشبندی حضرات کی یہ فہرست بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ (۱۳۲۳ھ)

۲۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ (۱۳۴۷ھ)

۳۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (۱۳۴۶ھ)

۴۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (۱۳۴۷ھ)

۵۔ حضرت مولانا احمد خاںؒ کندیاں شریف

۶۔ شیخ الحدیث مولانا بدر عالم مدنیؒ (۱۳۸۵ھ)

۷۔ حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ (۱۳۹۸ھ)

سلسلہ چشتیہ کی دو عظیم شاخیں چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ کے ناموں سے معروف ہوئیں، یہ حضرت شاہ نظام الدین (دہلی) اور حضرت صابر (کلیر شریف) سے چلی آرہی ہیں۔ یہاں ہم پہلے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے چند بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی (۱۰۴۹ھ)

۲۔ حضرت شیخ شہباز بھاگلپوری (۱۱۴۲ھ)

۳۔ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی (۱۱۹۰ھ)

۴۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ)

۵۔ شیخ حافظ محمد علی خیر آبادی (۱۲۶۶ھ)

۶۔ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی (۱۲۶۷ھ)

۷۔ خواجہ فیض بخش از اللہ شریف (۱۲۸۲ھ)

۸۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۳۰۰ھ)

۹۔ حضرت مولانا حسین علی از واں بھچراں (۱۳۶۳ھ)

۱۰۔ جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۳۲۶ھ)

اب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ان چند بزرگوں کے اسماء گرامی ملاحظہ کیجیے:

۱۔ حضرت میاں نور محمد جھنجھانوی (۱۲۵۹ھ)

۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)

۳۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)

۴۔ حضرت الشیخ حافظ محمد علی خیر آبادی (۱۲۶۶ھ)

۵۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

۶۔ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

۷۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ

۸۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)

۹۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ)

۱۰۔ برکۃ العصر مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)

۱۱۔ حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی

۱۲۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (۱۴۰۳ھ)

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں بلا امتیاز چشتی نسبت کے کچھ بزرگوں کا بھی ذکر کردیں۔

۱۔ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی (۱۰۴۹ھ)

۲۔ حضرت شیخ شہباز بھاگلپوری (۱۱۴۲ھ)

۳۔ شاہ عبدالہادی امروہی (۱۱۹۰ھ)

۴۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ)

۵۔ حضرت میاں نور محمد جھنجھانوی (۱۲۵۹ھ)

دوسرے ہزار سال کے قادری نسبت کے ان بارہ بزرگوں کے اسماء گرامی بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

۱۔ شاہ ابوالمعالی (۱۰۲۴ھ)
۲۔ حضرت میاں میر (۱۰۴۰ھ)
۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)
۴۔ حضرت شاہ چراغ (۱۰۶۸ھ)
۵۔ سلطان ولی محمد (۱۱۶۰ھ)
۶۔ حضرت سید صبغتہ اللہ (سندھ)
۷۔ شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۰ھ)
۸۔ خلیفہ غلام محمد دینپوری (۱۳۵۴ھ)
۹۔ مولانا سید تاج محمد امروٹی (۱۳۴۸ھ)
۱۰۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ)
۱۱۔ شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ)
۱۲۔ مولانا عبدالہادی دینپوری (۱۳۹۸ھ)

ہم پیچھے ایک ایک نسبت کی ایک ایک فہرست ہدیہ قارئین کرآئے ہیں آگے ہم ان کے کچھ تذکرے بھی ہدیہ قارئین کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز یہ تذکرے آپ کو دوسرے ہزار سال کے ساٹھ کے قریب رجال تصوف سے متعارف کردیں گے۔

ان ساٹھ ائمہ طریقت میں بیشتر حضرات وہ ہیں جن میں کئی کئی نسبتیں قائم ہوئیں تاہم یہ اولیاء کرام زیادہ معروف کسی ایک نسبت میں ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی اجازتوں میں کئی دوسرے سلسلوں کی برکات بھی ان کے شامل حال رہی ہیں۔

ان ساٹھ ائمہ طریقت کا تذکرہ ہم انشاء اللہ العزیز اسی ترتیب سے کریں گے جس میں ہم نے ان کے اسماء گرامی کی فہرستیں ہدیہ قارئین کی ہیں۔

کئی کئی نسبتوں کے اجازت نامہ کی ایک جھلک

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم بطور نمونہ یہاں دو حوالے بھی عرض کردیں کہ یہ مسافران راہ طریقت اور بزرگان راہ سلوک کس طرح اپنے وقت میں کئی کئی نسبتوں کے بھی امین رہے ہیں اور متعدد نسبتوں کے ساتھ چلے ہیں۔ ان دو مرکزی بزرگوں کے اجازت نامے ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ اجازت نامہ حضرت سید احمد شہیدؒ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ
محمد سیلة الطالبین و علیٰ الہ و أصحابہ أئمة السالکین
أما بعد!

پس برادر دینی جمیع مومنین کے خیر خواہ سید احمد کے ہاتھ پر شرف بیعت و توبہ سے مشرف ہوا اور طریقہ چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ مجددیہ و محمدیہ کی سلک میں فقیر کے توسط سے منسلک ہوا۔ اللہ ان طریقوں کی نعمتیں انہیں نصیب فرمائے اور شریعت غراء کی اتباع میں استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

مورخہ ہفتم ذی الحجہ (۱۲۴۶ھ) من مقام تخت ہند

۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز

سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ
سلسلہ چشتیہ نظامیہ قدوسیہ
سلسلہ علیہ قادریہ قدوسیہ
سلسلہ علیہ نقشبندیہ قدوسیہ
سلسلہ سہروردیہ قدوسیہ
سلسلہ علیہ کبرویہ قدوسیہ

یہ ہر چھ نسبتیں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (۹۴۴ھ) سے پھیلی ہیں اور پھر حضرت حاجی صاحب میں آسمٹی ہیں۔

فقہی نسبتوں اور روحانی نسبتوں میں فرق

اہل السنۃ والجماعۃ اپنی فقہی نسبتوں میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے طریقوں سے موسوم ہیں۔ یہ چار فرقے نہیں چار طریقے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے فقہی مسلک کی کبھی فرقہ بندی نہ کی تھی۔ مختلف طریق عمل کے باوجود وہ ایک جماعت ہی رہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ کے پیروؤں نے بھی اپنے فقہی فاصلوں سے کبھی علیحدہ جماعت بندی نہ کی۔ وہ ہمیشہ ایک

جماعت رہے۔ اس جماعت نے تاریخ میں اپنا ایک نام محفوظ کیا ہے وہ نام اہل السنۃ والجماعۃ ہے اور یہی فرقہ ناجیہ ہے۔

فقہی مسالک میں ایک طریقے کی پابندی رہی۔ یہ نہیں ہوا کہ کوئی شخص حنفی بھی رہے اور شافعی بھی۔ کیونکہ یہاں ایک طریقے سے دوسرے طریق میں جانا علیٰ سبیل التبادل ہوگا۔ اس میں ایک طریقے کو چھوڑنا لازم ٹھہرے گا۔ تقلید میں تلفیق کو راہ نہیں دی جاسکتی ہے لیکن روحانی نسبتوں میں ایک طریقے سے دوسرے میں جانا علیٰ سبیل التبادل نہیں علیٰ سبیل الجمع ہوتا ہے۔ اس میں پہلے طریقے کو چھوڑنا لازم نہیں ہوتا۔ ایک شخص میں روحانی نسبتیں کئی کئی جمع ہوسکتی ہیں۔

فقہی اختلافات کی بناء احادیث و آثار پر ہے جس نے کسی ایک طریقے کو ترجیح دی وہ اتباع سنت کی نسبت سے اس ایک طریقے پر چلا اس صورت میں بیک وقت دو طریقوں کو ترجیح دینا عملاً ناممکن ہے۔ امام ابوعبدالرحمٰن النسائی (٣٠٣ھ) نے اپنی سنن میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث روایت کرکے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس پر باب باندھا ہے باب ترک ذٰلک کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا اب ترک ہو چکا ہے، یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ یہ دونوں طریقے علیٰ سبیل الجمع نہیں، علیٰ سبیل التبادل ہیں۔ دوسرے کو اختیار کرنے سے پہلے کو ترک کرنا لازم ہوگا۔

لیکن اہل طریقت کے ہاں چشتی قادری نسبتوں میں جمع ممکن ہے۔ قادری ہونے سے نقشبندی نسبت کا ترک ہونا لازمی نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روحانی نسبتوں کا فرق احادیث و آثار پر مبنی نہیں۔ ان ائمہ طریقت کے تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں۔ مختلف تجربے کسی ایک بزرگ میں جمع ہوسکتے ہیں۔ مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح میں مختلف تجربات اور ان کے مختلف حالات سے گزرے ہیں۔ دلوں میں خدا کی محبت اتارنے میں انہیں ان دلوں کے اپنے حالات کو ملحوظ رکھنا پڑا۔ وقت کے کثیر و قصیر فاصلے انہیں مختلف مشارب پر لے آئے اور یہ فاصلے احادیث و آثار پر مبنی نہ ٹھہرے۔ ان حالات میں ممکن ہوگیا کہ بعض مشائخ کئی کئی راہوں سے اللہ رب العزت کی محبت کی راہیں پائیں۔ اور ان پر اپنے مریدوں کو مشقیں کرائیں۔ سیر و سلوک کی یہ مشقیں ہیں مسائل نہیں کہ یہاں بدعات کی بحث شروع کی

جائے۔ یہ دلوں کے زنگ دھونے کے مختلف علاج ہیں جنہیں شریعت کی رو سے نہیں تجربے کی رو سے اختیار کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی بچہ قرآن شریف یاد کرتے بار بار سر کو ہلا رہا ہے تو وہ اسے ایک مسئلہ نہیں سمجھ رہا محض ایک تجربہ سمجھ رہا ہے کہ اس سے یاد کرنے کی مشقت کم ہو جاتی ہے۔

قانون اور طب کا فرق

قانون دان اپنی علمی کاوش سے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے قانون میں کبھی دوئی نہیں ہوتی۔ لیکن طبیب ایک مرض کے ازالے کی کئی راہیں جانتا ہے اور وہ اپنے تجربے میں مریضوں کو ہر ایک راہ سے شفایاب دیکھ چکا۔ اب وہ اگر مختلف طریق علاج جانتا ہے اور ہر ایک کو نسخہ صحت کہتا ہے تو اسے اس کا حق ہے لیکن قانون دان کبھی ایک قانون کو دو مختلف تشریحات نہیں دے سکتا قانون ہمیشہ سے ایک رہا ہے اور ایک ملک میں ایک مسئلہ میں کبھی دو ضابطے راہ نہیں پاتے۔ فقہاء قانون کے امین ہوتے ہیں اس میں دوئی اختیار کرنا تلفیق ہے۔ جو منع ہے اور صوفیہ کرام روح کے مریضوں کے روحانی معالج ہوتے ہیں۔ ان میں چشتی، قادری اور نقشبندی، سہروردی نسبتیں جمع ہو سکتی ہیں گو ان میں غالب نسبت ایک ہے۔ علاج میں جس طرح یونانی علاج، ویدک علاج، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی چار طریقے علاج ہیں چشتی، قادری اور نقشبندی و سہروردی بھی روح کے چار مختلف طریق علاج ہیں اور ان میں جمع ممکن ہے، یہ تلفیق نہیں۔

اب ہم حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی کے تذکرہ سے ان اولیاء کرام کے تذکروں کا آغاز کرتے ہیں۔ ان حضرات کے تذکرہ میں ہم زیادہ توجہ ان کی تاریخی اور علمی حیثیت پر رکھیں گے۔ رہیں کرامات ...... تو وہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کی بے شمار ہیں ہم اصولاً کرامات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اہل سنت کی کتب عقائد میں معجزات اور کرامات کو اصولی طور پر حق تسلیم کیا گیا ہے۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ کئی نادانوں نے اولیاء کرام کے نام پر کرامات گھڑنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے جن حلقوں میں لوگ کرامات سے عقائد کشید کرتے ہوں وہاں کرامات کا زیادہ بیان عوام کی خیر خواہی نہیں۔ یہ عمل ان میں سے کمزور علم لوگوں کو عقائد میں کمزور کر دیتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا۔

دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف

آیئے ہم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے اس تذکرۃ الاولیاء کا آغاز کرتے ہیں۔ اس وقت شاید چاروں سلسلوں کے ان سب بزرگوں کا تذکرہ نہ ہو سکے تاہم ہر سلسلے کے دو دو بزرگوں کا ذکر ہم تبرکا کیے دیتے ہیں۔ ان سب حضرات کا تفصیلی تذکرہ آئندہ کسی وقت ہدیہ قارئین کیا جا سکے گا۔ واللہ هو الموفق لما یحبه ویرضی به.

(۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

اس امت میں ہر سو سال کے سرے پر مجددین آتے رہے اور تجدید دین کا کام کرتے رہے۔ دین میں جو بھی فکری اور عملی آلائشیں داخل ہوتی رہیں، یہ مجددین کرام دین کو پھر سے نکھارتے رہے اور ان زوائد کا پوری قوت سے استیصال کرتے رہے لیکن ایک مجدد اس شان سے بھی اٹھا کہ اسے مجدد الف ثانی کہا گیا اور وہ اپنی روحانی قوت اور دعوت و اصلاح سے اگلے پورے ہزار سال پر چھا گیا۔ اس سے ہی ہم اس دور کے ائمہ طریقت کا آغاز کرتے ہیں۔

زبان پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا
دہن نے نطق سے بوسے میری زباں کے لیے

حضرت شیخ احمد سرہندی کے والد مخدوم شیخ عبدالاحد قادری نسبت کے جلیل القدر بزرگ تھے جب ان کے گھر بیٹے کی پیدائش ہوئی تو آپ اس بچے کو اس وقت کے سلسلہ قادریہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلی (۹۸۱ھ) کے پاس دعا کے لیے لے گئے۔ شاہ کمال نے بچے کو گود میں لیا اور اس کے منہ میں اپنی انگلی دے دی۔ بچے نے اسے چوسا یہاں تک کہ شاہ کمال کہنے لگے:

> بابا بس کرو اتنا ہی کافی ہے کچھ ہماری اولاد کے لیے بھی چھوڑ دو تم نے ہماری ساری نسبت کھینچ لی ہے۔

آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیضان سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ آپ کے اجداد میں سے آپ کے جد ششم امام نواز رفیع الدین کابل سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ اس خاندان میں قادری اور نقشبندی نسبتوں کا قران السعدین رہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ سیدنا حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) یہ حضرات بھی اسی خاندان میں سے تھے۔ ان سب حضرات میں یہ خاندانی نسبت کھلے طور پر روشن تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیم

۱۔ آپ کے والد بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ آپ نے انہیں سے قرآن کریم حفظ کیا اور انہی سے عربی کتابوں کا آغاز کیا۔

۲۔ سیالکوٹ میں آپ ملا کمال کشمیری (۱۰۱۷ھ) کے ہاں قیام پذیر رہے اور فنون کی کتابیں ان سے پڑھیں۔ ملا یعقوب کشمیری (۱۰۰۳ھ) بھی ان دنوں وہیں مقیم تھے آپ نے حدیث کی کتابیں ملا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد آپ آگرہ چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ درس وتدریس میں گزارا۔ آگرہ ان دنوں مغلوں کا دارالحکومت تھا۔ اور اکبری دور میں وہ علماء وفضلاء کا بڑا مرکز تھا۔ آپ کی علمی شہرت اس سطح پر آگئی کہ شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل اور علامہ فیضی بھی آپ کے ارادت مندوں میں حاضری دیتے اور آپ سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۸ھ) بھی اس دور کے ہیں۔ آپ نے اپنے علم ظاہری اور علم باطنی سے حضرت امام ربانی کے مجدد ہونے کا کھلے طور پر اظہار کیا۔ مجدد اپنے دعوے سے نہیں اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری

آپ جب حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی (۱۰۱۲ھ) کے حلقہ عقیدت میں آئے تو آپ کی نقشبندی نسبت جاگ اٹھی اور یہ سب نسبتوں میں نمایاں ہوگئی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آپ روحانی طور پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی برابر فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ میں ان دونوں نسبتوں کا قران السعدین رہا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزار دہلی میں صدر بازار کے قریب قطب روڈ پر واقع ہے۔

حضرت امام ربانی کا عقیدہ ختم نبوت

آپ کا عقیدہ تھا کہ حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد کمالات نبوت کا سلسلہ ختم پذیر نہیں ہوا۔ انبیاء کو یہ دولت قرب خداوندی براہِ راست اور بے توسط ملتی رہی، ختم نبوت کے بعد اس دولت کا کسی امتی کو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ملنا بند ہوگیا۔ اب یہ دولت قرب خداوندی جس کو بھی ملے گی انبیاء کرام کی تبعیت اور وراثت سے ملے گی۔ علم کی کوئی راہ اب کسی کے لیے براہِ راست نہیں کھلی، جس نے بھی کمالات نبوت سے کچھ حصہ پایا نبوت و وراثت کی راہ سے پایا۔

صحابہ کرام اس دولت قرب خداوندی سے حضور علیہ السلام کے وارثوں کے طور پر مشرف ہوئے اور کبار تابعین اور اکابر تبع تابعین پر بھی ان کمالات نبوت کا سایہ رہا لیکن بلا واسطہ یہ فیضان الٰہی اب کسی امتی کے نصیب نہیں کیونکہ حضور اکرم علیہ السلام پر نبوت کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا۔ آپ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

> باید دانست کہ حصول ایں موہبت درحق انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات بے توسط است و درحق اصحاب انبیاء علیہم الصلوات و التحیات کہ بہ تبعیت و وراثت بایں دولت مشرف گشتہ اند بتوسط انبیاء است علیہم الصلوات والبرکات۔ بعد از انبیاء و اصحاب ایشاں علیہم الصلوات والتسلیمات کم کسے بایں دولت مشرف گشتہ اند

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر: ۳۰۱، ص: ۴۳۳)

> ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اس انعام (وصول بکمالات نبوت) کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں بغیر کسی توسط کے ہوتا رہا اور صحابہ کرام جو تبعیت اور وراثت کی راہ سے کمالات نبوت سے مشرف ہوئے وہ بتوسط انبیاء اس دولت کو پہنچے۔ انبیاء اور صحابہ کے بعد ایسے افراد بہت کم ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہوں۔ اگرچہ یہ ممکن رہا کہ کوئی بھی پیروی اور وراثت کی راہ سے اس دولت کو پالے۔

آپ فرماتے ہیں کہ کمالات نبوت کسی کو بہ توسط تبعیت و وراثت ملیں، یہ موقف حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ ختم نبوت کے خلاف جو چیز ہے وہ یہ کہ کمالات نبوت کسی کو بالاصالۃ خدا تعالیٰ سے ملیں۔ ان کا بتوسط انبیاء ملنا ہرگز ختم نبوت کے منافی نہیں۔

حصول کمالات نبوت مرتابعاں را بہ طریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰات والتحیات منافی خاتمیت او نیست علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام فلا تکن من الممترین
(دفتر اول مکتوب: ۳۰۱)

ترجمہ: حصول کمالات نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وراثت سے پالینا آپ کی خاتمیت کے خلاف نہیں ہے سوتم اس میں شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ایں قرب بالاصالۃ نصیب انبیاء است و ایں منصب مخصوص بایں بزرگواراں علیہم الصلوات و البرکات و خاتم ایں منصب سید البشر است

ترجمہ: یہ قرب الٰہی اصل میں انبیاء کا حصہ ہے اور یہ منصب انہی حضرات سے مخصوص رہا ہے اور اس منصب کے خاتم حضور سید البشر ہیں۔

آپ ملا محمد مراد کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

لوازم کمالا تیکہ در نبوت در کار است ہمہ را عمر داند اما چوں منصب نبوت بخاتم الرسل ختم شدہ است علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام بدولت نبوت مشرف نگشت
(دفتر سوم مکتوب ۲۴ ص ۴۳)

ترجمہ: کمالات کے جو لوازم نبوت میں درکار ہیں سب حضرت عمر کو معلوم تھے لیکن چونکہ یہ منصب نبوت حضور خاتم النبیین پر ختم ہو چکا آپ منصب نبوت نہ پا سکے۔

حضرت امام ربانی کے خلفاء کرام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بیٹوں میں خواجہ محمد صادق (۱۰۲۴ھ)، خواجہ محمد سعید (۱۰۷۰ھ)، شاہ محمد یحییٰ (۱۰۹۶ھ) اور حضرت خواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ) نے اپنے والد

سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ کے پوتے شیخ عبدالاحد (۱۱۲۶ھ) (جو خواجہ محمد سعید کے بیٹے تھے) نے بھی آپ سے خلافت پائی اور آپ کی طرف سے لوگوں کو خدا کی راہ کی دعوت دیتے رہے۔

علاوہ ازیں آپ سے حضرت شیخ میر محمد نعمان (۱۰۶۰ھ)، سید آدم بنوری (۱۰۵۶ھ)، شیخ محمد طاہر لاہوری (۱۰۵۴ھ)، شیخ بدرالدین سرہندی (...ھ)، شیخ بدیع الدین سہارنپوری (...ھ) اور دوسرے کئی حضرات نے خرقہ خلافت پایا اور لوگوں کو اللہ کی طرف لوٹنے کی عام دعوت دیتے رہے۔ تاہم حضرت امام ربانی کے بڑے جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم ہوئے۔ آپ کے چھ بیٹوں نے آپ سے خلافت پائی۔

۱۔خواجہ عبیداللہ (۱۰۸۳ھ)، ۲۔ شیخ سیف الدین (۱۰۹۶ھ)، ۳۔شیخ صبغت اللہ (۱۱۴۰ھ)، ۴۔ حجۃ اللہ محمد نقشبند (۱۱۱۵ھ)، ۵۔خواجہ محمد اشرف (۱۱۱۷ھ) اور ۶۔شیخ محمد صدیق (۱۱۳۰ھ)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بڑے دو صاحبزادے خواجہ محمد صادق اور خواجہ ابو سعید حضرت خواجہ باقی باللہ سے بھی اجازت یافتہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد صادق کا انتقال اپنے والد کی زندگی میں ہوا۔ یہ اپنے روحانی مقام میں اس بلندی پر پہنچے کہ آپ کے والد محترم امام ربانی بھی آپ سے کئی امور میں استفادہ فرماتے تھے۔ سرہند میں آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم آپ کے جانشین رہے۔ آپ کی اتباعِ سنت اور آپ کے ابطال بدعت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی نمازِ جنازہ سنت کے مطابق پڑھی گئی اور نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا نہ کی گئی۔ روضۃ القیومیہ میں حضرت امام ربانی کے جنازہ کے بارے میں لکھا ہے:۔

> حضرت خازن الرحمۃ نے نمازِ جنازہ کی امامت کی کیونکہ یہی آنجناب کے منتخب کردہ امام تھے۔ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبوی اقتضاء نہیں کرتی علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔

(روضۃ القیومیہ ج:۱، ص: ۴۴۹، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

(۲) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ ان کی

ولادت ۱۰۰۷ھ میں سرہند کے قریب ایک بستی میں ہوئی۔ آپ کا لقب العروۃ الوثقیٰ رہا، یہ وہ کڑا ہے جو کہیں ٹوٹنے نہ پائے گا، آپ اپنے دائرہ کے قطب تھے۔

ولایت کی راہ میں قطب اپنے دائرہ کے تمام اولیاء کا مرکز ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۰۴ میں آپ کے مقام قبولیت کا ذکر کیا ہے۔ آپ اپنے مکتوبات دفتر اول مکتوب ۸۶ میں لکھتے ہیں کہ درویش اس پورے جہاں میں خلیفہ حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس عبارت میں درویش سے ان کی اپنی ذات مراد ہے۔

> حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس درویشے را از مخلصاں خود بخلعت قبولیت نواختند
>
> ترجمہ: حضرت امام ربانی نے اپنے مخلص خدام میں سے ایک درویش کو خلعت قبولیت سے نوازا۔

حضرت امام ربانی آپ کو زمرہ سابقین میں شمار کرتے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوئے جو اس کے فرد ٹھہرے، مگر ان کا نمبر متاخرین میں ہوا۔ چودھویں صدی کے علماء میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری بھی زمرہ سابقین کے ایک فرد تھے جن کا ظہور اس دور میں ہوا۔

حضرت پیران پیر نے بھی ایک مقام پر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم لکھتے ہیں:

> حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ روزے فرمودند کہ در زمرہ سابقین کہ حضرت حق سبحانہ در شان ایشاں **ثلۃ من الاولین و قلیل من الاٰخرین** فرمودہ است نظرے کردم خود را داخل آن جرگہ دیدم۔

(مکتوبات معصومیہ جلد: ۱، مکتوب: ۲۳۷)

> ترجمہ: حضرت پیر دستگیر نے ایک دن فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ اس زمرہ سابقین میں جس کی طرف قرآن کی اس آیت "**ثلۃ من الاولین و قلیل من الاٰخرین**" میں اشارہ ہے، نظر کی میں نے اپنے آپ کو اس جرگہ میں دیکھا۔

جو لوگ کمالات علیہ عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و وجاہت میں بھی سب سے آگے نکلے۔ اللہ تعالیٰ

انہیں سابقین میں جگہ دیتے ہیں۔

اس آیت ثلّة من الاولین وقلیل من الآخرین میں دونوں گروہ ثلّہ اور قلیل اس امت میں سے ہیں۔ روح المعانی میں طبرانی سے ایک حدیث ابوبکرہ کی بسند حسن منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا، هما جمیعاً من هذه الامة۔ واقعی اس درجہ کے لوگ پہلے طبقوں سے بہت زیادہ ہوئے اور پچھلے طبقوں میں بہت کم ہوئے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ پچھلوں میں بھی ایسے لوگ ہوئے جو زمرہ سابقین کے تھے۔ (فوائد القران ملخصاً ص: ۷۰۹)

زیارت قبور میں برزخ کی سیر کشفِ قبور سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کشف قبور میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ آپ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر حاضر ہوئے۔ آپ نے وہاں کیا دیکھا؟ آپ اپنا یہ مشاہدہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

بحر انوار موجزن ہے اور کمالات صحبت خیرالبشر آپ میں تاباں و درخشاں ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کشف قبور میں آپ بہت بلند پرواز تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس قسم کے انوار حضرت علی ہجویری المعروف داتا صاحب کے مزار پر محسوس کیے اور فرمایا میں نے کیا دیکھا۔ آپ ایک عجیب شان سے سلطنت کر رہے ہیں۔ اس روحانی سلطنت کو مادی تصرفات میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم ایک مقام پر حدیث القبر روضة من ریاض الجنة پر لکھتے ہیں:۔

مراد روضه بودن قبر آنست که حجابے ومسافتے که میان آن بقعه قبر و جنت است بوجه مرتفع مے گردد و هیچ حجابے و مانعے میان آن هر دو مقام نمے ماند پیدائے کند ایں قسم روضه اخص الخواص راست. دیگراں را از نورانیت ایمان اگر پرتو از جنت دراں بقعه تابدے شاید حیاتے که به نشاء دنیوی تعلق دارد دو چیزے طلبد حس و حرکت. حیاتے که به برزخ متعلق است محض حس است بے آنکه با وحرکتے بود. حق تعالیٰ حکیم مطلق است و موافق هر محل حیاتے داده است در برزخ از حس

چارہ نیست تا تالم وتلذذ صورت بندد وحرکت ہیچ درکار نیست

ترجمہ: قبر کے باغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ قبر اور جنت کے جو فاصلہ اور پردہ تھا وہ اب اُٹھ گیا ہے اور ان جگہوں میں کوئی چیز حائل نہیں یوں سمجھئے کہ اب اس فانی قطعہ فنا میں جنت کی بقاء اُتر آئی ہے۔
اس قسم کا روضہ قبر اخص الخواص کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے بوجہ ایمان کی نورانیت کے جنت کا پرتو بھی اس ٹکڑہ زمین پر چمکے تو ہوسکتا ہے وہ زندگی جو اس جہاں سے تعلق رکھتی ہے اس میں حس اور حرکت دونوں ہوتی ہیں۔ وہ حیات جو برزخ میں ملتی ہے اس میں حس تو ہے حرکت ظاہر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اس نے ہر جہاں کے مناسب ایک زندگی پیدا کی ہے، عالمِ برزخ میں حس کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ بدن تکلیف اور راحت پا سکے وہاں حرکت کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

آپ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے بیٹے ہیں جو دہلی کے ان اونچے علماء میں سے تھے جو فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شامل رہے۔ اس کے ساتھ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اُونچے درجے کے امام طریقت بھی رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حدیث روایت کرنے کی اجازت حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے لی تھی پھر آپ مدینہ شریف تشریف لے گئے تھے اور وہاں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم الکردی المدنی سے بھی حدیث کی اجازت لی۔

آپ کی عمر سترہ سال کی تھی کہ آپ کے والد محترم نے آپ کو بیعت و ارشاد کی خلافت دی۔ آپؒ انفاس العارفین میں خود لکھتے ہیں:۔

حضرت ایشاں مے فرمودند کہ در دل من بے اختیار خطور مے کند کہ بیک دفعہ ہمہ علوم در سینہ تو اندازم و باز بعد چندے جوشے مے زدند و بہ ہماں کلمہ متکلم مے شدند...... اثر انفاس مبارک ایشاں ظاہر گشت والا

این فقیر چنداں محنت تحصیل نکشیدہ (انفاس العارفین ص: ۶۳)
ترجمہ: آپ کہا کرتے تھے کہ میرا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم تیرے سینہ میں ڈال دوں اس کے بعد آپ کچھ جوش میں آجاتے اور پھر وہی بات کہتے، آپ کے کہنے کا اثر ظاہر ہوگیا اس فقیر نے طالب علمی میں کچھ زیادہ محنت نہیں کی (اور اتنے علوم اوپر سے قلب پر آوارد ہوئے)

آپ کی اس راہ کی کتابیں ہمعات، سطعات، القول الجمیل، انفاس العارفین اہل طریقت کا روحانی سرمایہ ہیں۔ علمی طور پر آپ فقہاء کی نسبت محدثین کی روش پر چلے، آپ خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں احادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش محدثین افتاد

(الجزو اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مطبع احدی دہلی ص: ۱۹۵)

درویشوں کی راہ میں قواعد کی پابندی نہیں رہتی اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ مسائل میں محدثین کی طرح کچھ آزادی میں آگئے اور ظاہر حدیث میں آپ کا دل لگنے لگا یہاں تک کہ پھر حضورؐ نے آپ کو ایک مکاشفے میں اس طرف متوجہ کیا کہ مذہب حنفی میں خود ایک ایسی راہ موجود ہے جو صحیح بخاری کی روایت کردہ سنن کے بہت قریب ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

عرفنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ وھی اوفق الطرق بالسنۃ التی جمعت فی زمن البخاری

آپ نقشبندی حضرات کی نشاۃ ثانیہ کے امام ہیں۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شامل رہے اور یہ خاندان پہلے سے ایک علمی سلسلہ رہا ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ سے علم و معرفت کے حیرت افزا چشمے پھوٹے۔ آپ کی بھی کشف میں بہت اونچی پرواز تھی۔ آپ کے حرم مکہ اور مدینہ کے مکاشفات فیوض الحرمین کے نام سے جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی کتابیں ہمعات اور سطعات اس موضوع پر آپ کے سنگ میل ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء، تفہیمات الٰہیہ اور بدور بازغہ میں آپ کے علوم کا سمندر موجزن ہے۔ آپ کا خاندان بیت علم حنفیہ مانا گیا ہے۔ مولانا حالی

نے محدثین دہلی کے قبرستان کے بارے میں کہا تھا:۔

آج جس جنس گراں کا اس جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں چشتی صابری سلسلے کے دو بزرگوں کا بھی کچھ ذکر کردیں جو اپنے کمالات میں زمرہ سابقین کی عزت پائے ہوئے تھے۔

اس دور کے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے دو مرکزی بزرگ

(۱) حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی (۱۲۵۹ھ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ) کے پہلے شیخ طریقت حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی (۱۲۵۶ھ) تھے اور دوسرے حضرت شیخ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ (۱۲۵۹ھ) تھے۔شاہ نصیر الدین محدثین دہلی کے خانوادہ میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ دونوں بھائی تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اسحٰق تھے اور شاہ رفیع الدین کے نواسہ شاہ نصیر الدین تھے۔ یہ شاہ محمد اسحٰقؒ کے داماد اور شاگرد بھی تھے۔حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد آپ نے جہاد بالاکوٹ کی کمان سنبھالی اور پھر سے اس تحریک کی روح زندہ کردی۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حاجی امداد اللہؒ اس قافلہ آزادی سے کسی دور کے فاصلے پر نہ رہے تھے آپ کے دوسرے شیخ میاں جی نور محمد صاحبؒ بھی حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگرد تھے، ظاہر ہے کہ اس گھرانے نے جذبہ حریت ...... وراثت میں پایا تھا۔

حضرت میاں جی نور محمد صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی (۱۲۶۶ھ) کے خلیفہ تھے مولانا سید عبدالحی جناب میاں صاحب کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

> اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت اور طریقے میں برکت ڈالی آپ کے انوار آفاق میں پھیلے اور چشتی صابری طریقہ آپ سے ایک نئی شان میں ظاہر ہوا اور اپنی انتہا کو پہنچا۔(نزہۃ الخواطر ص:۱۷، جلد:۸)

قافلہ حریت کے پہلے تینوں بزرگ حاجی امداد اللہؒ، حافظ ضامنؒ اور شیخ محمد محدث تھانویؒ آپ کے خلفاء کرام تھے۔

(۲) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۳۱۷ھ)

آپ بھی نسباً حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں، والد محترم کا نام حافظ محمد امین تھا۔ یہ خاندان تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں مقیم تھا۔ حافظ محمد امین صاحب کی شادی نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی اور وہیں ۱۲۳۳ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی عمر تین سال کے قریب تھی کہ حضرت سید احمد شہید اپنے ایک سفر میں نانوتہ ٹھہرے اور وہیں یہ بچہ حضرت سید صاحب کے پاس لایا گیا اور آپ نے اسے تبرکاً اپنی بیعت میں لیا، اسے بیعت تبرک کہتے ہیں۔ نانوتہ میں آپ کو بچپن میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی (۱۳۰۴ھ) کی معیت مل گئی وہ آپ کو دہلی لے آئے یہاں آپ حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی کے حلقہ میں گئے اور ان سے کچھ ظاہری علوم کی بھی تحصیل کی۔

آپ کی ظاہری دینی تعلیم

آپ نے دہلی میں فارسی اور عربی صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی، عقائد میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کا فارسی رسالہ، تکمیل الایمان تھانہ بھون کے مولانا رحمت علی تھانوی سے پڑھا۔ فقہ اکبر (امام ابوحنیفہؒ کی تالیف) حضرت مولانا عبدالرحیم نانوتویؒ سے پڑھی اور مشکوٰۃ کا ایک حصہ حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادیؒ (۱۲۶۰ھ) سے پڑھا۔ مثنوی مولانا روم آپ نے شاہ عبدالرزاقؒ (۱۲۹۲ھ) سے پڑھی۔ آپ نے تین دفعہ مثنوی شریف کا دورہ شاہ عبدلرزاق سے کیا۔ اس کے بعض مقامات آپ نے ان کے شیخ حضرت مولانا ابوالحسن سے بھی سمجھے اور مثنوی میں یہ سند عالی حاصل کی۔ یہ مولانا ابوالحسن کون تھے؟ یہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ (...ھ) کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے عالم رویاء میں مثنوی خود مولانا روم سے پڑھی تھی۔ مولانا روم نے مثنوی کے صرف پانچ دفتر لکھے تھے چھٹا دفتر مفتی الٰہی بخش صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ جو آپ نے مولانا روم کے کہنے پر لکھا۔ محققین نے مثنوی مولانا روم کو قرآنی علوم کا فارسی اڈیشن قرار دیا ہے۔ اس کی گہرائی میں علوم کے اتنے سمندر دبے ہیں کہ ہفت اقلیم اس کی مثل نہیں لاسکتے۔ مفتی الٰہی بخش صاحب نے بھی جو لکھا وہ انہی کی تلقین سے لکھا۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآن در زبان پہلوی

سو جب آپ نے کامل اساتذہ سے مثنوی کا دورہ تین دفعہ مکمل کیا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ علوم کی کتنی گہرائی آپ کو مثنوی سے ملی ہوگی۔ ظاہری عربی تعلیم آپ کی پوری تھی تبھی تو آپ نے ایک جلیل القدر محدث سے مشکوٰۃ پڑھی۔ آپ نے نحو کافیہ تک پڑھی تھی ان دنوں کنز، قدوری، کافیہ پڑھا ہوا مولوی بن جاتا تھا۔ پنجاب میں اب تک مثل چلی آرہی ہے۔

؎ کنز قدوری کافیہ پڑھ تے ملاں ہو

آپ کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ آپ رسمی عالم نہ تھے اس سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ اپنی تحصیل میں دورہ حدیث نہ کر پائے۔ دورہ حدیث میں حدیث کی اسانید پر عبور ملتا ہے، ورنہ مشکوٰۃ انہی کتب احادیث کا ایک ایسا طاق ہے جس میں حدیث کے جملہ ابواب کے چراغ پوری تابانی سے روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دورہ حدیث کی بجائے دائرہ حدیث میں رسوخ دینا چاہتے تھے ورنہ یہ نہیں کہ علوم میں آپ کے لئے کوئی تشنگی باقی رہ گئی تھی۔ آپ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اور لوگ تو حضرت کی کرامات دیکھ کر آپ سے بیعت ہوئے میں آپ کے علم کو دیکھ کر آپ کے حلقہ ارادت میں آیا ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنے حلقہ میں فتویٰ کی زبان اختیار نہ کی جب بات اس درجہ تک پہنچتی تو آپ یہی فرماتے:۔

> ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند

(ضیاء القلوب ص: ۲۳۶)

حضرت حاجی صاحب کے اس اشارے کا اثر تھا کہ جناب میاں شیر محمد شرقپوریؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ اور پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوریؒ نے علماء دیوبند کی مخالفت میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا اور اہل سنت کی باہمی تفریق کی کوششوں میں وہ کسی طرح حصہ دار نہ بنے۔ مولانا عبدالستار نیازیؒ اپنی جماعت کو بار بار سمجھاتے رہے کہ ہمیں حضرت حاجی صاحب کے اس فیصلے کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہیے جب یہ لوگ المہند میں اپنے عقائد واضح کر چکے ہیں اور مولانا احمد رضا خاں نے بھی المہند کے خلاف کچھ نہیں لکھا تو اب ہم

اس تفریق امت پر کیوں جمے رہیں۔ مگر افسوس کہ ان کی جماعت نے ان کی یہ بات نہ مانی۔

فہم قرآن وحدیث میں حاجی صاحبؒ کے علم کی ایک جھلک

انسانوں سے اگر کبھی غلطی ہو جائے اور وہ صدق دل سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان گناہوں پر مواخذہ نہ کریں انہیں معاف کر دیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو نیکیوں میں کیسے بدل دیتے ہیں یہ موضوع مشکلات قرآن میں سے ہے۔ دیوبند کے ایک چوٹی کے محدث اس مشکل سے یوں نکلتے ہیں:۔

> بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا کما یظھر من بعض الاحادیث.

یہاں بھی ان بدیوں کے نیکیوں میں آنے کی مشکل حل نہیں ہو سکی۔ اب حضرت حاجی صاحب کے علم لدنی کی جولانی بھی ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:۔

> اس آیت میں سیئات سے مراد وہ طاعات وعبادات ہیں جو پورے حکم کے مطابق نہ ہوں اور یہ ضرور مشکل کام ہے کہ طاعات وعبادات پورے حکم کے موافق کریں کیونکہ اول تو ہم اس کا ارادہ واہتمام نہیں کرتے اور یہ کھلا ہوا جرم ہم پر ہر وقت موجود ہے، دوسرے اہتمام کو بھی لیں تو بے پروائی ہو جائے گی۔ اپنے نماز روزہ کو دیکھ لیجیے کہ ان کی کیا حالت ہے۔ اخلاص پایا نہیں جاتا، دوسرے آداب مہمل رہتے ہیں غرض یہ اعمال ہماری نظر میں حسنات ہیں اور در حقیقت حسنات نہیں، ایک قسم کے مکروہات ہیں اور آیت میں سیئات سے مراد یہی ہیں جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو حسنات میں لکھ دیں گے۔

(وعظ حضرت تھانویؒ المعروف بشوق اللقاء الافاضات جلد: ۴، ص: ۴۳)

جب ان نام کی حسنات سے مکروہات کے سائے اٹھ گئے تو اب وہ اصل حسنات ہو گئیں۔ معلوم ہوا سیئات اس طرح حسنات میں بدلتی ہیں نہ یہ کہ گناہ خود نیکیوں کا لباس اڑھا دیئے جاتے ہیں۔

فاولٓئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات (الفرقان آیت: ۷۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح قرآن وحدیث کے حقائق حضرت حاجی صاحب کے دل ورگ میں اترے ہوئے تھے۔ان کے علوم کی اتھاہ گہرائیوں تک بڑے بڑے محدثین اور مفسرین کا دماغ نہ پہنچتا تھا،اس سے علم اکتسابی اور علم لدنی کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے علم کی ایک اور مثال

قرآن کریم میں ہے:۔

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون

(پ:۲۷،الذاریات:۵۶)

حضرت حاجی صاحب سے سوال کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس کی تسبیح کرتی ہے **ان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم** (پ:۱۵ اسرائیل:۴۴) تو پہلی آیت میں انسانوں اور جنوں کی تخصیص کے کیا معنی ہیں؟

اس پر آپ نے فرمایا:۔

ایک تو عبادت ہے اور ایک طاعت اولاً ایک مثال ان دونوں کے فرق کی سمجھ لو، وہ یہ کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے (servant) اور ایک غلام (slave) نوکر کا کام متعین ہوتا ہے خواہ ایک ہو یا متعدد اور غلام کی کوئی خدمت متعین نہیں ہے بلکہ تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا بھی حکم ہوجائے۔

اسی طرح جن و انس کے سوا تمام مخلوق کی طاعت معین ہے ہر شئی مخلوقات میں سے ایک خاص کام پر معین ہے کہ اس کے سوا دوسرا کام اس سے نہیں لیا جاتا،مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہیں ہے چنانچہ ایک وقت انسان کا سونا عبادت ہے دوسرے وقت میں دوسرا کام عبادت ہے ...... غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی انسان کی ہے ......تمام مخلوق ذاکر وشاغل ہے مگر عابد صرف انسان ہی ہے۔

(وعظ حضرت تھانوی صلوٰۃ الحزین جلد..،ص:۱۵)

پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس

اور سجدہ وغیرہ کے الفاظ سے ذکر فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا۔ (وعظ تفاضل الاعمال ص: ۱۰)

حضرت حاجی صاحب کے حدیث کے علمی غوامض

حضرت حاجی صاحب علوم قرآن کی کس گہرائی میں چلے ہم دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ اب فہم حدیث میں بھی ہم دو مثالیں آپ کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔

۱۔ حدیث میں ہے الحزم سوء الظن

حزم (دانائی) لائق مدحت ہے اور سوء ظن کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں لائق مدحت نہیں۔ اس حدیث میں حزم اور ظن دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اب یہ تعارض کس طرح اٹھے؟ اسے حضرت حاجی صاحب ایک لفظ کہہ کر حل کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں، یہاں سوء الظن بنفسہ مراد ہے۔ یہ بدگمانی دوسروں کے بارے میں نہیں اپنے بارے میں ہے۔ دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے بدگمان رہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

> حاجی صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں ای بنفسہ یعنی دانائی اور احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن رکھے کسی وقت مطمئن نہ ہو، ہمیشہ کھٹکتا رہے۔ اگرچہ حکماء نے اس جملہ کے اور دوسرے معنی بھی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے ہر شخص سے بدگمان رہے وہ کیسا ہی مخلص ہو۔ معاملہ کے اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہیں مگر عارفین کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے۔ (وعظ شب مبارک ص: ۱۷، احکام اعمال ص: ۹)

۲۔ ایک اور حدیث کے مختلف محامل دیکھئے

حضرت حاجی صاحب سے حدیث میں وارد ایک دعا کا مطلب پوچھا گیا، وہ دعا یہ ہے:

> **اَللّٰھم اجعل وساوس قلبی خشیتک و ذکرک واجعل ھمتی و ھوای فیما تحب و ترضیٰ**
>
> ترجمہ: اے اللہ! میرے دل کے وسوسوں کو اپنی خشیت اور اپنی یاد بنادے اور میری ہمت اور خواہش کو ایسا کردے کہ تجھے پسند آجائے

اور تو اس سے راضی ہو جائے۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:۔

اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے وساوس کے خشیت و ذکر، قلب میں پیدا ہو جائے اور یہ جعل ایسا ہوگا جیسا اس حدیث میں ہے۔ من جعل الهموم هماً واحداً یعنی پہلی چیز زائل ہو جائے اور دوسری پیدا ہو جائے (۲) دوسرے یہ کہ وساوس ذریعہ خشیت و ذکر کا بن جائیں وہ اپنے وساوس کو مرأۃ جمال خداوندی بنالے اس طرح سے کہ جب وساوس بند نہ ہوں تو مراقبہ کرے، جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ سمجھے۔ اس طرح یہ وساوس مرأت قدرت حق بن جائیں گے پھر مضر نہ ہوں گے۔ (۳) حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود وساوس ہی کو ذریعہ خشیت و ذکر کر دیں جیسے کہ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی
این چنیں مینا گریھا کارتست
ایں چنیں اکسیرھا اسرار تست

(کمالات اشرفیہ ص:۴۱۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علمی پیرایہ میں حضرت حاجی صاحب کی نظر گہری دقیق تھی کہ بڑے بڑے علماء ان باریکیوں میں اترنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ سو یہ کہنا کہ حاجی صاحب کتاب وسنت کے غوامض پر نظر نہ رکھتے تھے اور عالم نہ تھے کسی طرح صحیح نہیں۔

حضرت حاجی صاحب کی خاندان دہلی سے نسبت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) جس طرح علم میں بواسطہ اپنے شاگرد حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (۱۲۶۲ھ) مسند علم ٹھہرے، آپ اعمال احسان اور سلوک وعرفان میں بھی بواسطہ اپنے خلیفہ حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) کے ہمیشہ کے لئے مسند ارشاد ہو گئے۔ پھر جذبہ جہاد اور عمل قربانی میں بھی حضرت سید احمد شہید تیرھویں صدی کے مجدد ہوئے اور آپ نے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید (۱۲۴۶ھ) اور حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی کو ساتھ لے کر بالاکوٹ کی قربان گاہ میں اپنی جانیں اس شان سے جان آفریں کے سپرد کیں کہ شاید چشم فلک نے ایسا نظارہ پہلے کبھی ہندوستان میں نہ دیکھا ہو۔ یہ درست ہے کہ

مسلم فاتحین دفع مظالم کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن شاہان تصوف کا بے سروسامانی میں جانیں قربان کرنے کا ایسا دلکش نظارہ شاید پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا۔ انہی سید احمد شہید نے حاجی امداداللہ صاحب کو تین سال کی عمر میں بیعت تبرک میں لیا تھا۔

حضرت حاجی صاحب کی بیعت حضرۃ مولانا نصیرالدین سے

یہ مولانا نصیرالدین کون تھے؟ جس طرح شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے آپ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) کے نواسے تھے اور ...۲۔ آپ حضرت شاہ محمد اسحٰق کے داماد بھی تھے ...۳۔ آپ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۲۵۱ھ) مجددی کے خلیفہ بھی تھے اور ...۴۔ حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے چار سال بعد آپ نے پھر سے ان مجاہدین کو اکٹھا کرنے کی جدوجہد میں سربراہ اور امیرالمومنین کی ذمہ داری قبول کی۔ آپ کو یہ وہ عظیم نسبتیں حاصل تھیں کہ شاید اس وقت تحریک آزادی میں ان سے بہتر قائد مسلمانان ہند کو میسر نہ ہوگا۔

حضرت حاجی امداداللہ کے پہلے مرشد یہی مولانا نصیرالدین نواسہ شاہ رفیع الدین تھے۔ حضرت مولانا مملوک علی حاجی صاحب کو دہلی لائے تھے یہاں تو آپ شاہ نصیرالدین کے حلقہ تعلیم وتربیت میں رہے۔ شاہ نصیرالدین، سیدنا ناصرالدین تھانیسری کی اولاد میں سے تھے اور یہاں نقشبندی سلسلے کے عظیم شیخ طریقت تھے۔ حضرت شاہ نصیرالدین حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے بھی رکن تھے۔ حضرت حاجی صاحب کو اچانک اپنے والد کی بیماری کے باعث تھانہ بھون جانا پڑا۔ حضرت شاہ نصیرالدین نے آپ کو طریقہ نقشبندیہ کی اجازت دی آپ کو رخصت کیا افسوس کہ آپ دوبارہ شاہ نصیرالدین کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے۔ حضرت شاہ صاحب نے ۱۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت حاجی صاحب کی بیعت حضرت میاں جی نور محمدؒ (۱۲۵۹ھ) سے

حضرت شیخ نور محمد جھنجھانہ (ضلع مظفرنگر) کے رہنے والے تھے اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی خلیفہ شاہ عبدالباری امروہیؒ (۱۲۲۴ھ) کے خلیفہ تھے۔ شاہ عبدالرحیم ولایتی تحریک حضرت سید احمد شہید کے رکن رکین تھے اور اسی میں وہ آپ کے ساتھ شہید ہوئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہ دوسرے مرشد بھی وہی جذبہ جہاد رکھتے تھے جو آپ کے پہلے مرشد شاہ نصیرالدین کا ذوق عمل تھا۔ حضرت شاہ

عبدالرحیم ولایتی نے حضرت میاں جی نور محمد (۱۲۵۹ھ) کو براہ راست بھی حضرت سید احمد شہید سے بیعت کرا دیا تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت میاں جی کو دونوں طرف سے نقشبندی طریق سے بھی اور چشتی طریق سے بھی حضرت سید احمد شہید سے نسبت حاصل تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو خواب میں حضور اکرم ﷺ سے حضرت میاں جی نور محمد کی بیعت کا اشارہ ملا تھا اور آپ خواب میں ان کی صورت مبارکہ بھی دیکھ پائے تھے آپ پھر اپنی اس نسبت سے قطب الارشاد کے درجے تک پہنچے۔ حضرت میاں جی نور محمد کے دوسرے بڑے خلیفہ تھانہ بھون کے بڑے عالم شیخ محمد محدث تھانوی (۱۲۱۶ھ) تھے آپ حضرت میاں جی نور محمد کا ذکر اس پیرائے میں کرتے ہیں۔

چوں بغیراو دے ناسودہ ایم
نور از نور محمد بودہ ایم
برسر ہر کس کہ ظل او فتاد
از گدا شد شاہ اقلیم رشاد

آپ کے تیسرے بڑے خلیفہ حافظ ضامن شہیدؒ (۱۲۷۴ھ) ہیں جو ۱۸۷۵ عیسوی کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری (....ھ) نے ان کی تاریخ وفات یہ لکھی ہے۔

”ہوئے شہید وہ شاہ جری محرم میں“

حضرت حاجی صاحب کے ہندوستان کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ)، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (۱۳۰۳ھ)، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ)، مولانا فتح محمد تھانویؒ (۱۳۲۲ھ)، مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنو (۱۳۴۶ھ)، مولانا انوار اللہ خاں حیدر آبادیؒ (۱۳۳۶ھ)، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۳۳۹ھ)، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۴ھ)، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ (۱۳۶۴ھ)، مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) اور پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۳۵۶ھ) زیادہ معروف ہوئے مگر جب آپ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تو وہاں سلطان المناظرین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۳۰۸ھ) نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ سے خرقہ خلافت پہنا۔

چاچڑاں ضلع بہاولپور کے خواجہ غلام فرید صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے بڑے خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اکثر علمائے جید از علمائے دیوبند و دہلی و سہارنپور و گنگوہ از مریدان
حاجی صاحب ہستند و مولوی رشید احمد گنگوہی نیز مرید و خلیفہ اکبر مولوی
موصوف ہست و دیگر خلفائے وے ہم بسیار اند

(مقابیس المجالس ص: ۴۳ جلد دوم)

حضرت حاجی صاحب ۸۴ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ھ میں فوت ہوئے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی ۸۰ سال کی عمر میں ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی۔ پیر غلام فرید صاحب نے آپ کو یہاں مولوی لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی علمی شہرت میں بطور مولوی بھی معروف تھے گو آپ اپنے حلقہ ارادت میں زیادہ حاجی صاحب کے نام سے معروف ہوئے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مقام جذب میں سوال و جواب میں فرماتے ہیں، آپ سے پوچھا گیا تھا:۔

تو مکمل از کمال کیستی
تو منور از جمال کیستی

آپ نے کہا:۔

من مکمل از کمال حاجیم
من منور از جمال حاجیم

آپ نے یہ جواب دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نام میں بھی آپ کے متوسلین ایک لذت محسوس کرتے تھے۔

آپ اپنے حلقہ میں زیادہ اسی لقب سے معروف ہوئے، حاجی کے لئے ہی تو دعا کی جاتی ہے۔ اللّٰھم زد ھٰذا البیت شرفاً و زد من حج أو اعتمره شرفاً

حاجی امداد اللہ کا سلسلہ ارادت و بیعت

آپ کے نقشبندی سلسلہ میں پہلے حضرت شیخ سید نصیر الدین دہلویؒ (۱۲۵۶ھ) تھے، یہ حضرت شاہ محمد اخلاق دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ سید نصیر الدینؒ کو نقشبندی سلسلہ میں شاہ محمد آفاقؒ (۱۲۵۱ھ) اور حضرت سید احمد شہید دونوں سے نسبت حاصل تھی ازاں بعد آپ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ سے چشتی سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی نسبت رکھتے تھے لیکن آپ کی قوی نسبت چشتیہ سلسلہ میں رہی۔

حاجی صاحب چاروں سلسلوں کا منبع فیض تھے

جب کوئی فن اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو شیطان اس میں اپنی راہ نکال لیتا ہے وہ سالکین کے ذہن میں یہ بات اتارتا ہے کہ تمہارا سلسلہ ان ان باتوں میں دوسروں پر سبقت لے گیا۔ اس صورت میں اس کے دل میں دوسرے سلسلوں کا احترام باقی نہیں رہتا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس نبض پر ہاتھ رکھا اور کسی ایک سلسلہ میں بیعت کرنے کی بجائے چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے لگے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں:۔

> ہمارے حاجی صاحب چاروں سلسلوں میں اس لئے بیعت فرماتے تھے تاکہ دوسرے سلسلوں کی تحقیر و بدگمانی اور بدظنی کا قلب میں وسوسہ نہ آسکے۔ اس سے حضرت کا محقق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بہت بزرگوں کو دیکھا مگر جو شان تحقیق اور حدود کی رعایت حضرت کے یہاں دیکھی کسی کے ہاں نہیں دیکھی۔ حاصل مقصود تو سب سلسلوں کا ایک ہی ہے صرف طریق تربیت کے اعتبار سے فرق ہے، معنون ایک ہے عنوان میں فرق ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرے گا وہ اس طریق میں محروم رہے گا۔ ایک سلسلہ کی تحقیر سب کی تحقیر ہے۔

(الافاضات ج: ۴، حیرت ص:۵۵۱)

> ہمیں تو حاجی صاحب نے یہ سکھایا ہے کہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کو باپ سمجھو اور دوسرے سلسلہ والوں کو چچا۔ (ملفوظات اشرفیہ ص: ۲۱۸)

حضرت حاجی صاحبؒ کی سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں زیادہ مقبولیت

حضرت حاجی صاحب چاروں سلسلوں کے شیخ تھے اور آپ ان چاروں سلسلوں کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھے تاہم آپ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو بہت قبولیت ملی اور عرب و عجم کے مشائخ و عوام نے اس سلسلہ سے بہت فیض پایا۔ جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> صابریہ سلسلہ کا مرکز اس دور (یعنی اٹھارویں صدی) میں امروہہ بنا وہاں حضرت شاہ عضد الدینؒ (۱۱۷۲ھ)، حضرت شاہ عبدالہادیؒ (۱۱۹۰ھ)، حضرت شاہ عبدالباریؒ (۱۲۲۶ھ) نے تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کی وہ محفلیں گرم کیں کہ فضائیں تک جگمگا اٹھیں۔ شاہ عبدالباریؒ

کے خلیفہ سید عبدالرحیم فاطمی (۱۲۴۶ھ) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا
درد لے کر اٹھے کہ جب تک زندہ رہے احیائے سنت کے لئے کوشاں
رہے۔ جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہاد کی تیاری کی تو ان کے
ساتھ ہو گئے اور بالاکوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔
ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ (۱۲۵۹ھ) کے دامن تربیت
سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے صابریہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل
پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہ
رہے دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے۔

(تاریخ مشائخ چشت ص: ۲۴۴)

جناب مولانا مشتاق احمد انبیٹھویؒ لکھتے ہیں:۔
حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء بے شمار ہر دیار و امصار میں ہیں۔
متاخرین چشتیہ صابریہ میں حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی
کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی۔

(انوار العاشقین ص: ۸۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۴ھ)

جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی چشتیہ نظامیہ میں سیال شریف سے خلافت پائے ہوئے
تھے پھر آپ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب سے بھی بیعت ہوئے اور ان سے سلسلہ چشتیہ
صابریہ میں خلافت پائی۔

اکثر علماء دیوبند حضرت حاجی صاحبؒ سے ارادت و خلافت رکھتے تھے۔ حضرت
حاجی صاحب کے پیر مہر علی شاہ صاحب کو اپنے حلقہ ارادت میں لینے کا یہ اثر ہوا کہ حضرت پیر
صاحب گولڑی نے علماء دیوبند کی تکفیر پر دستخط نہ کئے، حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کو بھی اللہ کے
مقبول بندوں میں شمار کیا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت حاجی صاحب کے طریق کا حاصل

حضرت حاجی صاحب کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و
سوز ہو اور ظاہر میں اتباع ہو اور بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی مٹ
جائے مگر بدوں بزرگی پہلے ہوئے فناء حاصل نہیں ہوتی جیسے انبہ میں

شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے جیسے انبہ میں ترشی نہ آئے تو وہ شیریں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر (مقام) فناء حاصل ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص: ۱۲۷)

حضرت حاجی صاحب اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے، محقق تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات سے عالم کو بڑا فیض ہوا، بے شمار گم کردہ راہوں کو راہ مل گئی۔ حضرت کی بدولت فن سلوک کی درسگاہیں کھل گئیں، آپ کی دعا کی برکت سے صدیوں کا مردہ طریق زندہ ہوگیا اب صدیوں ضرورت نہیں۔ (الافاضات ج٦ ص ۱۵۸)

اب ہم آخر میں اپنے قارئین کو قادری سلسلے کے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ سے متعارف کراتے ہیں۔

ائمہ طریقت کا رائپوری سلسلہ

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ (۱۳۳۷ھ)

برصغیر پاک و ہند خصوصاً مغربی پنجاب میں اس سلسلے کی بہت شہرت ہے۔ اس سلسلے کا آغاز قطب ولایت حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ (۱۳۳۷ھ) سے ہوتا ہے۔ آپ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری (۱۳۰۳ھ) سے جو صوات کے مشہور بزرگ قطب الاولیاء حضرت اخوند عبدالغفور صاحب (۱۲۹۵ھ) کے خلیفہ تھے ارادت اور خلافت رکھتے تھے۔ حضرت اخوند کے پیر طریقت حضرت خواجہ محمد شعیب توروڈیری (۱۲۳۸ھ) رنجیت سنگھ کے دور میں ہوئے ہیں۔ آپ سکھ مظالم کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہے اور ایسے ہی ایک معرکہ میں شہادت پائی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ قادری اور نقشبندی دونوں سلسلوں کے شیخ طریقت تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ ان سے بیعت ہوئے، آپ نے انہیں خلافت رائپوری دی اور رائپور میں قیام کا حکم دیا۔ رائپور ضلع سہارنپور میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہ سلوک و احسان کی وادیوں کے سالکین اولیاء کرام کے مزارات پر بھی حاضری دیتے ہیں اور ان سے ان کو

ایک باطنی نسبت ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری بھی حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کے مزار پر کبھی کبھی کلیر شریف جانکلتے اور وہاں مزار کے پاس مراقب ہوکر بیٹھتے ایک دن آپ نے اچانک آواز سنی۔

ہمارے سلسلہ کی نعمت اس وقت گنگوہ میں لٹ رہی ہے وہاں مولانا رشید احمد کے پاس جاؤ۔

آپ ان دنوں حج کی تیاری میں تھے پہلے حجاز پہنچے پھر واپسی پر گنگوہ حاضری دی۔ آپ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضری دینے آئے تھے۔ آپ کے والد صاحب حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے اور اس تعلق سے آپ کو حضرت کے ہاں اور بھی قرب جاملا۔ حاجی صاحب سے آپ کی روشن نسبت باطنی مخفی نہ رہی آپ نے انہیں اپنا زیر تلاوت قرآن مرحمت فرمایا اور کہا ہندوستان واپسی پر مجھے مل کر جائیں اور واپسی پر انہیں حضرت گنگوہی کے نام ایک خط دیا۔

آپ جب ہندوستان آئے تو وہ ساعت سعیدہ آپہنچی جس کی حضرت رائپوری نے کلیر شریف میں غیبی آواز سنی تھی۔ آپ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی بیعت کی اور اسی دن حضرت گنگوہی نے آپ کو چاروں سلسلوں کی اجازت اور خلافت دی۔ یہ کلیر شریف کے حضرت علی احمد صابر کی روحانیت تھی جو آپ کو گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد کے واسطہ سے ملی گو اس سے پہلے آپ قادری اور نقشبندی دو سلسلوں کے مجاز اور شیخ کامل تھے۔

حضرت رائپوری کو نئے آداب ریاضت نہ دیئے گئے تھے

یہ مختلف سلاسل وادی سلوک کی چار راہیں ہیں منزل سب کی ایک ہے اور وہ ایک اللہ تعالیٰ کے حضور رسائی ہے، جو یہ دولت پا گیا منزل پا گیا گو وہ اسے کسی راہ سے ملی ہو۔ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت رائپوری کو ریاضت کی کسی نئی راہ پر نہیں لگایا نہ کوئی نئے اوراد و وظائف تلقین کئے، آپ کی پوری چشتی صابری نسبت بیعت میں آتے ہی آپ میں منتقل ہوگئی، اب یہ حضرت رائپوری میں قادری نقشبندی اور چشتی صابری سب نسبتیں جمع تھیں اور جب حضرت گنگوہی نے آپ کو چاروں سلسلوں کی اجازت دی تو آپ نے سہروردی نسبت کے چراغ بھی پوری روشنی میں دیکھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت رائپوری کو اپنی پہلی لائن پر ہی رہنے دیا گو آپ حضرت گنگوہی سے چشتی صابری سلسلوں کی پوری نسبت لے چکے تھے۔ آپ اپنے سالکین کو زیادہ قادری سلسلے میں تعلیم و تربیت دیتے رہے۔ حضرت گنگوہی کے مرشد حضرت حاجی صاحب نے ان سلسلوں کے جذبہ مسابقت کو روکنے کے لئے چاروں سلسلوں کی بیعت اور اجازت کی طرح ڈال ہی دی تھی۔

حضرت رائپوری نے اپنے جانشین حضرت شاہ غلام جیلانی کا نام حضرت شاہ عبدالقادر رکھ دیا اس سے اس سلسلے کو قادری ہونے کی اور شہرت ملی۔ ہوسکتا ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ آپ صرف جیلانی نہیں عبدالقادر جیلانی ہیں اور پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا سلسلہ آپ سے خوب چلے گا، اتنی بات صحیح ہے کہ آپ نے ان کا نام عبدالقادر رکھا۔

اس وقت ملک میں بڑی شخصیتیں ایسی تھیں جن کے علم و فضل، فہم و بصیرت اور جامعیت شریعت و طریقت میں کبھی کسی کو تردد کرنے والا نہ دیکھا گیا تھا۔ وہ دو حضرات یہ ہیں:

۱۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

۲۔ حکیم الامہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

حضرت شیخ الہند (۱۳۳۹ھ) نہ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے مسند آرائے حدیث تھے وہ اپنے وقت کے ایک عظیم سیاسی رہنما بھی تھے جو ترکوں سے مل کر ایک وسیع ہندوستان کی تعمیر چاہتے تھے، یہ آپ کی سیاسی فراست تھی جس نے ہندوستان کی ایک بڑی غیر مسلم قوم کو تحریک خلافت جو ایک خالص اسلامی سوچ تھی کا ہموا بنا دیا تھا۔ آپ کے ہاں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کا مقام کیا تھا وہ تاریخ کے سنہری حروف میں محفوظ ہے، ثانیاً آپ حضرت مولانا تھانویؒ کے ہاں کس عظمت و جاہت سے دیکھے جاتے تھے اسے خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت شیخ الہند کے ہاں حضرت رائپوری کا مرتبہ

حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں آپ اپنے وقت میں اسی مقام پر تھے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ سرہندی کو اپنے وقت میں حاصل تھا۔ آپ نے مالٹا میں بیٹھے جب حضرت رائپوری کی وفات کی خبر سنی تو آپ کے بارے میں اپنے احساسات اس طرح سپرد قلم کئے:

قبلہ و کعبہ امانی مُرد
عالم و حافظ مثانی مُرد
عارف حکمت یمانی مُرد
طائر عرش آشیانی مُد
زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبد الرحیم ثانی مُرد
رہنمائے مسالک ایماں
راگیرائے منازل ایقاں
راہ نورد مراحل احساں
ساقی بزم وحدت و عرفاں
زینت و زیب الف ثانی مُرد
شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد
ہمدمو! رائے کس سے لو گے کہو
مشورے کس سے اب کرو گے کہو
راز دل کس سے اب کہو گے کہو
رائے پور بھی کبھی چلو گے کہو

حضرت شیخ الہند اپنی سیاسی جدوجہد میں آپ سے مشورہ کرتے وہ آپ کی سیاسی بصیرت اور اصابت رائے کے پوری طرح قائل تھے۔

آپ نے سفر حجاز اور اسارت مالٹا سے پہلے ہندوستان میں آپ کو ہی اپنا جانشین بنایا تھا دیوبند میں آپ کسی کو یہ ذمہ داری نہ دینا چاہتے تھے تاکہ دیوبند کی انتظامیہ کسی ملکی سیاست میں ملوث نہ ہو افغانستان میں حضرت شیخ الہند نے اگر کوئی اپنا سیاسی حلقہ بنایا تو وہ ایک دوسرا ملکی تھا اور آپ کے شاگرد مہمات امور میں سب آپ کی طرف ہی دیکھتے تھے، آپ کی وفات پر حضرت شیخ الہند کے نامور شاگرد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس دکھ بھرے احساس کا ان لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

چلے ہاں آپ اور محمود بھی آنے نہ پائے تھے
اسے تو غالباً دل آپ کا بھی جانتا ہوگا
گئے ہو چھوڑ کر محمود کی اولاد کو کس پر
اگر ہوگا تو ہم کو آپ سے یہ ہی گلہ ہوگا
بہت اچھا ہمیں تم چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں بیکسوں کا بھی خدا ہوگا

آیئے اب دیکھیں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی نگاہ میں کیا تھے:۔

> مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا، میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب ان پر منکشف نہ ہو جائیں۔(حکایات الاولیاء (ارواح ثلثہ) ص: ۴۶۵)

آپ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کو اپنا جانشین بنایا اور انہیں نصیحت کی کہ میرے بعد سلوک کے بارے میں کوئی ضرورت محسوس ہو تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے مشورہ کرنا اور حضرت شیخ الہند جب ہندوستان واپس لوٹیں تو ان کے سیاسی فیصلوں میں ان سے بھرپور تعاون کرنا۔ یہ اس مردِ حُر کے آخری الفاظ تھے جو آپ نے اپنے سفرِ آخرت سے پہلے اپنے جانشین حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کو کہے اور داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۲) حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

آپ رائپوری سلسلہ کے دوسرے عظیم روحانی پیشوا ہیں۔ آپ ضلع سرگودھا (پاکستان) کے ایک قصبہ ڈھڈیاں میں ۱۲۹۰ھ سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، اسی زمانے میں پنجاب میں سکھ حکومت ختم ہوئی تھی اور انگریز ان کی دہشت گردی ختم کر کے ایک نیا نظام حکومت لائے تھے، یہ آپ کی پیدائش کی پہلی برکت تھی کہ مسجدیں سکھوں سے واگزار ہو کر پھر سے مسلمانوں کو ملیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا کلیم اللہ صاحب اور حضرت شریف ضلع سرگودھا کے مولانا محمد خلیل صاحب سے حاصل کی، مولانا محمد خلیل کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک مکاشفہ میں (اپنے سے آگے جاری ہونے والے) سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا تھا۔ اب ان

کے بعد آپ سہارنپور آئے سہارنپور میں مولانا ثابت علی اور مولانا حبیب الرحمن (بن مولانا احمد علی سہارنپوری) سے پانی پت میں قاری عبدالرحمن صاحب سے بھی علمی استفادہ فرمایا۔ قاری عبدالرحمن صاحب بہت عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے مولانا اسمٰعیل شہید کے پیچھے کئی نمازیں پڑھیں تھیں، کشف الحجاب انہی کی تالیف ہے۔ پھر کچھ وقت کے لئے رامپور بھی گئے اور پھر دہلی کا رخ کیا اور مدرسہ مولانا عبدالوھاب میں قیام کیا۔ یہ مدرسہ صدر بازار دہلی میں تھا اور اس پر مولانا نذیر حسین دہلوی کے گہرے اثرات تھے۔

آپ نے کچھ عرصہ بریلی کے مدرسہ مصباح التہذیب میں بھی گزارا اور غالباً یہیں تکمیل فرمائی۔ غالباً یہ ۱۳۱۹ھ کی بات ہے۔ آپ کی تدریسی خدمات میں آپ کا مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ میں تعلیم دینا مشہور ہے۔ انٗ کے صاحبزادہ مولانا مصطفٰے رضا خاں اور دوسرے کئی علماء نے بھی آپ سے پڑھا۔

ضلع سرگودھا میں بھیرہ ایک مشہور قصبہ ہے وہاں کے ایک اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) حکیم نورالدین حضرت کے بزرگوں کے خاندانی شاگرد تھے ان کے تعلق سے آپ نے مرزا غلام احمد کا ابتدائی دور بھی پایا۔ مرزا غلام احمد کے ساتھ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اہل حدیث مرزا غلام احمد کی طرف سے آپ کو خط لکھتے رہے۔

آپ کا ہاتھ وقت کے تمام فتنوں کی نبض پر بروقت آیا۔

پنجاب تمام عصری فتنوں کا مرکز رہا تھا (۱) قادیانیت یہیں اپنا سر اٹھا رہی تھی، (۲) مولانا احمد رضا خاں نے بریلی میں اپنا علیحدہ مدرسہ بنایا اور پنجاب میں حزب الاحناف لاہور سے یہ تحریک چلائی، (۳) اہلحدیث (باصطلاح جدید) کی تحریک ترک تقلید پنجاب میں چلی، ان کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں نے اپنی فصل بونے کے لئے اس زمین کو بہت زرخیز دیکھا۔ وزیر آباد میں حافظ عبدالمنان، امرتسر میں مولانا عبداللہ غزنوی، سیالکوٹ میں مولانا غلام حسن، بٹالہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی، دہلی میں مولانا احمد اللہ، گوجرانوالہ میں حافظ محمد گوندلوی، انبالہ میں علماء روپڑ، پورے پنجاب بلکہ ہندوستان بھر میں اپنے مراکز قائم کررہے تھے۔ اللہ تعالٰی نے اس دور میں دین حق کی حفاظت، فطری اعتدال اور اصلاح باطن کا کام آپ سے لینا تھا اس لئے اس نے آپ کو ان غلط تحریکوں اور فتنوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع دیا۔ آپ نے دہلی میں مولانا عبدالوھاب کے مدرسہ

میں اور بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ میں تحریک ترک تقلید اور تحریک ترک نسبت محدثین دہلی کو بذات خود دیکھا۔ قادیانیت کو بھی اس کی جڑوں سے دیکھا۔ حکیم نورالدین بھیروی (ضلع سرگودھا) اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور مرزا غلام احمد سے براہ راست خط و کتابت رہی۔ علماء کی صفوں میں رامپور میں معقولات کا دور دورہ دیکھا کہ ان میں بہت کم اصل منزل کی طرف رخ کرتے ہیں۔ آپ نے چشمہ صافی اسی راہ کو اختیار کیا جو شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں چلے۔ فطری اعتدال پسندی اور محبت الٰہی کی پیاس آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کی خدمت میں رائپور لے آئی۔ ایسے حضرات خدا کا چناؤ ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس قسم کے سیاہ اندھیروں اور مزلۃ الاقدام راہوں سے پورا بچا کر خود اپنے کام کے لیے چن لیتا ہے۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب

(پ: ۲۵، الشوریٰ: ۱۳)

آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رائپور خط لکھا اور ارادہ بیعت کے لئے حاضری کی اجازت چاہی، حضرت رائپوری نے آپ کو حضرت گنگوہی کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیا، آپ نے حضرت گنگوہی کی کبرسنی اور کمزور صحت پر نظر رکھتے ہوئے حضرت رائپوری کی ارادت میں آنے کی التجا کی جسے حضرت شاہ عبدالرحیم نے منظور فرمایا۔ آپ حضرت رائپوری سے ایسے وابستہ ہوئے کہ پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۱۰ء میں دونوں حضرات اکٹھے حج پر گئے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری اپنی زندگی میں ہی مرض وفات میں اپنے پاس آنے والوں کو حضرت شاہ عبدالقادر سے بیعت کراتے۔ بڑے حضرت گو (رائپور) سہارنپور کے رہنے والے تھے مگر آپ نے اپنی خلافت میں پنجاب کو آگے رکھا۔ بہاولنگر، جالندھر اور سرگودھا میں مولانا اللہ بخش بہاولنگری منشی رحمت علی جالندھری اور مولانا عبدالقادر صاحب کو سرفہرست رکھا۔ مسلم لیگ پاکستان کے رکن صوفی عبدالحمید صاحب آپ سے بیعت تھے اور آپ لاہور میں زیادہ انہی کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، (۲) رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، (۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ، (۴) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ قادری سرفہرست تھے۔ ان میں سے

ہر ایک کے ہاں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کے صحیح معنی میں جانشین تھے۔

آپ کے خلفاء کرام میں پنجاب میں زیادہ معروف یہ بیس حضرات رہے:۔

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کے نواسہ حضرت مولانا عبدالعزیز (سرگودھا)

(۲) مولانا عبدالعزیز رائپوری، چک ۱۱ چیچہ وطنی

(۳) حضرت مولانا محمد عبداللہ رائپوری شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ

(۴) حضرت مولانا عبدالعزیز ساہیوال

(۵) مولانا عبدالقادر جھاوریاں

(۶) پیر جی عبداللطیف رائپوری (چیچہ وطنی)

(۷) حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی

(۸) مولانا عبدالجلیل ڈھڈیاں برادرزادہ حضرت رائپوری

(۹) مولانا حافظ عبدالوحید ہمشیرہ زادہ حضرت رائپوری

(۱۰) شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ گمانوی

(۱۱) مولانا حافظ محمد ابراہیم جگرانوی (میاں چنوں)

(۱۲) مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی

(۱۳) مولانا محمد عبداللہ دھرمکوٹی

(۱۴) حکیم ڈاکٹر مولانا محمد حسین للّٰہی گوجر خان

(۱۵) مولانا سید معروف علی شاہ ھمدانی (قصور)

(۱۶) مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی

(۱۷) حضرت مولانا سید انور حسین نفیس رقم سیالکوٹی ثم لاہوری

(۱۸) مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری (ملتان) ابن حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

باب دوازدھم

اقوال تصوف

اقوال تصوف اور ان کے گہرے اثرات

عام لوگوں کی ان مسائل پر تربیت اور اصلاح کے لیے اہل تصوف کے اقوال بھی بہت اثر کرتے ہیں۔ ہم یہاں چند روشن ضمیر بزرگوں کے کچھ اقوال تصوف بھی پیش کریں گے۔ یہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں، اخلاق کی اصلاح میں یہ اقوال بسا اوقات تیر بہدف کا کام کرتے ہیں اور ان کے لیے ان حضرات کے سالہا سال کے تجربات اور مشاہدات اور مریدان بااخلاص کے تزکیہ کی محنت ہوتی ہے۔ جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے انسان ایسے اعمال کا مکلف ہے کہ جس طرح بھی بن آئے وہ ان اخلاقی بیماریوں سے نکلے یہاں تک کہ اسے ان برے اخلاق میں نہ کوئی لذت محسوس ہو نہ کوئی کشش۔ تب سمجھو کہ اس راہ کا مسافر منزل پا گیا۔

اس اُمت کے کامل ترین فرد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں، جو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں۔ اپنے نازل ہونے کے بعد وہ شریعتِ محمدی کے تابع ہوں گے اور اب وہ اُمتِ محمدی کے ایک فرد ہوں گے۔ اقوال تصوف میں پہلے انہی کا قول پر تاثیر پڑھئے۔

(۱)۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ارشاد ہے:۔

اہل دنیا کے مال کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی دنیا کی روشنی، ایمان کی شیرینی تمہارے دل سے دُور کردے گی۔ (کیمیائے سعادت، ص:۱۶۴)

امام محمدؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی یہ تین باتیں پہنچیں:۔

لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فتقسو قلوبكم فان القلب

القاسی بعید من اللہ تعالیٰ ولکن لا تعلمون ولا تنظروا الی ذنوب الناس کانکم ارباب وانظروا فیها کانکم عبید فان الناس مبتلی و معاف فارحموا اهل البلاء واحمدوا اللہ علی العافیة

ترجمہ: (۱) اللہ کے ذکر کے سوا کثرتِ کلام سے بچو (قلیل الکلام رہو) کثرتِ کلام سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے، سخت دل آدمی اللہ (کی رحمت) سے دُور رہتا ہے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ (۲) اور لوگوں کے گناہوں پر غور نہ کرو گویا تم (ان کے) رب ہو، (انہیں حقیر سمجھنے سے بچو) ان پر بندوں کی سی نظر کرو (کہ ان کے گناہوں سے تمہیں اللہ کا ڈر محسوس ہونے لگے)۔ (۳) لوگ دو ہی طرح کے ہیں، ایک وہ جو آزمائش میں ڈالے گئے اور دوسرے وہ جو آزمائش سے بچے بچے رہے۔ تم ان پر رحم کرو جو کسی آزمائش میں ہیں، اور تمہیں جو عافیت ملی ہے اس پر تم خدا کی حمد کرو۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شریعت غالب تھی، حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر درویشی غالب تھی۔ آپ زیادہ طریقت میں رہے۔ بائبل کے پرانے عہدنامہ میں زیادہ وقائع اور قوانین ہیں اور نئے عہد نامہ میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بھی پابند تھے ماسوائے چند مسائل کے جو آپ کی اپنی شریعت کہلائے۔

(۲)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

علم وتربیت میں ساری اُمت کی ماں ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا آدمی کب برا بنتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے۔ اگر کسی کو دین یا دنیا کا کوئی منصب ملے اور اس میں تکبر کرے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اس کا مرتبہ اس منصب سے کم ہے اور جو اس منصب میں تواضع کرے تو خبر دیتا

ہے کہ اس کا مرتبہ اس منصب سے بڑھ کر ہے۔(ایضاً ص:۴۲)

(۳)۔حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ترین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔اب ان کے اقوالِ تصوف سے لذّت پذیر ہوں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس نصیحت کو پڑھیں:۔

(۱) زبان کو دوسروں کے شکوہ سے روک! خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

(۲) خوف الٰہی بقدر علم ہوتا ہے اور خدا سے بے خوفی بقدر جہالت ہوتی ہے۔

(۳) تو دنیا میں رہنے کے سامانوں میں لگا ہے اور دنیا تجھے اپنے سے نکالنے میں سرگرم ہے۔

(۴) شریف آدمی علم سے اور متواضع ہو جاتا ہے اور خبیث علم حاصل کر کے متکبر ہو جاتا ہے۔

(۵) فقیر کے سامنے عاجزی اور ادب سے صدقہ پیش کرو، خوشدلی سے صدقہ دینا قبولیت کی نشانی ہے اور بجھے دل سے صدقہ دینا اس کے بار ہونے کا اظہار ہے گویا اس پر یہ ایک بوجھ سا تھا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک قول:۔

لو علمت ان أحداً اقوی علیٰ هذا الامر منی لکان لی ان اقدم فیضرب عنقی اهون علیّ فمن ولی هذا الامر بعدی فلیعلم ان سیرده القریب والبعید وایم اللّٰه ان کنت لأقاتل الناس عن نفسی (رواه محمد بن الحسن) (تاریخ دمشق)

ترجمہ: اگر میں کسی ایسے شخص کو جان لوں جو مجھ سے زیادہ امور سلطنت پر قابو پا سکتا ہے تو میرے لیے یہ آسان ہوگا کہ اسے اپنے اوپر مقدم کروں، گو وہ مجھے مار دے سو جو شخص میرے بعد یہ سلطنت پائے وہ جان لے کہ اس کے پاس اس کے لیے اپنے شہر کے اور اجنبی لوگ سب آئیں گے اور خدا کی قسم کہ میں لوگوں سے اپنی ذات کے لیے لڑوں۔

آپ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے۔
اے لوگو! پیشتر اس کے کہ تمہارے اعمال کو ترازوئے عدل میں ڈالا جائے تم خود ہی ان کا وزن کرلو تاکہ کمی بیشی کا اندازہ کر کے اس کی کوئی تدبیر تم اسی زندگی میں کرلو ورنہ بعد میں یہ موقع بھی کہاں؟

حضرت عثمان غنیؓ کا ایک زریں قول:۔

یاأیھا الناس انکم أحوج الیٰ امام فعال دون امام قوال

ترجمہ: تمہیں ایسے امام کی ضرورت ہے جو سلطنت کے کام کرے، کام کا دھنی ہو، صرف باتوں والا نہ ہو۔

شاہ ولایت حضرت علی مرتضیٰؓ کا ارشاد:

ان اعظم الخیانة خیانة الامة وافظع الغش غش الائمة

(نہج البلاغۃ ۳، ص:۳۱)

ترجمہ: سب سے بڑی خیانت قوم کی خیانت ہے اور سب سے وحشتناک دھوکہ امراء کا ہے۔

واللّٰہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین الا علیّ خاصة التماساً لاجر ذلک و فضله (ایضاً جلد ا، ص ۱۲۰)

ترجمہ: بخدا میں اس وقت تک سلامتی سے رہوں گا جب تک امت کے امور سلامتی سے چلتے رہیں اور میرے سوا کسی اور پر زیادتی نہ ہو، تاکہ مجھے اس کا اجر ملے اور اس کا فضل شامل حال رہے۔

آپ ان اقوال تصوف میں بھی ایک عجیب لذت محسوس کریں گے، یہ ان کی ایک نہایت لطیف تاثیر ہے جس سے بسا اوقات زندگی کا کانٹا یکدم بدل جاتا ہے اور انسان ہدایت پر آجاتا ہے۔ چھٹی صدی تک اس راہ کے مسافر بڑی احتیاط سے اس میں چلتے رہے، اس کے بعد جب اس میں کچھ بے احتیاطی ہوئی اور اس میں غلو نے کچھ نہایت پیچیدہ جال بن دیئے، اس راہ میں ساتویں صدی کے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کچھ ایسے گھرے چلے کہ

کئی عارفین کو بھی اس جال سے نکلنا خاصا مشکل ہو گیا اور ان کے خلاف بہت آوازیں اٹھنے لگیں اور الحاد کے بھی کچھ الزامات لگے۔

تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض بڑے اونچے درجے کے بزرگوں نے انہیں روحانی طور پر عالم برزخ میں مقبولین میں دیکھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''التنبیه الطربی فی تنزیه ابن عربی'' میں بہت سے ایسے دقیق اعتراضات کا جواب دیا ہے لیکن پھر بھی ہدایت یہی کی ہے کہ عام لوگ ان کی کتابیں نہ پڑھیں۔

ابن عربی کے زیر اثر پھر کچھ ایسے مشائخ بھی اٹھے ہیں جنہوں نے اپنے بلند پایہ علم کے باوجود تصوف میں اپنے مریدین کو اپنا بندہ بنانے کے آداب اختیار کر لیے۔

اللہ کے کچھ بندے معبود ہی بن بیٹھے
لوگوں میں نظر آئی جو خوئے جبیں سائی

ان میں دسویں صدی ھجری کے ایک شافعی المذہب بزرگ علامہ عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) شیخ ابن عربی کے سایہ میں اس طرح چلے کہ انہیں ان کا شاگردِ خاص کہا جاتا ہے۔ اور علامہ شعرانی کی کتاب ''الیواقیت والجواھر'' ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا ہی ایک دوسرا ایڈیشن سمجھی جاتی ہے۔

اس کا سبب غالباً احناف کے اصول فقہ اور شوافع کے اصول فقہ میں تعریفِ بدعت میں ایک اختلاف ہو، جسے ہم اس وقت زیر بحث نہیں لاتے، تاہم اللہ کے بندوں کو (مریدانِ باصفا کو) اپنے بندے بنانے کا جال شاید ہی کسی نے ایسا گھناؤنا بُنا ہو۔

علامہ عبدالوہاب الشعرانی الشافعی نے ''الانوار القدسیة فی معرفة قواعد الصوفیة'' اپنے اس خاص مزاج سے لکھی ہے جس میں مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کے کئی سبق دیئے گئے ہیں۔ آپ انہیں ساتویں باب آداب المشائخ کے ذیل میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے دو پھر نقل کیے دیتے ہیں، اس سے باقی بھی یاد آجائیں گے۔

(۱) اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس پر قرآن کی سورۃ التحریم کی یہ آیت پیش کی گئی ہے:۔

لا یعصون اللہ ما أمرھم و یفعلون ما یؤمرون (پ:۲۸،التحریم:۶)

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کے خلاف نہیں چلتے اور جو کچھ انہیں کہا جائے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

(۲) جب سالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے جسمانی باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے، تو یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے روحانی باپ شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے۔ وہ یقین کرے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔

اس کتاب میں دیئے گئے آداب مشائخ کسی زاویہ فکر سے بھی اقوال تصوف نہیں کہلا سکتے۔ اب آپ اس بات کی تحقیق کریں کہ دسویں صدی کے اس غلط موقف کے خلاف سب سے پہلے کس بزرگ نے آواز اٹھائی؟ گیارھویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) نے ...... آپ نے علامہ شعرانی کا نام لے کر تو نہیں، ان کے امام شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''فصوص الحکم'' کا نام لے کر کہا کہ ہمیں فص نہیں، کتاب وسنت کی نص چاہیے۔ طریقت کی راہیں شریعت سے آنی چاہئیں۔

طریقت شریعت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ آپ اپنے مکتوب نمبر ۲۶۶، ص: ۳۱۰ (دفتر اول) میں خواجہ عبداللہ کے نام لکھتے ہیں:

> عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم، ایں جا قول امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ کہ عمل ابوبکر شبلی و ابوحسن نوری۔

ترجمہ: اہلِ تصوف کا عمل جائز اور ناجائز کے تعین میں ہر گز سند نہیں، انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد

کریں۔ حلال وحرام کے تعین میں (فقہاء سے سند لینی چاہیے) یہاں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال لائیں، نہ کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ اور ابوحسن نوریؒ کے۔

یہ بات کوئی عام شخص کہتا تو سب لوگ کہنے والے کو ملامت کرتے کہ کیا حضرت شیخ اکبر کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے تھے؟ حضرت امام ربانیؒ نے کھلے طور پر فرمایا:

ایں بزرگواراں دریں طریق التزام سنت نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ مہما امکن۔ عمل برخصت تجویز نمے کنند ...... ونص بفص نمے گرایند واز فتوحات مدنیہ بفتوحات مکیہ التفات نمے نمایند......

(مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۲۴۳ ص ۴۳، ص ۴۴ مکتبہ سعیدیہ پشاور)

ترجمہ: نقشبندیوں کے یہ بزرگ ہمیشہ سنت کے ملتزم اور بدعات سے جہاں تک ہوسکا مجتنب رہے ہیں۔ رخصتوں پر عمل تجویز نہیں کرتے۔ کتاب و سنت کی نص کو فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے کمزور نہیں کرتے۔ فتوحات مدنیہ کے بالمقابل فتوحات مکیہ کی طرف ذرا التفات نہیں کرتے۔

معارف انبیاء کتاب وسنت ومعارف اولیاء فصوص وفتوحات مکیہ

(مکتوبات جلد ۱، مکتوب نمبر ۲۶۰، ص ۹۴)

ترجمہ: معارف انبیاء (قطعی درجے میں) کتاب و سنت ہیں اور معارف اولیاء فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کی وسعتیں ہیں۔ جنہیں قطعیت کا درجہ حاصل نہیں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
کشف و کرامت عام سہی قطعیت سنت عام نہیں

حضرت امام ربانی کی یہ دوری صرف شیخ اکبر ابن عربی (ھ) اور علامہ شعرانی (ھ) سے ہی نہیں۔ پہلے صوفیہ کرام سے بھی آپ دین کی سند نہیں لیتے۔ دین میں آپ فقہاء سے

سند لیتے ہیں جو کتاب و سنت سے بطریق اجتہاد مسائل فقہ کشید کرتے ہیں۔ ہم آپ کا یہ مکتوب گرامی پہلے بھی ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔

عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم (مکتوب ۲۶۶، جلد اول ص ۱۳۶)

ترجمہ: اہلِ تصوف کا عمل جائز اور ناجائز کے تعین میں ہرگز سند نہیں، انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کریں۔

لیکن یہ بات ایک ایسے اونچے نقشبندی بزرگ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے کہی کہ ہم کو فص کی نہیں نص کی ضرورت ہے، تو کسی زبان سے بھی یہ بات نہ نکلی کہ یہ کہنے والا بزرگوں کا منکر ہے، پیروں کے مقامات نہیں سمجھتا۔

اس لیے یہ الفاظ کہ ہمیں فص نہیں نص چاہیے، اقوال تصوف میں ایک نہایت اونچا درجہ پا گئے۔ جونہی یہ بات کہہ دی جائے راہِ طریقت میں چلنے والے مسافروں کی سوچ کا کانٹا یکدم بدل جاتا ہے۔ آپ کے یہ الفاظ علامہ شعرانی بھی سنتے تو شاید وہ اپنی پوری اس کتاب سے رجوع فرما لیتے اور پھر یہ دنیا کہتی کہ کس طرح ایک حنفی بزرگ نے ایک شافعی بزرگ کی راہ بدل دی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے جو فصوص الحکم کا نام لیا، وہ آپ سے تقریباً چار سو سال پہلے کی ایک نہایت علمی اور گہری تالیف ہے، تو آپ خود سوچیں کہ کیا ایک صدی پہلے کی کتب تصوف پر آپ کی نظر نہ ہوگی؟

یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی علامہ شعرانی کی اس کتاب پر نظر نہ ہوگی۔ آپ اپنے ایک مکتوب میں، جو آپ نے خواجہ عبداللہ کے نام لکھا ہے، لکھتے ہیں:۔

صوفیہ وقت نیز اگر برسرِ انصاف بیایند وضعف اسلام و افشائے کذب را ملاحظہ کنند باید کہ در ما ورائے سنت تقلید پیران خود نکنند و اُمور مخترعہ را

بہانہ عمل شیوخ دیدن خود نگیرند

ترجمہ: صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیے کہ سنت کے ماسوا اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ کر کے مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ (مکتوبات شریف نمبر ۲۳، ص ۵۸، جلد دوم)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ گیارھویں صدی میں پیروں کی اس روش سے سخت بیزار تھے۔ کاش کہ آثار الاحسان کے قارئین کرام ان کی ان دردمندانہ اور دل فگار صداؤں کو بھی سن چکے ہوتے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

یہ فقیر ان بدعات میں کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا ان میں ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا...... احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت سنت کو مٹانے والی ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں ہیں۔ ہر بدعت سیئہ ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اوّل ص ۲۱۰)

یہ دسویں صدی کا حال تو آپ کے سامنے آ ہی چکا اور اس پر آپ نے گیارھویں صدی کے اس نقشبندی بزرگ حضرت امام ربانی کی آہ وزاری بھی پڑھ لی۔

اب اس پر چودھویں صدی کے ایک عظیم سکالر جن کی عصرِ جدید پر بھی پوری نظر تھی اور وہ دار العلوم ندوہ العلماء کے بڑے محقق عالم تھے، ان کا یہ تجزیہ بھی آپ پہلی جلد کے آخر میں پڑھ آئے ہیں کہ چودھویں صدی میں تصوف جب اپنے اصل جوہر سے خالی ہو گیا تھا، چودھویں صدی کے مجدد نے کس طرح اسے پھر سے شیخ شبلیؒ و جنید بغدادیؒ اور شہاب الدین سہروردیؒ کے خزانوں سے معمور کیا، یہ بھی آپ وہاں پڑھ آئے ہیں۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ یہ ہستی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے التشرف کی ضخیم جلد میں

بالتفصیل اور حقیقت الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے اور مسائل السلوک من کلام ملک الملوک میں تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی متعدد تصانیف و مواعظ میں جابجا تصوف کے متعلق نہایت وضاحت تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی دونوں آ گئے۔ اعمال باطنی گویا شریعت سے الگ نہیں، شریعت کا ہی ایک ذیل ہیں جسے طریقت کہا جاتا ہے۔

مریدوں کو اپنا بندہ بنانے والے مشائخ کی کیا کوئی بات قبول کی جا سکتی ہے؟

پہلے اس پر نظر کریں کہ اس باب میں کتاب و سنت کا موقف کیا ہے اور پھر اس پر اس کے مقابل اکابر علماء دیوبند کا موقف کیا ہے؟ جہاں تک ہماری معلومات ہیں تصوف کے تمام آئمہ کبار شریعت اور طریقت کے تمام ابواب میں کتاب و سنت سے ذرا بھی نہیں نکلتے۔ ان کے ہاں قرآن کریم سے لے کر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک یہی ایک صدا رہی ہے کہ وہ اپنی پوری محنت مریدین کو اپنا بندہ بنانے کی بجائے اللہ کا بندہ بنانے پر لگاتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں یہ حق کسی پیغمبر کو بھی نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بننے کے لیے کہے۔

ما كان لبشر أن يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لى من دون الله ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب و بما كنتم تدرسون ولا يامركم أن تتخذوا الملئكة والنبيين ارباباً أيامركم بالكفر بعد اذا أنتم مسلمون (پ:۳، آل عمران:۸۰)

ترجمہ: کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس کو دے کتاب اور حکمت اور نبوت پھر وہ کہے لوگوں کو تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ

اس طرح کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے وہ سکھلاتے تھے تم کو کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی اسے پڑھتے تھے اور یہ نہ کہے تم کو کہ ٹھہراؤ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا تم کو وہ کفر سکھلائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے۔

یہی بات امام الطائفہ جناب حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۳۱۷ھ) نے کہی ہے، فرمایا کہ:

سب سن لیں! میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا، اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام اجازت ہے جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کی ضرورت ہے تو بیعت کی بھی اجازت ہے۔ (اشرف السوانح، ص: ۳۱۲)

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ کو اپنے پورے حلقہ کے لیے ایک اصولی نقطہ ٹھہرایا کہ جس کی پشت پر دیوبندی مشرب کے سب علماء اور سب مشائخ طریقت ایک ہی صدا لگاتے آرہے ہیں۔

اس وقت یہ موضوع نہیں ہے کہ اللہ کا بندہ بنانے اور اپنا بندہ بنانے میں کیا فرق ہے۔ یہ بات یہاں ضمنی طور پر آگئی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اہل تصوف کے اقوال کس طرح سریع التاثیر ہوتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس بات نے کہ ہمیں فص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے، آئندہ کی واردات پر کیسے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ جب یہاں شیخ اکبر کی فص کو اس طرح بے بس کیا جا رہا ہے تو شیخ اصغر علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "**الانوار القدسية فی معرفة قواعد الصوفيه**" راہِ طریقت کے مسافروں کے لیے کیا کسی درجے میں بھی رہنما کتاب تسلیم کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں!

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ جو پیر اپنے اہل وعیال کے بھی سارے اخراجات اپنے مریدوں پر ڈالیں اور علامہ شعرانی الشافعی کی اس ہدایت کو قواعد صوفیہ میں جگہ دیں، کہیں

وہ اس آیت کے ذیل میں تو نہیں آرہے:۔

لیأکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللّٰہ (التوبۃ)

اب آپ اس قاعدہ صوفیہ کو بھی پڑھیں اور اس پر سر دھنیں جو الانوار القدسیۃ میں ملتا ہے۔

مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز پر مقدم رکھے، اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ سید ابو العباس سرسیٔ نے اپنے شیخ سید محمد حنفی پر تیس ہزار دینار خرچ کیے۔

ابو العباس سرسیٔ جیسے راہ طریقت کے رہنماؤں نے مریدین کی جیب پر اس طرح جو اپنی ذاتی ضروریات کے لیبل لگائے، عام فطرت انسانی اسے کسی طرح بھی قبول نہیں کرتی لیکن اس قسم کے مشائخ کے قدموں سے جس طرح صف تصوف پامال ہوئی یہ ایک درد بھری کہانی ہے۔

اس پر ایک تبصرہ محقق العصر، مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلمان ندوی سے بھی آپ سن چکے۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمات تصوف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و سرہندی جیسے بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔

(دیکھئے آثار الاحسان جلد: ۱، ص: ۵۱۵)

اور یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے پہلے بھی آ چکی ہے۔

علماء دیوبند کو طریقت کے اس پلیٹ فارم پر کون لائے؟ امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۳۱۷ھ)...... انہوں نے کھل کر فرمایا کہ میں اپنے مریدین کو اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، اللہ کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، کیونکہ خدا مقصود ہے، شیخ مقصود نہیں۔ آپ فاروقی النسب تھے اور آپ کے کلام میں فاروقی رگ پوری قوت سے دھڑکتی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ان کے پاس نویں دسویں ہجری کے کچھ پیروں کی یہ صدا لگ چکی ہے کہ مریدین ان کے بندے بنیں اور وہ اس بات پر لائے جائیں کہ خدا بھی اپنے بندوں کو ان کے پیر کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کیا یہ اس کتاب الانوار القدسیہ کا کھلا رد نہیں؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فاروقی جلال جس طرح دسویں صدی کی ان ظلمات پر چمکا، وہی فاروقی جلال پھر حضرت مولانا تھانویؒ کے منبع فیض سے آگے چلا۔

حضرت حاجی صاحبؒ (۱۳۱۷ھ) کا جو اصولی قاعدہ آپ نے یہاں مطالعہ کیا ہے، شمالی پنجاب میں حضرت خواجہ شمس الدینؒ (۱۳۰۰ھ) سے بھی آپ اس کی صدائے بازگشت سنیں گے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف چشتی صابری حلقے کی ہی باتیں نہیں، چشتی نظامی بھی ان سے کسی زیادہ فاصلے پر نہیں رہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے پوچھا گیا کہ بولنے اور خاموش رہنے میں کون سی چیز افضل ہے؟

آپ نے اس کے جواب میں پیمانۂ شریعت کو کہیں چھلکنے نہیں دیا۔ آپ نے اعتدال کی یہ راہ بتلائی:۔

> علماء کے لیے بولنا اچھا ہے اور درویش کے لیے چپ رہنا بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک سے اس کے حال کے مطابق پوچھا جائے گا علماء سے علم اور صوفیہ سے پردہ پوشی اور خاموشی کے بارے میں سوال ہوگا۔

یہ وہ اقوال تصوف ہیں جو اپنے قارئین پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں اور بعض دفعہ ان سے پڑھنے والوں کی زندگی کا رخ فوراً بدل جاتا ہے۔

اب پورے برصغیر ہند و پاک کے لیے چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ سالکین کے لیے اقوال تصوف ہیں جن سے ان کی زندگیوں کا رخ بدل جاتا ہے اور باطن چمک اٹھتا ہے "لمن کان له قلب أو ألقی السمع وهو شهید"

اس میں سوچنے کا موقع ہے اُس کے لیے جس کے اندر دل ہے یا وہ ڈال دے کان ادھر دل لگا کر۔

از مولف عفا اللّٰہ عنہ
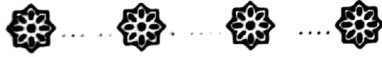
مفتی زاہد حسین (نائب صدر، متحدہ علماء شاہدرہ)

الحمدللہ کہ اسلامی تعلیمات کی آخری منزل آثار الاحسان کی دوسری جلد اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اپنی آخری منزل کو پہنچ گئی ہے۔ دینی تعلیمات کی ان چار منزلوں میں تصوف آخری اہم ترین منزل ہے جہاں علم و معرفت کے تمام چشمے ایک ہو جاتے ہیں۔

احسان اور اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو پر آثار الاحسان فی سیر السلوک و العرفان حضرت علامہ جسٹس (ر) ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کے قلم حقیقت رقم سے عصر حاضر کا شاہکار ہے۔ حضرت مولانا سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم قادری کی خانقاہ سید احمد شہید میں آثار الاحسان کی دوسری جلد پوری عقیدت سے پڑھی گئی اور حضرت شاہ صاحب نے اس کی پوری تصویب فرمائی اور جناب ڈاکٹر محمد فرحان ریحانی کے ہاتھ اس پر ایک ہزار کا انعام حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کے لیے بھیجا۔

پھر خانقاہ نقشبندیہ کے حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی صاحب نے بھی اپنی دارالسلام (ضلع شیخوپورہ) کی سالانہ مجالس میں آثار الاحسان کا بڑی کثرت اور محبت سے ذکر فرمایا اور اپنے تمام متعلقین کو اس کتاب سے استفادہ کی تلقین فرمائی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آثار الاحسان کی اس جلد کو حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور اُمت کو اس سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام

مفتی زاہد حسین۔ مفتی صہیب ظفر

راہِ طریقت کے مسافر اور علماء ایسے آداب سے بچیں کہ عام لوگ تصوف کو دکانداری سمجھنے لگیں اور درویش کٹے ہوئے پتنگ کی طرح صرف ہواؤں میں اُڑتے دکھائی دیں

رسول خدا کی ذمہ داریوں میں دوسرے نمبر پر اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل میں امت کے دلوں پر محنت کرنا ہے۔ ہر انسان دنیا میں ایک دکان کی مانند ہے۔ اخلاق اس دکان کا دروازہ ہے اور زبان اس کا تالا ہے۔ جب اس کی کاروباری زبان کھلتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ یہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی؟

چاہیے درویشانِ راہ طریقت اس امت میں خوش اخلاقی کا ماحول پیدا کریں اور کثرتِ وظائف و اوراد کا اب بوجھ نہ ڈالیں کہ وہ عام مسلم سوسائٹی سے کٹے رہیں، خوش اخلاق انسان جاہل بھی ہو تو کبھی دوستوں کی دوستی سے محروم نہیں رہتا۔ رہتی بستی میں جم کر رہتا ہے دنیا سے رخصت بھی ساتھیوں کے ہجوم میں ہوتا ہے۔ قبر بھی خیر خواہوں سے حفاظت میں ہوتی ہے۔

شریعت اور طریقت کسی طبقے کی میراث نہیں یہ ورثہ انبیاء کی امت کے دلوں پر محنت ہے جب امتی تزکیۂ قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں تو تصوف عام لوگوں کے دلوں کا چین اور ان کی باہمی اخوت کا نشان بنتا ہے۔

وھو الموفق لما یحبه و یرضی به.

مؤلف عفا اللّٰہ عنه

کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارسِ عربیہ کے منتہی
طلبہ اور طالبات کے لیے علوم اسلامی کا

تعلیمی نصاب

۱۔ آثار التنزیل (قرآن کا تعارف) ۲ جلدیں

۲۔ آثار الحدیث (حدیث کا تعارف) ۲ جلدیں

۳۔ آثار التشریع (فقہ کا تعارف) ۲ جلدیں

۴۔ آثار الاحسان (تصوف کا تعارف) ۲ جلدیں